دعوت وتبلیغ کے اُصول واحکام

تصحیح شدہ جدید ایڈیشن

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

www.alislahonline.com

تفصیلات

نام کتاب.................. دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام

افادات............ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب.................. محمد زید مظاہری ندوی

سن اشاعت.................. بارنہم ۱۴۳۸ھ

صفحات............................۲۸۴

قیمت............................ /روپئے

برائے رابطہ.................. muftizaid@gmail.com

ویب سائٹ.................. www.alislahonline.com

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے

☆ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندہ، پن کوڈ:۲۱۰۰۱

☆ مکتبۃ الفرقان نظیر آباد لکھنؤ

☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ بمبئی ۹

اجمالی فہرست

عنوانات	صفحات
باب نمبر۱ دعوت وتبلیغ سے متعلق آیات قرآنیہ	۳۰
باب نمبر۲ امر بالمعروف کی فرضیت قرآن کی روشنی میں	۳۹
باب نمبر۳ دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں عام کوتاہی	۵۰
باب نمبر۴ حفاظت دین کا مطلب	۸۴
باب نمبر۵ عمومی تبلیغ کی ضرورت	۹۵
باب نمبر۶ دعوت وتبلیغ میں مشورہ کی اہمیت وضرورت	۱۰۶
باب نمبر۷ کام شروع کرنے کا طریقہ	۱۱۴
باب نمبر۸ تبلیغی کام کرنے والوں کے لئے ضروری دستور العمل اور اہم ہدایات	۱۲۳
باب نمبر۹ تبلیغ یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہونے کے شرائط	۱۲۹
باب نمبر۱۰ دعوت وتبلیغ کے اُصول وآداب سیکھنے کی ضرورت واہمیت	۱۴۴
باب نمبر۱۱ تبلیغ ونصیحت کے اقسام اور اس کے طریقے	۱۵۳
باب نمبر۱۲ عقائد واعمال کی تبلیغ کا بیان	۱۷۴
باب نمبر۱۳ کفار کو تبلیغ کرنے کا بیان	۱۸۲
باب نمبر۱۴ دعوت وتبلیغ کا طریقہ اور حکمت کی تشریح	۱۸۷
باب نمبر۱۵ دعوت وتبلیغ میں کوشش کرنے کا مطلب	۱۹۶
باب نمبر۱۶ مبلّغین کی اصلاحات اور ضروری ہدایات	۲۱۱
باب نمبر۱۷ داعی کی دو قسمیں، عامل غیر عامل	۲۱۹

www.alislahonline.com

عنوانات	صفحات
باب نمبر۱۸ علماء سے مل کر کام کرنے کی ضرورت	۲۳۴
باب نمبر۱۹ دعوت کی دو قسمیں، دعوت خاصہ دعوت عامہ	۲۴۲
باب نمبر۲۰ تبلیغ کے اقسام، مدارس کا قیام اور درس وتدریس بھی تبلیغ ہے	۲۴۸
باب نمبر۲۱ دعوت کی نوع کے اعتبار سے داعی کی دو قسمیں	۲۵۴
باب نمبر۲۲ دعوت وتبلیغ کے ناجائز اور غلط طریقے	۲۶۱
باب نمبر۲۳ علمی واُصولی مباحث	۲۷۵
باب نمبر۲۴ تبلیغی جماعت اکابر علماء کی نظر میں	۲۸۲

فہرست مضامین

عنوانات	صفحات
رائے عالی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی	۲۰
دعائیہ کلمات عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی	۲۱
تقریظ از حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی	۲۲
مقدمۃ الکتاب از حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زید مجدہم	۲۴
عرض مرتب	۲۷
باب ۱ دعوت وتبلیغ سے متعلق آیات قرآنیہ	۳۰
دعوت وتبلیغ کی فضیلت	۳۰
اس امت کی فضیلت دعوت وتبلیغ کی وجہ سے ہے	۳۱
امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ترک پر وعید وتہدید	۳۲
امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے متعلق احادیث نبویہ	۳۲
منکر پر نکیر نہ کرنے کا وبال، دردناک واقعہ	۳۵
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا واقعہ	۳۶
کفار کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور طائف کا مشہور واقعہ	۳۷
باب ۲ امر بالمعروف کی فرضیت قرآن کی روشنی میں	۳۹
امر بالمعروف کے بغیر اسلام کامل نہیں ہوسکتا	۳۹
امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بغیر دین کی تکمیل اور نجات مشکل ہے	۴۰
دعوت وتبلیغ کا حکم	۴۱

www.alislahonline.com

دعوت وتبلیغ کا فقہی حکم	۴۲
امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی ایک فریضہ ہے	۴۳
دعوت وتبلیغ اصل کام ہے	۴۳
دین میں تبلیغ اصل ہے	۴۴
اصل چیز تبلیغ ہے اسی کے واسطے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے	۴۵
دعوت وتبلیغ کی طرف سے اہل علم کی کوتاہی اور اس کا نتیجہ	۴۵
جملہ اہل علم کی ذمہ داری	۴۶
دعوت وتبلیغ صرف علماء کا کام نہیں	۴۶
بغیر دعوت کے دیندار نہیں بن سکتے	۴۶
امت کے ہر فرد پر تبلیغ واجب ہے	۴۷
کن لوگوں پر تبلیغ واجب ہے؟	۴۸
دعوت وتبلیغ کے وجوب وعدم وجوب کا معیار	۴۸
باب ۳ دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں عام کوتاہی	۵۰
اپنے گھر والوں، بیوی بچوں کو تبلیغ کرنے میں کوتاہی	۵۲
اولاد کو تبلیغ کرنے میں کوتاہی	۵۲
اعمال کی تبلیغ میں کوتاہی	۵۳
دینداروں سے شکایت	۵۴
خواص امت صوفیاء ومشائخ سے شکایت	۵۵
پیر ومرشد سے شکایت	۵۶
علماء سے شکایت	۵۷

واعظین ومبلغین سے شکایت ۵۸
مدرسہ والوں سے شکایت ۵۸
مبلغین تیار کرنے کی تحریک ۵۹
دار المبلغین اور تبلیغی مرکز کے قیام کی ضرورت ۶۰
ہر مدرسہ میں تبلیغی نظم ہونے کی ضرورت وافادیت ۶۰
فارغ التحصیل طلبہ کو وعظ تبلیغ کا مکلّف بنادینا چاہئے ۶۱
فصل ۱ دعوت وتبلیغ میں کوتاہی کی اصل وجہ ۶۲
کوتاہی کا سبب ۶۳
مخاطب کی ناگواری اور تعلقات کی خرابی کے اندیشہ سے ترک تبلیغ ۶۳
تبلیغ کی وجہ سے مخاطب کی ناگواری یا تعلقات کی خرابی کا خطرہ اور اس کا شرعی حل ۶۴
حکمت اور نرمی کے ساتھ اگر دعوت دے جائے تو ناگواری نہ ہوگی ۶۵
دوست اور ہر مسلمان کو تبلیغ ونصیحت کرنے کی ضرورت ۶۵
مخاطب کے برا ماننے کا عذر اور اس کا حل ۶۶
خواہ مخواہ کے فضول عذر کی وجہ سے ترک تبلیغ ۶۷
معذور ہونے کا حکم لگانے میں ہر شخص کی رائے کا اعتبار نہیں ۶۹
ترکِ دعوت وتبلیغ کا شرعی عذر ومانع ۷۰
دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں تکلیف برداشت کرنا ۷۱
فصل ۲ صلح کل کا فلسفہ درست نہیں ۷۲
اتحاد واختلاف کے حدود ۷۳
اتحاد واتفاق کی وجہ سے ترک تبلیغ کی مذمت ۷۴

www.alislahonline.com

عبرت ناک واقعہ ۷۵
ایک حکایت ۷۶
ایک اور حکایت ۷۷
تبلیغ کے مخالفین ومعترضین سے چند باتیں ۷۷
فصل ۳ دعوت وتبلیغ سے غفلت کا نتیجہ ۷۹
مسلمانوں کی بے حسی اور دوسری قوموں کی جرأت مندی ۷۹
دعوت وتبلیغ سے کوتاہی کا انجام، غلطی کا اعتراف ۸۰
اسلام کے دو درجے ۸۱
تجربہ کی بات ۸۲
اگر فتنہ ارتداد سے بچنا ہے تو نماز کی پابندی شروع کردو ۸۳
باب۴ حفاظت دین کا مطلب ۸۴
دین کی حفاظت کے دو طریقے ۸۵
اندرونی حفاظت کی زیادہ ضرورت ہے ۸۶
اسلام کمزور نہیں ہوا، مسلمان کمزور ہوگئے ۸۷
اگر مسلمان دین کی حمایت نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو کھڑا کردے گا ۸۹
اسلام کی ترقی کی اشاعت کے لئے دو باتیں کافی ہیں ۹۰
اسلام کی ترقی حسنِ اخلاق سے ہے، مبلغین کو اخلاق سنوارنے کی ضرورت ۹۰
اسلامی اخلاق، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا نمونہ ۹۱
تبلیغ کی کامیاب شکل، حضرت علیؓ کا واقعہ ۹۲
اسلام کو نقصان مسلمانوں ہی سے پہونچا ہے ۹۴

باب۵ عمومی تبلیغ کی ضرورت	۹۵
حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ اس وقت ہر شخص کو تبلیغ دین کیلئے کمربستہ ہوجانا چاہئے	۹۵
امت کی بدحالی اور مسلسل تبلیغی کام جاری رکھنے کی ضرورت	۹۶
ہر طبقہ کو تبلیغ کرنے کی ضرورت	۹۷
ملازمین ومدرّسین کو چھٹی کے زمانہ میں تبلیغ کا کام کرنا چاہئے	۹۷
مشغول اور غیر مشغول حضرات کے کام کرنے کی ترتیب	۹۸
جو لوگ خود تبلیغ میں نہیں جاسکتے وہ کس طرح تبلیغ میں حصہ لیں	۹۸
جس کے پاس نہ علم ہو، نہ مال وہ کس طرح تبلیغ کرے	۹۹
محض دعاء کافی نہیں دعاء کے ساتھ تدبیر بھی ضروری ہے	۹۹
آسان ترکیب	۱۰۰
فصل۱ دیہاتوں میں جاجا کر تبلیغ کرنے کی ضرورت	۱۰۱
دیہاتوں میں جاکر کام کرنے کا طریقہ	۱۰۲
کفار اور نومسلموں میں تبلیغ کی ضرورت	۱۰۲
فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں تبلیغ	۱۰۳
مرتدین اور نومسلموں میں حضرت تھانویؒ کی تبلیغ کا طریقۂ کار	۱۰۳
باب۶ دعوت وتبلیغ میں مشورہ کی اہمیت وضرورت	۱۰۶
قرآن کی تعلیم، مشورہ کا مقصد	۱۰۷
امیر کی ضرورت ومصلحت اور ضروری ہدایت	۱۰۸
فصل۱ نظم وجماعت کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت	۱۰۹
تبلیغی مرکز قائم کرنے کی ضرورت	۱۰۹

www.alislahonline.com

جہاں تبلیغی مرکز نہ ہو وہاں تبلیغی کام کرنے کا طریقہ	۱۱۰
تنخواہ دار مبلغین مقرر کرنے کی صورتیں	۱۱۲
مبلغین کے تقرر اور فراہمی چندہ کی صورت	۱۱۳
باب۷ کام شروع کرنے کا طریقہ	۱۱۴
جو کام شروع کرتا ہے اس کے لئے راستے خود بخود کھل جاتے ہیں	۱۱۴
فائدہ تو کام کرنے ہی سے ہوتا ہے	۱۱۵
دعوت وتبلیغ کا مقصد	۱۱۵
تبلیغ کا اصلی مقصد	۱۱۶
دو نیت سے تبلیغ کرنا چاہئے	۱۱۶
خصوصی ملاقات کی ضرورت اور اس کا طریقہ	۱۱۷
ہر شخص کے کام کی ترتیب اس طرح ہونا چاہئے	۱۱۸
فصل۱ اپنی اصلاح نہ ہونے اور خود عامل نہ ہونے کے باوجود دوسرے کو تبلیغ واصلاح کرنا واجب ہے	۱۱۹
اپنی اور دوسروں کی اصلاح ساتھ ساتھ کرتے رہو	۱۲۰
ایک غلط استدلال اور اس کا جواب	۱۲۱
ایک اور غلط استدلال اور اس کا جواب	۱۲۱
باب۸ تبلیغی کام کرنے والوں کے لئے ضروری دستور العمل اور اہم ہدایات	۱۲۳
درجہ بدرجہ تبلیغ، جن امور کی تبلیغ کی جائے اس کی ترتیب	۱۲۴
دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے چند مفید نصیحتیں	۱۲۷
وعظ وتبلیغ میں چندہ ہرگز مت کرو	۱۲۸

باب ۹ تبلیغ یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہونے کے شرائط	۱۲۹
علم کی شرط	۱۲۹
مخاطب کو حق نہ پہنچنے کی شرط	۱۳۰
یاجوج ماجوج کو تبلیغ ہو چکی ہے اسلئے ان کو تبلیغ کرنا فرض نہیں	۱۳۰
موقع شناسی ومزاج شناسی کی شرط	۱۳۱
مخاطب کے مزاج اور موقع محل کی رعایت کے بغیر امر بالمعروف کرنے کا نتیجہ	۱۳۱
فتنہ وفساد نہ ہونے کی شرط	۱۳۲
ناجائز تبلیغ	۳۳
تبلیغ کرنے میں فتنہ اور خاموش رہنے میں دوسروں کی گمراہی کا خطرہ ہو تو کیا کرنا چاہیئے	۱۳۳
مخاطب کے حد پر قائم رہنے کی شرط	۱۳۴
مخاطبین کے اور زیادہ گمراہ نہ ہو جانے کی شرط	۱۳۴
تکبر وعجب نہ ہونے کی شرط	۱۳۵
اپنے شیخ سے اجازت واطلاع کی شرط	۱۳۶
اپنے کو افضل اور اچھا نہ سمجھنے کی شرط	۱۳۶
ایک حکایت	۱۳۷
استطاعت کی شرط	۱۳۹
قدرت یعنی ضرر لاحق نہ ہونے کی شرط	۱۴۰
قدرت کی تعریف وتقسیم	۱۴۱
چند ضروری مسائل، قدرت بالید وباللسان کا فرق	۱۴۲
ہاتھ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کا مکلّف کون ہے؟	۱۴۳

www.alislahonline.com

باب ۱۰ دعوت وتبلیغ کے اصول وآداب سیکھنے کی ضرورت واہمیت	۱۴۴
دعوت وتبلیغ بھی ایک مستقل فن ہے اسکے آداب سیکھنا ضروری ہے	۱۴۵
اصول وفروع کی تبلیغ اور ان کے آداب سیکھنے کی ضرورت	۱۴۵
دعوت وتبلیغ کے اصول وآداب سیکھنے کے طریقے	۱۴۶
اصلاح وتبلیغ کے چند ضروری آداب	۱۴۶
اصلاح وتبلیغ کا عمدہ طریقہ	۱۴۷
مخاطب کو سمجھانے اور نصیحت کرنے کا طریقہ	۱۴۸
اصلاح وتبلیغ کا مناسب طریقہ	۱۴۹
نصیحت کرنے کا اہم ادب، سختی سے اجتناب اور نرمی کی ضرورت	۱۴۹
سختی مقصود بالذات نہیں	۱۵۰
دعوت وتبلیغ میں نرمی اختیار کرنے کا فائدہ (مولانا مظفر حسینؒ کی حکایت)	۱۵۰
مولانا شیخ محمد صاحبؒ کی حکایت اور اندازِ تبلیغ	۱۵۱
باب ۱۱ تبلیغ ونصیحت کے اقسام اور اس کے طریقے	۱۵۳
دعوت وتبلیغ امر بالمعروف کے مختلف طریقے، نصیحت قالی وحالی	۱۵۴
نصیحت واصلاح کے دو طریقے	۱۵۴
تبلیغ سکوتی یعنی کچھ نہ کہہ کر تبلیغ کرنا	۱۵۵
نصیحت کا ایک اور طریقہ حضرت تھانویؒ کا واقعہ	۱۵۷
نصیحت کرنے کا حکیمانہ طریقہ، حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کا واقعہ	۱۵۷
دوسرا واقعہ	۱۵۸
اصلاح کا تدریجی طریقہ، حضرت گنگوہیؒ کی حکایت	۱۵۸

ایک اور بزرگ کی حکایت ۱۶۰

اہل اللہ کی برکت، حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا واقعہ ۱۶۰

نصیحت کرنے کی عجیب تدبیر (حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی حکایت) ۱۶۱

نصیحت کرنے کا حکیمانہ طرز، ایک بزرگ کا واقعہ ۱۶۲

حسنِ تدبیر کے ساتھ تبلیغ کا نمونہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ۱۶۲

ایک اور واقعہ ۱۶۳

مولانا مظفر حسین صاحب کی حکایت ۱۶۳

عوام کو صرف زبان ہی سے تبلیغ کرنا چاہئے ۱۶۴

فصل۱ اصلاح کا عمدہ طریقہ اور عملی تبلیغ کی ضرورت ۱۶۵

عملی فساد میں قولی تبلیغ کافی نہیں، عملی تبلیغ ضروری ہے ۱۶۵

عملی تبلیغ کا طریقہ اور حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ ۱۶۶

دوسرا واقعہ ۱۶۶

ایک وزیر صاحب کا واقعہ ۱۶۸

فصل۲ باپ بیٹے کو تبلیغ کرنے کا طریقہ ۱۶۹

نواب وامراء اور بڑے لوگوں کی اِصلاح کا ایک طریقہ ۱۷۰

اعمال یعنی نماز وروزہ کی تبلیغ کا طریقہ ۱۷۱

زکوٰۃ وحج کی تبلیغ کا طریقہ ۱۷۲

باب۱۲ عقائد واعمال کی تبلیغ کا بیان ۱۷۴

عقائد حقہ کی تبلیغ اور عقائد واعمال کی تبلیغ کا فرق ۱۷۴

عمل کی اہمیت اور اعمال میں تبلیغ کی ضرورت ۱۷۵

www.alislahonline.com

فساق واہل بدعت سے اختلاط اور منکر پر سکوت خود معصیت ہے ۱۷۸

کفار وفساق اور اہل بدعت سے تعلقات رکھنے کی تین صورتیں ۱۷۸

مدارات کی ضرورت مداہنت کی ممانعت ۱۷۹

دینداروں اور نمازیوں کو بھی عمل کی دعوت دیتے رہنا چاہئے ۱۸۰

باب۱۳ کفار کو تبلیغ کرنے کا بیان ۱۸۲

تکمیل اسلام وتبلیغ اسلام دونوں ہی کی دعوت دینا چاہئے ۱۸۲

کفار کو تبلیغ اسلام کرنے کی ضرورت اور اس کا طریقہ ۱۸۳

غیر مسلموں میں کام کرنے کی ترتیب ۱۸۴

کفار کو اسلام کی تبلیغ کرنے کا طریقہ ۱۸۴

موجودہ حالات میں مسلمانوں کو تبلیغ کیجائے یا غیر مسلموں کو ۱۸۵

باب۱۴ دعوت وتبلیغ کا طریقہ اور حکمت کی تشریح ۱۸۷

موعظۃ حسنہ کی تشریح اور نصیحت کرنیوالوں کی دو قسمیں ۱۸۸

مجادلۃ حسنہ کی حقیقت ۱۸۸

دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں ترغیب وترہیب کی ضرورت واہمیت ۱۸۹

ترغیب وترہیب کی حقیقت اور اس کا طریقہ ۱۹۰

عام وعظ وتبلیغ میں مسائل نہیں بیان کرنا چاہئے ۱۹۱

فصل دعوت وتبلیغ میں نرمی وآسانی اور مخاطب کے موقع محل کی رعایت ضروری ہے ۱۹۲

جاہلوں اور دیہاتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کرنے میں ضروری احتیاط ۱۹۳

اہل بدعت کے مجمع اور قیام میلاد کی مجلس میں پھنس جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ ۱۹۴

جہاں میلاد کے علاوہ تبلیغ دین کی کوئی شکل نہ ہو وہاں میلاد کرنا ضروری ہے	۱۹۴
شرعی دلیل	۱۹۵
باب ۱۵ دعوت وتبلیغ میں کوشش کرنے کا مطلب	۱۹۶
تبلیغ کا نہایت اہم ضروری ادب	۱۹۷
ثمرات عاجلہ کے انتظار اور کوشش میں غلو کی ممانعت	۱۹۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت	۱۹۸
تبلیغ میں کامیابی وناکامی پر ہم کو توجہ نہیں کرنا چاہئے	۲۰۰
عنایت خداوندی	۲۰۱
فصل ۱ تبلیغ میں کامیابی کی صورت میں شکر کی ضرورت اور زیادہ خوشی کی ممانعت	۲۰۲
تبلیغ میں زیادہ کاوش اور ناکامی پر زیادہ رنج کرنے کی ممانعت	۲۰۳
نصیحت میں مبالغہ کرنا اور بار بار کہنا پسندیدہ اور انبیاء کی سنت ہے	۲۰۴
تبلیغ کرنے میں زیادہ پیچھے نہیں پڑنا چاہئے	۲۰۴
نصیحت میں کسی کے پیچھے پڑ جانے کی خرابی	۲۰۵
فصل ۲ مبلغین کو اہم ضروری ہدایت، بحث مباحثہ سے اجتناب	۲۰۶
تبلیغ میں اگر اختلاف ومزاحمت کی نوبت آجائے	۲۰۶
تبلیغ میں صبر اور بحث مباحثہ سے اجتناب کی ضرورت صحابہ کی حالت	۲۰۷
دعوت وتبلیغ کا ضروری دستور العمل اور نہایت اہم قاعدہ	۲۰۹
باب ۱۶ مبلغین کی اصلاحات اور ضروری ہدایات	۲۱۱
اخلاص کی حقیقت اور اہمیت	۲۱۱
خلوص کی ضرورت اور نام ونمود کی مذمت	۲۱۱

www.alislahonline.com

اخلاص کی علامت اور مخلص وغیر مخلص کی پہچان	۲۱۳
نام ونمود شہرت یافتہ مبلغ خطرہ میں ہے	۲۱۴
اخلاص سے متعلق حضرت علیؓ کی حکایت	۲۱۴
حضرت ابوالحسن نوریؒ کی حکایت	۲۱۵
ایک حدیث پاک کا مفہوم اور غیر مخلص کا انجام	۲۱۶
نفس کا دھوکہ اور اخلاص پیدا کرنے کا طریقہ	۲۱۸
باب ۱۷ داعی کی دو قسمیں: عامل، غیر عامل	۲۱۹
ایک واقعہ	۲۲۰
عمل صالح کی ضرورت اور نااہل کو تبلیغ کرنے کی مذمت	۲۲۰
مبلغین کو اپنی حالت درست کرنے اور خود عمل کرنیکی ضرورت	۲۲۱
تبلیغ کرنے والوں کو اپنی اصلاح کی ضرورت	۲۲۲
اپنی اصلاح کے بجائے دوسروں کے پیچھے پڑنا	۲۲۳
دینداروں کا حال، ہماری بدحالی	۲۲۴
ہمدردی وخیرخواہی کا مقتضی	۲۲۵
دعوت وتبلیغ میں مبلغ کے لئے بڑا مفسدہ	۲۲۶
کام کرنا مقبول ہونے کی دلیل نہیں	۲۲۷
دوسروں کی تحقیر سے احتراز اور حسن ظن کی ضرورت	۲۲۸
ایک حکایت	۲۳۰
ترک لایعنی اور فضولیات سے احتراز	۲۳۱
بعض مبلغین کی بری عادت	۲۳۲

روزمرّہ کا مراقبہ	۲۳۳
باب ۱۸ اتباعِ علماء کی اور علماء سے مل کر کام کرنے کی ضرورت	۲۳۴
عالم حقّانی کی شان	۲۳۴
علماء کی ماتحتی میں کام کرنے کی ضرورت	۲۳۵
علماء مبلغین و مصلحین کی سختی برداشت کرنا	۲۳۵
علماء کا ادب	۲۳۷
علماء پر بے جا الزام	۲۳۸
مولویوں اور اہل علم پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض اور اس کا تحقیقی جائزہ	۲۴۰
علماء کے ذمہ گھر گھر جا کر تبلیغ کرنے کا اعتراض غلط ہے	۲۴۱
باب ۱۹ دعوت کی دو قسمیں، دعوت خاصہ، دعوت عامہ	۲۴۲
امت کے ہر طبقہ کو دعوت وتبلیغ کرنے کے طریقے تقسیم کار اور اس کی صورتیں	۲۴۳
دعوت خاصہ ودعوت عامہ کا حکم	۲۴۴
خطاب خاص وخطاب عام کی تفصیل	۲۴۵
دعوت حقیقیہ، دعوت حکمیہ	۲۴۵
دعوت حکمیہ کی تشریح اور طریقہ کار	۲۴۶
دعوت وتبلیغ کے شعبے اور امر بالمعروف کے اقسام	۲۴۷
باب ۲۰ تبلیغ کے اقسام	۲۴۸
مدارس کا قیام اور درس وتدریس بھی تبلیغ ہے، شرعی دلیل	۲۴۸
عُرفی وحِسّی مثال	۲۴۹
شرعی قواعد کا مقتضیٰ	۲۴۹

www.alislahonline.com

دعوت وتبلیغ کے لئے مدارس کا قیام بہت ضروری ہے	۲۵۰
طلبہ ومدرّسین کے لئے پڑھنا پڑھانا بھی تبلیغ ہے	۲۵۱
تبلیغ میں غلو، تعلیم کو چھوڑ کر تبلیغ میں جانے کی ممانعت	۲۵۲
تبلیغ کی ایک قسم	۲۵۲
باب ۲۱ دعوت کی نوع کے اعتبار سے داعی کی دو قسمیں	۲۵۴
علماء کے دعوت وتبلیغ کرنے کی کیفیت اور اس کا طریقہ	۲۵۵
عوام کو تبلیغِ عام اور وعظ کہنے کی اجازت ہے یا نہیں؟	۲۵۶
علماء وعوام کی تبلیغ کا فرق اور اس کے حدود	۲۵۶
اہل علم کے کام کرنے کی ترتیب	۲۵۸
اہل علم کے لئے وعظ تقریر سیکھنے کی آسان ترکیب	۲۵۹
فراغت کے بعد دعوت وتبلیغ میں مشغول ہونا چاہئے	۲۵۹
ترجمہ وتفسیر وحدیث وفقہ یا کوئی کتاب پڑھ کر سنا دینا بھی تبلیغ ہے	۲۶۰
باب ۲۲ دعوت وتبلیغ کے ناجائز اور غلط طریقے	۲۶۱
بعض مبلغین کی بہت بڑی کوتاہی	۲۶۱
بعض مبلغین کی زبردست غلطی	۲۶۲
ایک اور غلطی	۲۶۳
وعظ تبلیغ کا غلط طریقہ	۲۶۴
عورتوں کے مجمع میں وعظ وتبلیغ کرنے میں بڑی کوتاہی	۲۶۵
ہمارے اعمال بھی قابل قدر ہیں	۲۶۶
منکر پر نکیر اور اصلاح وتبلیغ کا غلط طریقہ	۲۶۶

اصلاح وتبلیغ کا ناجائز طریقہ	۲۶۷
فصل ۱ شریعت میں غلو کی ممانعت	۲۶۸
تقویٰ میں غلو کی ممانعت	۲۶۹
توحید میں غلو کی ایک مثال	۲۷۰
فصل ۲ اتباع سنت میں غلو	۲۷۲
سنت کی تعریف وتقسیم	۲۷۲
سنن زوائد وسنن عادیہ میں سختی سے امر بالمعروف کرنا جائز نہیں	۲۷۳
احیاء سنت کی تشریح	۲۷۴
باب ۲۳ علمی واصولی مباحث	۲۷۵
بدنامی اور احتمال فتنہ کی صورت میں اظہار حق کرنا چاہئے یا نہیں	۲۷۵
تبلیغ میں باطل مسلک کی تردید سے متعلق اہم مضمون	۲۷۸
فصل چلّہ کی اصلیت	۲۸۰
چلّہ کے مفید ہونے کی شرط	۲۸۰
چالیس دن نیک صحبت میں وقت گذارنے کی افادیت	۲۸۱
باب ۲۴ تبلیغی جماعت اکابر علماء کی نظر میں	۲۸۲
تبلیغی جماعت حضرت تھانوی کی نظر میں (مولانا عبدالباریؒ کی شہادت)	۲۸۲
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی شہادت	۲۸۲
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی شہادت	۲۸۳
حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا ارشاد گرامی (مولانا منظور صاحب نعمانی کی شہادت)	۲۸۳
حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے چند خطوط	۲۸۴

www.alislahonline.com

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

رائے عالی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (**بارک اللّٰہ فی حیاتہٖ وفی افادتہٖ**) نے حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کر رہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تیار ہوتا جارہا ہے۔

ان خصوصیات اور افادیت کی بناپر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری، ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدردانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی، ہمت افزائی اور قدردانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اوران کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت گاہ میں انجام پارہے ہیں۔"**اطال اللّٰہ بقاءہٗ وعمّ نفعه جزاه اللّٰہ خیراً**.

ابوالحسن علی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی
۱۷/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

کلمات بابرکات

عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ

(بانی وناظم جامعہ عربیہ ہتوڑا باندہ)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسول الکریم وعلیٰ اٰلہٖ وصحابہٖ اجمعین.

حضرت اقدس مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ‘ کو حکیم الامت اور مجدد الملت جو کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت کے علوم اور ان کی تعلیمات کا ذخیرہ حکمت اور تجدید کی باتوں سے معمور ہے۔ اللہ پاک نے اس صدی میں حضرت سے دین کے جملہ ابواب میں تجدید کا نمایاں کام لیا ہے جس پر آپ کی گراں قدر تصنیفات، علمی مجالس، صدہا مواعظ شاہد ہیں۔ اللہ پاک نے حضرت کے دل پر جن چیزوں کا القاء فرمایا اور زبان سے جو باتیں کہلائیں وہ عوام وخواص سب کے لئے مشعل راہ ہیں۔

حضرت کے علوم ومعارف کے سمندر میں دعوت دین کے کام کے لئے بہترین اصول، آبدار موتیوں کی طرح موجود ہیں۔ ضرورت تھی کہ ان کو اس سے سمندر کی تہ سے برآمد کر کے ایک لڑی میں پرو دیا جاتا کہ وہ اس پُرفتن دور کے داعیوں کی رہنمائی کر سکیں۔

جامعہ عربیہ ہتھوڑا، باندہ کے باصلاحیت استاذ عزیزم مولوی مفتی محمد زید مظاہری ندوی سلمہ‘ نے اس اہم کام کو انجام دیا ہے۔ ان کی یہ محنت اس کتاب کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

وہ ماشاء اللہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی ترتیب وتدوین میں لگے ہیں۔ بحمدہ تعالیٰ اس سلسلے کی ایک درجن کتب کی اشاعت ہو چکی ہے دعاء ہے اللہ پاک اس سلسلے کو قبول فرما کر سب کیلئے مفید بنائے۔ اور عزیز سلمہ‘ کی عمر میں برکت فرمائے۔ اور ان کو اپنے مقاصد حسنہ میں کامیاب فرمائے۔

احقر صدیق احمد

خادم جامعہ عربیہ ہتھوڑا، باندا، تاریخ ۲۴؍رجب ۱۴۱۳ھ

www.alislahonline.com

تقریظ

از حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی

استاذ حدیث وفقہ وناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد والہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین.

غیر مسلموں میں اصل دین مبین کی تبلیغ، اور مسلمانوں میں احکام شرعیہ، عقائد صحیحہ اور اخلاق حسنہ کی اشاعت دینی فرائض میں شامل ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر فریضہ کی طرح، اس فریضہ تبلیغ دین واشاعتِ احکام شرعیہ وغیرہ...... کے لئے بھی کچھ شرائط، ارکان، آداب اور ترجیحات ہیں جن کے جانے اور ان کو اپنائے بغیر...... ہر فریضہ کی طرح......اس فریضہ کی ادائیگی بھی ممکن نہیں۔ بصورت دیگر ''نیکی برباد گناہ لازم'' کا مصداق بننے کا خطرہ ہے۔ اسی بناء پر، علماء اعلام اور مفتیان اسلام نے دیگر ابواب کی طرح...... اس باب کے لئے تفصیلی احکام وآداب بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔

چنانچہ عصر حاضر...... یا ماضی قریب کے سب سے بڑے صاحب تصنیف محقق عالم، جو بیک وقت مصلح بھی تھے، مرشد بھی، مفسر بھی تھے، فقیہ بھی مفتی بھی تھے، دانا حکیم بھی، جنہیں بجا طور پر، جماعت حقہ کے علماء وخواص کی بڑی تعداد نے اس صدی کا مجدد قرار دیا ہے۔ یعنی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ واعلی اللہ مراتبہ کے دیگر شعبہائے دین کی طرح اس شعبہ کے لئے بھی......ان کی مختلف تصنیفات، ملفوظات، اور مواعظ میں...... تفصیل اور جامع ارشادات ملتے ہیں۔ جو سراسر کتاب وسنت اقوال سلف اور مرشدین ومصلحین کے طرز عمل سے ماخوذ ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت سے، سمندر کی تہہ میں موتیوں

کی طرح مستور اور مختلف الانواع پھلوں اور پھولوں کے باغ میں کھلنے والے پھولوں اور پھلنے والے ثمر کی طرح مبثوث (بکھرے ہوئے) تھے۔ضرورت تھی کہ ان موتیوں کو جمع کر کے اور ایک لڑی میں پروکر ان سے قیمتی ہار تیار کرنے کے محنت طلب اور نازک کام کی ذمہ داری کوئی اہل سنبھالے، اوران پھلوں و پھولوں کو چن کر انہیں یکجا کر کے افادۂ عام کے لئے۔منظر عام پر لائے، تاکہ......سہولت پسندی اور عدیم الفرصتی کے اس دور میں ......حضرت کے ان قیمتی افادات سے استفادہ آسان ہوجائے۔خوش قسمتی سے اس اہم ذمہ داری اور مشکل و نازک کام کا بیڑا ایک نوجوان جید الاستعداد ہونہار ممتاز عالم وفاضل نے اٹھایا، جنہیں ......بچند ہ وجوہ......حضرت اقدس حکیم الامت اور ان کے علوم سے خاصی مناسبت ہے اور جو اس کام کے ہر طرح اہل بھی ہیں بلکہ اپنی اہلیت کا ثبوت......حضرت حکیم الامتؒ کے......ذخیرۂ علوم سے خوشہ چینی کر کے متعدد عنوانات کے تحت رسائل مرتب وشائع کر کے پیش بھی کر چکے ہیں ۔میری مراد عزیز گرامی قدر مولوی مفتی محمد زید سلمہٗ (استاذ ومفتی جامعہ عربیہ اسلامیہ، ہتھوڑا، باندہ) سے ہے، جو بانی جامعہ عارف باللہ حضرت مولانا قاری محمد صدیق صاحب باندوی (متعنا اللہ بطول بقائہ) کے زیر سایہ ونگرانی علمی ودینی ترقیوں کی راہ پر گامزن ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشرہ، حقوق، عبادات، معاملات سبھی موضوعات پر حضرت تھانوی کے ذخیرہ سے اسی انداز میں اصلاحی رسائل مرتب ہوکر منظر عام پر لائے جائیں کہ لوگ ان سے اپنے گھرانوں میں، مساجد میں اور مجالس میں پڑھ کر علم واصلاح سے آراستہ ہوسکیں۔

اللہ سے دعاء ہے کہ عزیز موصوف کو علم دین کی......ہمہ جہتی......خدمت کرنے کی بیش از بیش توفیق دے اور ان کی یہ محنت بھی قبول فرمائے اور مقبول بنائے۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد   والسلام

احقر محمد برہان الدین سنبھلی

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ بمطابق ۵/ نومبر ۱۹۹۲ء

www.alislahonline.com

مُقدّمۃ

از حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زید مجدہم

(صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد، قاضی شریعت آندھرا پردیش)

اسلامی تعلیمات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ دراصل تمام اعمال صالحہ اور زندگی کے تمام گوشوں کی صلاح وفلاح کیلئے اس کی حیثیت آب حیات کی ہے۔جس سماج میں معروف کی طرف......دعوت دینے والی زبانیں نہ ہوں۔نیکی کو قوت پہنچانے والا قلم نہ ہو اور خیرات وحسنات کو سماج میں لانے والی مساعی اور کوششیں نہ ہوں۔ جہاں برائیوں پر ٹوکا نہ جاتا ہو، اور جہاں ظلم وتعدّی کو روکنے والے ہاتھ نہ ہوں وہاں ممکن نہیں کہ بھلائی اور معروف کا شجرۂ طوبیٰ بار آور ہوسکے اور برائی اور منکر کے سیلاب کو تھاما جاسکے۔اسی لئے اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔

قرآن مجید میں بیسوں مقامات پر اللہ تعالیٰ نے امت کو اس فریضہ کی طرف متوجہ فرمایا ہے اور امت محمدیہ کا تو یہی فریضہ خاص مقرر کیا گیا ہے۔"**کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر**" اس امت کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ ہوا کے رخ پر چلتی رہے اور کافرانہ تہذیب کی سیلاب میں بہہ نکلے، اس امت کو اپنی صلاحیت اور دوسروں پر اثر ڈالنے کی کیفیت میں شرر وآتش بننا ہے نہ کہ بے روح موم کی صورت ادلتی بدلتی رہے۔قرآن مجید نے نیکی اور بدی کے لئے بڑی عجیب تعبیر اختیار کی ہے اور ان کو معروف ومنکر کہا ہے۔"معروف" کے اصلی معنی مروّجہ اور مشہور بات کے ہیں، اور "منکر" اصل میں "خلاف رواج" ان پہچانی چیزوں کے ظہور کو کہتے ہیں۔پس منشاء خداوندی یہ ہے کہ نیکی کی اس قدر دعوت دی جائے کہ وہ سماج کی ایک معروف ومروجہ حقیقت بن جائے۔اور برائی سے اس قدر منع کیا جائے کہ وہ سماج کی ان

پہچانی بات بن کر رہ جائے۔اسی امر بالمعروف کا دوسرا نام دعوت وتبلیغ ہے۔

دعوت وتبلیغ کا کام جتنا اہم ہے اسی قدر نازک ہے ۔شریعت کے احکام دراصل دوطرح کے ہیں ۔ایک وہ ہیں جن میں مقاصد اور طریق کار دونوں کی خود شریعت نے تعیین کردی ہے۔نماز کا مقصد خدا کی یاد کی تجدید ہے۔روزہ کی فرضیت تقویٰ کے لئے ہے۔زکوٰۃ اس لئے ہے کہ مال کی محبت پر خدا کی محبت غالب ہو۔حج رب کائنات سے محبت اور وارفتگی کا اظہار ہے۔ان مقاصد کے ساتھ ساتھ شریعت نے ان عبادتوں کے طریقے اور اس کی تمام جزوی تفصیلات کو بھی متعین کردیا ہے ، انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ان تفصیلات کو بجالائے......لیکن کچھ اعمال ایسے ہیں جن میں شریعت نے منشاومقصود کو تو واضح کردیا ہے لیکن طریقہ عمل کی تفصیلات نہیں بتائی ہیں۔انہی احکام میں ایک دعوت وتبلیغ بھی ہے اس کا مقصد متعین ہے اور وہ ہے معروف اور نیکی کی ترویج اور برائی سے سماج کی حفاظت ، لیکن شریعت نے نماز روزہ کی طرح اس کے طریق کار کی تفصیل متعین نہیں کی ہے اور یہ تعیین ممکن بھی نہ تھی ، مخاطب کبھی لکھا پڑھا اور کبھی ان پڑھ ،کبھی حقیقت پسند شخص ہوگا ،کبھی ایسے لوگ ہوں گے جن میں ماننے کی صلاحیت نہ ہوگی ، کسی کے لئے پند وموعظت کافی ہوگی اور کسی کے لئے لیل وحجت درکار ہوگی ، حالات اور مقامات کے فرق سے بھی دعوت ونصح کے طریق کار میں تبدیلی لانی ہوگی ، کہیں گرمی مطلوب ہوگی اور کہیں نرمی ، اس لئے داعی کی ضرورت بہت بڑھ جاتی ہے کہ وہ موقع وحال اور مخاطب کی رعایت کرتے ہوئے اس بات کا انتخاب کرے کہ یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے کون سا طریقہ مؤثر ہوگا۔

اس لئے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ دعوت دین کے سلسلہ میں کسی خاص طریقہ کار پر اصرار اور اس پر جمود صحیح نہیں ہے، واعظ کا وعظ کہنا بھی دعوت ہے، مفتی کا فتویٰ دینا بھی امر بالمعروف میں داخل ہے، خانقاہوں میں شرعی تعلیمات کے مطابق بیعت اور تزکیہ واحسان بھی تبلیغ ہے، مدارس میں مدرسین کا پڑھانا بھی تبلیغ ہے ۔جمعہ کے خطبہ اور مواعظ بھی دعوت دین

www.alislahonline.com

ہے۔اور قلم اور کتابوں کے ذریعہ خدمت اسلام بھی دعوت دین ہے ۔انفرادی ملاقاتوں میں دین کی طرف توجہ دہانی بھی اشاعت اسلام ہے اور اجتماعات اور جلسوں کے ذریعہ عوام تک دینی باتوں کا پہنچانا بھی......حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی پوری زندگی دعوت ونصح اور اصلاح امت میں صرف کی ،اور تھانہ بھون کی سیدھی سادی ، بہ ظاہر معمولی ،شہر کی رونقوں سے دور اور دیہات کی پگڈنڈیوں سے گذر کر ملنے والی خس پوش ،خانقاہ میں بیٹھ کر کیا کچھ نہیں کیا ،قرآن کی خدمت کی ، حدیث پر کام کیا ، فقہ اور فتاویٰ کے ذریعہ رہنمائی کی ، مجالس ومواعظ کے ذریعہ رشد واصلاح کی حقیقی اور سچی دکان سجائی اور ہر طبقہ میں دعوت کا فریضہ انجام دیا۔اور ہر قدح خوار نے بہ قدر ظرف اسی میکدۂ علم ودین اور دعوت واصلاح سے استفادہ کیا۔

موجودہ حالات میں مسلمان اس فرض سے یکسر غافل ہیں اور جن خوش نصیبوں کو خدا نے تھوڑا بہت اس طرف متوجہ کیا ہے وہ اس کے اصول وآداب سے واقف نہیں ہیں ، بڑی ضرورت تھی کہ حکیم الامت کے وہ ''جواہر حکمت'' ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں جو اس راہ کے مسافروں کے لئے مشعل نور اور مشعل طور ثابت ہوں۔......اللہ جزائے خیر دے اخی فی اللہ والدین ، جناب مولانا مفتی محمد زید صاحب کو ، جو ماشاء اللہ ذہین فاضل ہیں ، بلند ذوق کے حامل ہیں ۔میکدۂ تھانوی کے مشاق میں ہیں ۔اور ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے بہرہ ور ہیں ، اللہ نے ان کو حضرت تھانوی کے علوم پر کام کرنے کی توفیق خاص بخشی ہے ، موصوف نے دعوت وتبلیغ کے موضوع پر نہایت جامعیت اور حسن ترتیب کے ساتھ افادات تھانوی کو جمع کیا ہے ۔میرا خیال ہے کہ علماء اور عوام خواص سبھوں کے لئے خضر طریق کا درجہ رکھتا ہے اس کے مطالعہ سے نہ صرف بڑا نفع ہوگا ، بلکہ دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں اسلام کے مزاج اور مذاق کو سمجھنے میں مدد ملے گی ، امید ہے کہ دوسرے مجموعوں کی طرح یہ مجموعہ بھی شوق کے ہاتھوں لیا جائے گا اور اہل ذوق کی آنکھوں کا سرمہ بنے گا ،

واللّٰہ الموافق وھو المستعان وعلیہ التکلان: خالد سیف اللہ رحمانی

۱۸/ جمادی الآخر ۱۴۱۳ھ بمطابق ۱۴/ دسمبر ۱۹۹۲ء

عرضِ مرتب

''دعوت وتبلیغ''، امر بالمعروف نہی عن المنکر ،یعنی اچھائیوں کے پھیلانے برائیوں سے روکنے کی کوشش کرنا، اس عمل کی اہمیت وافادیت کا کون انکار کرسکتا ہے۔ قرآن وحدیث میں جابجا اس کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ یہی وہ عمل ہے کہ امت کے ہر فرد کو اس کا مکلّف بنایا گیا ہے ایک جگہ تو امت کے بنیادی مقاصد میں اسی عمل کو قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

''کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر''

ترجمہ: تم لوگ سب سے اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت عام لوگوں کے (نفع وہدایت پہنچانے کے) لئے ظاہر کی گئی ہے (اور نفع پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ اہتمام کے ساتھ) تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔ (بیان القرآن)

لیکن ظاہر ہے کہ جو عمل جتنا مہتم بالشان ہوگا۔ اتنی ہی اس کی نزاکتیں (اصول، حدود، قیود) بھی ہوں گے۔ دعوت تبلیغ بھی کوئی ایسا عمل نہیں کہ کیف ما اتفق جس طرح بن پڑے اندھادھند شروع کردیا جائے۔

اس کے اصول وقواعد ہیں۔ کچھ ضروری آداب ہیں جن کی رعایت کئے بغیر دعوت تبلیغ سے بجائے فائدے کے نقصان بھی ہوجاتا ہے۔

''دعوت'' اصول کی بھی ہوتی ہے، فروع کی بھی، مسائل کی بھی، عقائد کی بھی، اپنوں کو بھی، غیروں کو بھی، دعوت عامہ بھی ہوتی ہے، خاصہ بھی، انفرادی بھی، اجتماعی بھی۔

الغرض: یہ مستقل موضوع ہے۔ جس کے مختلف اقسام ضروری آداب ہیں، ہر داعی کو جس سے واقف ہونا ضروری ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ واقعۃً اللہ نے آپ کو حکیم بنایا تھا۔ آپ کے ارشادات حکمت کی باتوں سے لبریز ہیں

www.alislahonline.com

۔ اللہ نے آپ سے گذشتہ صدی میں تجدیدی کام لیا چنانچہ آپ کے مواعظ ملفوظات، تصانیف، تالیف اور آپ کے کارنامے اسی پر شاہد ہیں۔

''دعوت تبلیغ'' سے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے آپ سے خوب خدمت لی۔ چنانچہ آپ نے اس کی طرف امت کو توجہ دلائی۔ اس کی اہمیت ضرورت کو بتلاتے ہوئے اس کے اصول آداب، اقسام احکام بیان فرمائے جو مختلف مواعظ تصانیف میں منتشر اور بکھرے ہوئے ہیں۔

اس مجموعہ ''دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام'' میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے صدہا کتب مواعظ، ملفوظات سے انتخاب کرکے موضوع سے متعلق جملہ ضروری امور کو مرتب انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔

میری معلومات کے مطابق اردو زبان میں اپنے موضوع کی نوعیت کی لحاظ سے منفرد کتاب ہے۔

یہ کتاب دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے خاص طور پر مشعل راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔

اللہ کا شکر ہے اسی انداز پر اصلاح اعمال (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی وغیرہ مختلف موضوعات پر حضرت تھانویؒ کے افادات کی ترتیب جاری ہے۔ جس کی ایک کڑی آپ کے ہاتھ میں ہیں ہے۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اس سلسلہ کی تکمیل اور قبولیت کی دعاء فرمائیں اور زائد سے زائد مساجد میں پہنچانے کی کوشش فرمائیں۔ **وما ذالک علی اللہ بعزیز، وما توفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه انیب۔**

فقط

محمد زید

۱۴/شوال ۱۴۱۳ھ

دعوت وتبلیغ کے اُصول واحکام

افادات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

www.alislahonline.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وعلی اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین

﴿باب ۱﴾

دعوت وتبلیغ سے متعلق آیات قرآنیہ

دعوت وتبلیغ کی فضیلت

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَااِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ'' اس سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمابرداروں میں سے ہوں۔ (بیان القرآن)

حق تعالیٰ نے ان آیات میں اسی عمل (دعوت وتبلیغ) کی فضیلت بیان فرمائی ہے اس میں استفہام انکاری ہے یعنی اس سے اچھا کسی کا قول نہیں، جو اللہ کی طرف بلائے احسن سے معلوم ہوا کہ اچھی باتیں تو اور بھی ہیں مگر جتنی اچھی باتیں ہیں ان سب میں زیادہ اچھی بات دعوت الی اللہ ہے۔ استفہام بقصد نفی ہے اور۔ اس میں مبالغہ زیادہ ہے، کیوں کہ عادت یہ ہے کہ جس جگہ پر تردد ہوتا ہے کہ کوئی جواب دیدے گا وہاں پوچھا نہیں کرتے ہیں، مثلاً یوں کہتے ہیں کہ فلاں تجارت سے اچھی کون تجارت ہے؟ یہ وہاں کہتے ہیں جہاں مخاطب کو متکلم کی رائے سے اختلاف نہ ہو اور جہاں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید مخاطب خلاف جواب دے دے گا وہاں پوچھا نہیں کرتے، بلکہ یوں بتلاتے ہیں کہ میاں اس سے اچھی کوئی تجارت نہیں۔ اور جہاں یہ احتمال نہیں ہوتا بلکہ اعتماد ہوتا ہے کہ مخاطب بھی پوچھنے پر یہی جواب دے گا وہاں پوچھا کرتے ہیں کہ تمہیں بتلاؤ کہ کون سی بات زیادہ اچھی ہے؟ کیوں کہ ظاہر بات ہے کہ بدیہی اور حسی

بات کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔اسی طرح اس دعوت الی اللہ کی فضیلت اتنی صاف بدیہی اور محسوس تھی کہ صرف پوچھنا کافی ہوگیا۔گویا یہ کوئی کہہ ہی نہیں سکتا کہ اس سے اچھی فلاں بات ہے استفہام میں یہ بلاغت ہے۔ (الدعوت الی اللہ:ص۲۵)

اس امت کی فضیلت دعوت وتبلیغ کی وجہ سے ہے

”کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَامُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ“(ال عمران)

ترجمہ: اے امت محمد یہ تم لوگ سب اہل مذاہب سے اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت عام لوگوں کے نفع ہدایت پہنچانے کے لئے ظاہر کی گئی ہے اور نفع پہونچانے کی صورت (کہ وہی وجہ سب سے اچھی ہونے کی بھی ہے) یہ ہے کہ تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور خود بھی اللہ پر ایمان لاتے ہو۔(بیان القرآن)

دیکھئے قرآن میں جہاں اس امت کے فضائل بیان کئے گئے ہیں ان میں بطور خصوصیت کے اصلاح غیر (یعنی دعوت وتبلیغ کے ذریعہ دوسرے کی اصلاح کرنے کو) بھی ذکر کیا گیا ہے چنانچہ اس (مذکورہ) آیت میں اس امت کی تین فضیلتیں بیان فرمائی ہے۔جن میں ایمان باللہ کی فضیلت تو ہر شخص کے پاس اپنے لئے ہے اور باقی دو فضیلتیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی، یہ دوسروں کے نفع کے لئے ہیں، کیوں کہ اس سے دوسرے پر نفع کا اثر پہنچتا ہے۔اور قواعد کا مقتضا یہ تھا کہ (تومنون باللہ کو مقدم فرماتے کیوں کہ وہ اساس اعمال (یعنی تمام اعمال کی بنیاد) ہے مگر موخر کرنے میں غالباً یہ نکتہ ہے کہ عوارض پر نظر کر کے اصلاح غیر کا اہتمام (یعنی دوسروں کی اصلاح کا اہتمام) زیادہ مقصود ہے، کیونکہ اپنی ضرورت کا اہتمام تو ہر شخص خود ہی کرلے گا ورنہ فی نفسہ اپنی اصلاح غیر کی اصلاح سے مقدم ہے۔

(وعظ ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ:ص۲۹۸)

www.alislahonline.com

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ترک پر وعید وتہدید

”وَاتَّقُوۡا فِتۡنَۃً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَاصَّۃً وَاعۡلَمُوۡ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابُ“. (الانفال)

اور تم ایسے وبال سے بچو جو کہ خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے قریب ہوئے ہیں بلکہ ان گناہوں کو دیکھ کر جنہوں نے مداہنت کی ہے وہ بھی اس میں شریک ہوں گے اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے اس کی سزا سے خوف کر کے مداہنت سے بچو اور اس سے بچنا یہی ہے کہ مداہنت مت کرو۔

تشریح: جس طرح تم پر اپنی اصلاح کے متعلق طاعت واجب ہے اسی طرح یہ بھی طاعت واجبہ میں داخل ہے کہ بقدر وسعت دوسروں کی اصلاح میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے طریقہ سے کوشش کرو، ورنہ مداہنت کی صورت میں ان منکرات کا وبال جیسے منکرات کے مرتکبین پر واقع ہوگا ایسا ہی کسی درجہ میں ان مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔(بیان القرآن:ص۳۷،ج۴،الانفال)

وَاتَّقُوۡا فِتۡنَۃً الخ،(مذکورہ آیت) کی یہی تفسیر آئی ہے کہ ایک شخص کسی بستی میں گناہ کرتا رہتا ہے لوگ اس کو دیکھتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں اس سے کنارہ کشی نہیں کرتے نہ اس پر کچھ تشدد کرتے ہیں تو اس شخص کی وجہ سے سیکڑوں بے گناہ عذاب میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ:ص۲۳۹)

امر بالمعروف نہی عن المنکر سے متعلق احادیث نبویہ

قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ مَنۡ رَاٰیٔ مِنۡکُمۡ مُنۡکَرًا فَلۡیُغَیِّرۡهُ، بِیَدِهٖ فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَبِقَلۡبِهٖ وَذَالِکَ اَضۡعَفُ الۡاِیۡمَانِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تم سے کسی منکر (یعنی ناجائز کام) کو دیکھے اس کو چاہئے، اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کر دے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو (یعنی زبان سے روکنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو) تو پھر اپنے دل سے اس کو بُرا جانے اور یہ کمزور درجہ کا ایمان ہے (روایت کیا اس کو ابوداؤد نے)

۲: **وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِذَا عُمِلَتُ الْخَطِيْئَةُ فِي الْاَرْضِ مَنْ شَهِدَ هَا فَكَرِهُهَا كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا، وَمَنْ غَابَ فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا.** (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب زمین میں کوئی گناہ کیا جاتا ہے تو جو اس کو دیکھ رہا ہو اور دل سے ناپسند کرتا ہو تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس گناہ میں موجود اور شریک نہ ہو اس سے غائب ہو اور جو وہاں موجود نہ ہو اور اس گناہ سے راضی ہو تو وہ ایسا ہے جیسے اس گناہ میں شریک ہو۔

۳: **وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَامِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ ثُمَّ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوا ثُمَّ لَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا يُوشِكُ اَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ اَىُ قَبْلَ اَنْ يَمُوْتُوْا كَمَا فِي رِوَايَتِهٖ.** (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی قوم ایسی نہیں جس میں گناہ کے کام کئے جاتے ہوں اور قوم کے لوگ اس کو روکنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی نہ روکتے ہوں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ان کی موت سے پہلے عذاب نازل کر دے۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

۴: **وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ اَقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا كَذَا بِاَهْلِهَا، فَقَالَ يَارَبِّ! اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ**

www.alislahonline.com

يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ، قَالَ فَقَالَ اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ. (بیہقی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو اس کے باشندوں کے ساتھ الٹ پلٹ کر دو۔ (یعنی عذاب نازل کر دو) حضرت جبرئیل نے عرض کیا۔ اے پروردگار! بیشک ان میں تیرا فلاں بندہ ہے جس نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ ارشاد ہوا کہ اس شہر کو الٹ پلٹ کر دو۔ ان لوگوں پر اور اس بندہ پر بھی۔ کیونکہ ایک دن بھی میرے لئے اس کا چہرہ متغیر نہیں ہوا۔ (بیہقی، خطبات الاحکام للتھانوی: ص ۲۵)

۵: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم نیک کاموں کا حکم کیا کرو اور برے کاموں سے روکا کرو، ورنہ قریب ہے کہ حق تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے پھر تم اس سے (عذاب دور کرنے کی) دعا مانگو گے اور تمہاری دعاء قبول نہیں کی جائے گی۔ (ترمذی، اصلاح الرسوم: ص ۱۰)

۶: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، بیشک اللہ تعالیٰ عام طور پر عذاب نہیں بھیجتا۔ بعض لوگوں کی نافرمانی کی وجہ سے یہاں تک کہ وہ اپنے سامنے نافرمانی کو دیکھیں اور وہ اس کے منع کرنے پر قادر بھی ہوں پھر بھی اس کو نہ روکیں جب وہ ایسا کریں تو حق تعالیٰ سب عام وخاص کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (شرح السنہ)

۷: ایک حدیث میں ارشاد ہے: "**كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ**" (مشکوٰۃ) یعنی ہر ایک تم میں سے نگہبان ہے اور ہر ایک تم میں سے اپنی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ دوسرے کی اصلاح بھی ضروری ہے۔

اگر دوسرے کی اصلاح ضروری نہیں ہے تو پھر آخر ان آیات اور احادیث کے کیا معنی ہیں یہ مسئلہ اتنا بدیہی ہے کہ اب زیادہ تفصیل سے شرم آتی ہے۔ (ضرورت تبلیغ: ص ۳۰۲)

منکر پر نکیر نہ کرنے کا وبال، ایک دردناک واقعہ

حدیث شریف میں ایک واقعہ آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کسی بستی کے الٹ دینے کا حکم دیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! اس میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جس نے کبھی گناہ نہیں کیا، جس نے عمر بھر میں کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی، کیا اس کے سمیت الٹ دوں؟ فرمایا کہ ہاں اس کے سمیت الٹ دو اگرچہ اس نے گناہ نہیں کیا لیکن۔

لَمْ یَتَمَعَّرْ فِیَّ وَجْهُهٗ قَطُّ. یعنی وہ ہماری نافرمانی دیکھتا تھا، اور کبھی اس کی پیشانی پر بل نہیں پڑا۔ یہ وبال ہے منکر پر سکوت کرنے کا۔

(حقوق القرآن: ص۲۹، الافاضات: ص۷۱/ج۲)

اس نے بظاہر کوئی گناہ نہیں کیا مگر گنہگاروں کو دیکھ کر اس کے چہرہ پر بل نہیں پڑا، وہ ہمارے دشمنوں سے ویسی دوستی ومحبت کے ساتھ ملتا رہا جیسا دوستوں سے (ملا جاتا ہے) تو یہ کیسی محبت ہے کہ ہمارے دشمنوں پر بھی غصہ نہ آئے۔ اس لئے وہ بھی انہیں کے مثل ہے۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ: ص۲۳۹)

اس کی مثال تو دنیا میں موجود ہے جو شخص حکومت اور سلطنت کے باغیوں سے میل جول رکھتا ہے یا ان کو امداد دیتا ہے وہ شخص بھی باغیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہم جس کے وفادار ہیں وفاداری اسی وقت تک ہے کہ ہم اس کے دشمنوں سے نہ ملیں ورنہ ایسے شخص کو وفادار ہی نہ کہیں گے جو دشمنوں سے ملے یہ تو اجتماع ضدین ہے۔ (الافاضات الیومیہ: ص۷۱/ج۲)

یاد رکھو کہ باوجود قدرت کے منکر کی تغییر (یعنی اصلاح) نہ کرنا اور سکوت کرنا اس میں شامل ہونا ہے بعض پڑھے لکھے لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ سکوت میں مصلحت ہے (یہ سخت غلطی ہے)

(حقوق القرآن ملحقہ حقوق وفرائض: ص۲۹)

www.alislahonline.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا واقعہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کی یہ شان ہے کہ آپ نے تیئیس (۲۳) برس میں اس قدر تبلیغ کی اور اس قدر جانفشانی برداشت کی کہ کوئی نہیں کر سکتا کلیات (اصول وعقائد) کی علیحدہ تبلیغ فرمائی، اور جزئیات (فروع ومسائل) کی علاحیدہ پھر جزئیات میں ایک جزئی کی تبلیغ فرما دی یہ تو تبلیغ قولی تھی۔ آپ نے اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تبلیغ عملی بھی فرمائی ہے، یہ سب حضور کی شفقت ہے۔ (حقوق وفرائض: ص۱۴۰)

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی، وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (کہ اپنے رشتہ دار اور خاندان والوں کو تبلیغ کیجئے) تو آپ ایک پہاڑ پر چلے گئے اور وہاں جا کر پکارا، یَا صَبَاحَاهْ! یَا صَبَاحَاهْ! اس کلمہ کے معنی تو یہ ہیں کہ اے صبح کے وقت کی لُوٹ، اے صبح کے وقت کی لُوٹ اور ماخذ (مطلب) اس کا یہ ہے کہ عرب میں رات کو لوٹ مار کم ہوتی تھی، صبح کے وقت لوٹتے تھے کیوں کہ لوگوں کے سونے اور سناٹے کا وقت ہوتا ہے تو جب کبھی کوئی لوٹا جاتا تھا یا اور کوئی امر عظیم پیش آتا تو، یَا صَبَاحَاهْ! یَاصَبَاحَاهْ! پکارا جاتا تھا خواہ صبح کا وقت نہ بھی ہو۔ یہ آواز سن کر ساری قوم اس کی امداد کے لئے جمع ہو جاتی تھی، چنانچہ اس محاورہ کے موافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر یَاصَبَاحَاهْ پکارا۔ تھوڑی سی دیر میں ساری قوم جمع ہو گئی۔

آپ نے فرمایا مجھے جانتے ہو، میں کون ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں، آپ محمد امین ہیں آپ نے فرمایا اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے ایک لشکر ہے جو عنقریب تمہیں آکر ہلاک کر دے گا۔ تو تم کیا سچ سمجھو گے؟ انہوں نے کہا مَا جَرَّبْنَا عَلَیْکَ اِلَّا صِدْقًا ہم نے آپ کو جہاں تک آزمایا سچا ہی پایا، لہٰذا ہم اسے بھی سچ سمجھیں گے۔ آپ نے فرمایا: بس میں تم کو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں کہ وہ عنقریب آنے والا ہے اگر تم اس سے بچنا چاہتے ہو تو صدق دل سے کہو لا الٰہ الا اللہ۔ بس یہ سن کر جل بھن گئے، (ابولہب آپ کا چچا تھا چلا کر کہنے لگا)

"تَبًّا لَکَ سَائِرَ الْیَوْمَ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا؟" خدا تمہیں برباد کرے کیا یہی بات تھی جس کے لئے ہمیں جمع کیا تھا؟ حق تعالیٰ کو اس کا یہ کلمہ اپنے رسول کی شان میں برا معلوم ہوا، اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے "تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ" ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہوجائے "مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ" اور بربادی سے نہ اسے مال بچا سکتا ہے نہ اس کی کمائی۔ "وَامْرَاَتُہٗ حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ" اس کی بیوی لکڑیاں چننے والی ہے۔

بعض لوگوں نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ۔یہ جنگل سے خاردار لکڑیاں چن کر لاتی تھی اور حضور ﷺ کے راستہ میں بچھا دیتی تھی تاکہ آتے جاتے آپ کو تکلیف ہو۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کے مارنے کے لئے ایک پتھر لائی مگر آپ اسے نظر نہ آئے ۔اگر حضور اس وقت صلح کل سے کام لیتے تو تمام عرب مسخر ہوجاتا (اور حضور کی مخالفت نہ ہوتی) تو معلوم ہوگیا کہ صلح کل ملحدوں کا مذہب ہے، اسی لئے میں اس سے منع کرتا ہوں۔لہٰذا اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی بھی اصلاح کرنا ضروری ہے۔

(التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ:ص ۳۸۹)

کفار کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور طائف کا مشہور واقعہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ساتھ ہمیشہ شفقت کا معاملہ فرمایا ہے، چنانچہ ایک بار آپ دعوت اسلام کے لئے طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے رئیسوں نے آپ کو سخت جواب دیا اور اتباع (یعنی آپ کی بات ماننے) سے انکار کیا، اور اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اوباشوں (بدمعاشوں) کو آپ کے پیچھے لگا دیا جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے یہاں تک کہ آپ کی ایڑی سے خون بہنے لگا، اس وقت غضب الٰہی جوش میں آیا اور حق تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل علیہ السلام ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) کو ساتھ لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) حق تعالیٰ نے آپ کی قوم کا جواب سنا اور

www.alislahonline.com

ان کا معاملہ آپ کے ساتھ دیکھا۔ اب یہ ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) آپ کے حکم کے تابع ہے آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں اگر آپ چاہیں تو یہ اسی وقت مکہ اور طائف کے پہاڑوں کو باہم ٹکرا کر سب آدمیوں کو پیس ڈالے گا۔

صاحبو! تم دنیا کے محکموں کو کیا کہتے ہو؟ حق تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا محکمہ ہے پہاڑوں کا بھی ایک محکمہ ہے جس پر فرشتے مقرر ہیں اور پہاڑ ان کے حکم کے تابع ہیں، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں فرشتے پہاڑوں کو ہلا دیتے ہیں جس سے زلزلہ آجاتا ہے۔بعضے پہاڑ پھٹ جاتے ہیں۔کسی سے چشمے ابلنے لگتے ہیں، اسی طرح ہوا کا ایک محکمہ ہے، اس پر بھی فرشتے مقرر ہیں، پانی کا بھی ایک محکمہ ہے۔

غرض ملک الجبال حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کے حکم کے تابع ہوں، جو چاہے حکم دے دیجئے، اگر آپ چاہیں تو میں پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا کر ان سب کافروں کو پیس ڈالوں جنہوں نے آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اور میری قوم کو چھوڑ دو، میں جانوں اور وہ مجھے جانیں، مجھے امید ہے کہ شاید ان میں سے یا ان کی اولاد میں سے کچھ لوگ موحد (اللہ کو ایک ماننے والے) پیدا ہوں۔ پھر خدا تعالیٰ سے عرض کیا کہ خداوندا ان کی ہلاکت سے کیا نفع؟ میں تو چاہتا ہوں کہ آپ ان کی آنکھیں کھول دیں تاکہ وہ مجھ کو پہچان لیں۔یہ اندھے ہیں۔مجھے پہچانتے نہیں اس لئے ایسا برتاؤ میرے ساتھ کرتے ہیں۔

رَبِّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ، کا مطلب یہی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت تو دشمنوں پر بھی اس قدر تھی اور دشمن بھی کیسے جو رات دن تکلیفیں دیتے تھے۔اور افسوس ہے کہ ہم کو اپنے احباب سے بھی اس قدر شفقت نہیں ،سنت رسول اللہ یہی ہے کہ مبتلائے جہل پر رحم کیا جائے۔

(العبد الربانی ملحقہ حقوق وفرائض:ص ۷۸،۷۹)

﴿باب ۲﴾

امر بالمعروف کی فرضیت قرآن کی روشنی میں

امر بالمعروف کے بغیر اسلام کامل نہیں ہوسکتا

اسلام بہت بڑی نعمت ہے اور نعمت کا حق یہ ہے کہ اس کو کامل طور پر حاصل کیا جائے تو اسلام کا بھی ہم پر یہ حق ہوا کہ ہم اسے کامل طور پر حاصل کریں۔

اب سمجھئے کہ اسلام کیسے کامل ہوتا ہے۔تو شریعت نے بتلادیا کہ جیسے اسلام صوم وصلوٰۃ (نماز روزہ) کے بغیر کامل نہیں ہوتا ایسے ہی اور ایک چیز ہے کہ اس کے بغیر بھی اسلام کامل نہیں ہوتا۔اس کا بیان یہ ہے کہ ہم نے جو احکام کو دیکھا تو جہاں "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوْا الزَّکٰوۃَ" کا حکم ہے یعنی نماز ادا کرو زکوٰۃ دو۔اور ارشاد ہے:"کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ" یعنی روزہ فرض ہے،اور"اَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ" یعنی حج کا بھی حکم ہے۔یہ سارے احکام تو ہم پر فرض ہیں ہی،نماز روزہ حج زکوٰۃ سب ہی کے ادا کرنے کا حکم ہے اور"اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ" میں تلاوت قرآن کا حکم ہے،ان احکام کے ساتھ ہی ایک حکم یہ بھی فرمایا ہے" وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ" یعنی دوسروں کو بھی بھلائی کا حکم کرو اور برائی سے روکو۔اور یہ حکم مذکورہ احکام کے مقابل نہیں بلکہ جہاں نماز کا حکم ہے وہاں ہی امر بالمعروف کا حکم ہے،چنانچہ ارشاد ہے:"یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ".

ترجمہ: بیٹا نماز پڑھا کرو۔اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو اور برے کاموں سے منع کیا کرو،اور ارشاد ہے"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُہُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْض یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْہَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُوْلٰئِکَ سَیَرْحَمُہُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ". (توبہ)

www.alislahonline.com

ترجمہ: اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں،نیک باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں،ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا،بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر ہے حکمت والا ہے۔اور جہاں جنت کا وعدہ ہے وہاں نماز کے ساتھ امر بالمعروف کا وصف بھی مذکور ہے۔چنانچہ مذکورہ آیت میں ان اوصاف کے بعد ہی ارشاد ہے:"وَعَدَ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ"۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی،

جہاں ان کے اور فضائل بیان کئے گئے ہیں اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں۔

سو حکم تو یہ ہے کہ جیسے اور احکام فرض ہیں ایسے ہی امر بالمعروف بھی فرض ہے مگر ہماری حالت یہ ہے کہ اس کا بالکل خیال ہی نہیں۔اوّل تو ہم لوگوں کو خود ہی دین کی طرف توجہ نہیں اور جو دیندار ہیں بھی،ان کی حالت یہ ہے کہ صرف اپنی تو خیر مناتے ہیں مگر دوسروں کی خیر نہیں،کسی کو نہ نیک کام کی ترغیب دیتے ہیں اور نہ برائی سے روکتے ہیں،گویا یہ حکم قرآن میں ہے ہی نہیں۔(الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۱۰۷)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے بغیر دین کی تکمیل اور نجات مشکل ہے

نصوص کثیرہ میں صلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی تاکید وارد ہے اور سورہ والعصر تو اسی موضوع کے لئے نازل ہوئی۔اس میں جہاں تصحیح عقائد واصلاح اعمال کو نجات کی شرط فرمایا ہے جو حاصل ہے خسران سے بچنے کا وہیں وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ میں دوسروں کی تعلیم عقائد واعمال کو بھی شرط نجات میں داخل فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن وحدیث میں اسی مضمون کے اور بے شمار نصوص امر بالمعروف نہی عن المنکر ، اور وعظ وتذکیر کے عنوان کے نہایت تاکید واہتمام کے ساتھ مذکور ہیں اور اس میں سستی وترک پر شدید وعیدیں بھی وارد ہیں، نیز انبیاء علیہم السلام کا خاص فریضہ یہی رہا ہے۔ اس کے بعد امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ضروری ہونے میں کیا شبہ رہا۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ:ص۱۸۶)

اس سورہ (**والعصر**) میں حق تعالیٰ نے ہم کو اس پر متوجہ کیا ہے کہ جب تک تم دین کامل نہ کروگے خسارہ میں رہوگے، اور دین کا کمال دو باتوں پر موقوف ہے، ایک اپنی تکمیل (اصلاح) پھر دوسروں کی تکمیل۔ دوسروں کی تکمیل تو دعوت اور تبلیغ سے ہوتی ہے۔ اور اس کے دو محل ہیں، دونوں کو حق تعالیٰ نے اس جگہ بیان فرمایا ہے ایک کو لفظ "حق" سے اور دوسرے کو لفظ "صبر" سے، حق سے مراد اصول (عقائد) ہیں اور صبر سے مراد فروع (احکام) ہیں اسی کو میں نے کہا تھا کہ تبلیغ اصولاً بھی فرض ہے اور فروعاً بھی۔ یا یوں کہئے کہ حق سے مراد علوم ہیں اور صبر سے مراد اعمال ہیں...... حاصل یہ ہوا کہ خسارہ سے وہ لوگ بچے ہوئے ہیں جو خود بھی ایمان لائیں اور دوسروں کو بھی ایمان کی ترغیب دیں اور خود بھی عمل صالح کریں اور دوسروں کو بھی عمل صالح کی نصیحت کریں۔ (التواصی بالحق:ص۱۶۸)

دعوت وتبلیغ کا حکم

"**اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ**" یعنی اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں کو اللہ کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ بلائیں ......ظاہر ہے کہ "ادع" کا خطاب حضور کو ہے مگر حکم حضور کے ساتھ خاص نہیں بلکہ رسول اور متبعین سب اس کے مخاطب ہیں، ہاں حضور کو خطاب اولاً ہے اور دوسروں کو ثانیاً۔

اب دیکھنا چاہئے کہ اس باب میں ہماری کیا حالت ہے اور ہم کو اس حکم کی طرف توجہ ہے یا

www.alislahonline.com

نہیں تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو ادھر بالکل توجہ نہیں اعتقاداً، تو اس کو مامور بہ سمجھتے ہیں بلکہ اس میں بھی غور کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس درجہ کا مامور بہ ہے اس درجہ سے بہت کم سمجھا جاتا ہے اس کو واجب سمجھنے والے تو بہت کم لوگ ہوں گے۔ کوئی مستحب سمجھتا ہے کوئی مستحسن ، اور غضب یہ کہ مستحسن سمجھنے میں بھی قید لگاتے ہیں کہ مستحسن (پسندیدہ) بھی جب ہے کہ مصلحت سیاسیہ کے خلاف نہ ہو، ورنہ وہ بھی ندارد......لہٰذا مستحب بھی نہ رہا اب اس کو بالکل مامور بہ (واجب) نہیں سمجھتے بلکہ تعجب نہیں کہ ایک دن کسی مصلحت کی وجہ سے مامور بہ (واجب) کو منہی عنہ (ناجائز) بتلانے لگیں۔ (آداب التبلیغ:ص۷۸)

دعوت وتبلیغ کا فقہی حکم

تبلیغ ہمارے اوپر فرض ہے اصولاً (یعنی عقائد کی) بھی اور فروعاً (مسائل کی) بھی، اس کا فرض ہونا تو اس سے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ایمان وعمل صالح کا امر فرمایا ہے اسی طرح تواصی بالحق (یعنی وصیت کرنے) کا بھی حکم فرمایا ہے اور اس مجموعہ پر خسارہ سے بچنے کو موقوف کیا ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ.** (پ۳۰)

حق تعالیٰ اس جگہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ قسم ہے زمانہ کی کہ انسان خسارہ میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح کرتے رہے۔ اور باہم ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہے اور باہم ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ایمان وعمل صالح پر خسارہ سے بچنے کو موقوف کیا ہے اسی طرح "**تواصی بالحق**" پر بھی موقوف کیا ہے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے کو دین کی نصیحت کرنا۔ دوسروں کو دین کی تبلیغ کرنا۔ (التواصی بالحق:ص۱۵۵،۱۵۶)

پھر قادر کے ذمہ تو اس کا وجوب علی الکفایہ ہے اگر اتنے آدمی اس کام کو کرتے ہوں کہ بقدر حاجت کام چل رہا ہو، تو دوسرے اہل قدرت کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

(بیان القرآن: ص ۴۵)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی ایک فریضہ ہے

امر بالمعروف بھی ایک فریضہ ہے جیسے اور فرائض ہیں۔ اور کوئی ایسی حالت نہیں جس میں فرائض ساقط ہو سکیں، بجز، جنون، واکراہ، وغلبہ عقل اور خاص خاص اعذار کے (یعنی ان اعذار میں تو فریضہ ساقط ہو جاتا ہے) باقی کسی حال میں فرائض ساقط نہیں ہوتے، اور مغلوب العقل وہی معتبر ہے جس کو شریعت مغلوب العقل تسلیم کرے تمہاری من گھڑت تفسیر کا اعتبار نہیں۔

(آداب التبلیغ: ص ۸۲)

یاد رکھو! جیسے طاعت خود واجب ہے ویسے ہی دوسروں کی طاعت کے لئے کوشش کرنا بھی واجب ہے۔ جہاں زبان کی استطاعت ہو، وہاں زبان سے کرے جہاں ہاتھ پاؤں سے کر سکے ہاتھ پاؤں سے کرے، روپئے پیسے سے کرے۔ خلاصہ یہ کہ محض اپنا عمل درست کر لینا کافی نہیں۔ (ضرورت تبلیغ: ص ۲۹۸)

اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی بھی اصلاح ضروری ہے۔ (التبشیر: ص ۳۸۹)

دعوت وتبلیغ اصل کام ہے

اس کے اصل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا کیا طرز تھا کیا وہ کتابیں پڑھایا کرتے تھے؟ ہرگز نہیں، ان کی تعلیم کا طریقہ یہی وعظ (وتبلیغ) تھا۔ اور اصل مقصود یہی تھا۔

مگر وعظ کہنے کے واسطے ہم جیسوں کو ضبط علوم کی ضرورت ہے، حضرات انبیاء علیہم

www.alislahonline.com

السلام کی تعلیم تو وہی علوم تھے ان کو نہ کتاب پڑھنے کی ضرورت تھی نہ وہ اس کے محتاج تھے کہ کتاب سامنے رکھ کر دوسروں کو پڑھائیں۔ کیونکہ وہ حقائق کو بغیر اصطلاحات کی مدد کے سمجھانے پر قادر تھے وہ معقول کو محسوس بنا دیتے تھے اس لئے ان کو کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کی ضرورت نہ تھی۔

پھر بعد میں صحابہ بھی حضرات انبیاء علیہم السلام کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھے وہ بھی اس کے محتاج نہ تھے بعد میں جب حفظ میں کمی آئی اور علوم وہبیہ کی استعداد کم ہوگئی تو علوم کو کتابوں میں مدوّن کیا گیا اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کتابیں پڑھی اور پڑھائی جائیں۔ مگر اس کی ضرورت اسی بات کے واسطے ہوئی کہ کتابوں سے علم حاصل کر کے عوام کو صحیح علوم کی تبلیغ کریں، غلط سلط باتیں نہ بتائیں۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ کتابیں پڑھانے ہی کو مقصود سمجھ لو، اور تبلیغ وانذار کو چھوڑ کر بیٹھ جاؤ۔ (حقوق وفرائض: ص ۱۱۱)

دین میں تبلیغ اصل ہے

دین میں تبلیغ اصل ہے اور درس وتدریس اس کے مقدمات ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی مفسدہ میں مبتلا نہ ہو ورنہ سکوت ہی بہتر ہے۔ (الافاضات الیومیہ: ص ۳۸، ج ۲)

انبیاء علیہم السلام کا خاص فریضہ یہی رہا ہے باقی دین کے جتنے شعبے ہیں، مثلاً افتاء، درس، تصنیف وغیرہ سب اسی کے آلات ومقدمات (ذرائع) ہیں خود تنظیم (حکومت) جس کی ضرورت سب کو تسلیم ہے اسلام میں وہ بھی اسی کے تابع اور اس کا مقدمہ ہے چنانچہ ارشاد ہے:

”اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰہُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَہَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ“ (حج)

یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ خود بھی نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور دوسروں کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع

کریں اور سب کاموں کا انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ (بیان القرآن:ص۵۷رج۷)

اس آیت میں جہاں تمکین (قدرت وحکومت) کے مقاصد ذکر فرمائے ہیں ان میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر (اچھائیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے) کو بھی جزء مقصود فرمایا گیا ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ:ص۱۸۸)

اصل چیز تبلیغ ہے اسی کے واسطے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے

دعوت وتبلیغ کی طرف سے اہل علم کی کوتاہی اوراس کا نتیجہ

ہم لوگ جو پڑھے لکھے کہلاتے ہیں بس طالب علموں کے پڑھانے کو بڑی معراج سمجھتے ہیں مگر جو اصلی غایت (مقصد) اور تعلیم وتعلم کی صحیح غرض ہے۔اور جو انبیاء علیہم السلام کا خاص کام ہے یعنی تبلیغ واشاعت جو بذریعہ وعظ ہوتی ہے اس کا کہیں پتہ بھی نہیں۔ بلکہ جو اساتذہ علامہ کہلاتے ہیں وہ اسے موجب تذلیل اور باعث عار سمجھتے ہیں اوراس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ وعظ کہنا جاہلوں کا کام ہے۔

بس جی! تم نے جاہلوں کا کام سمجھ کر اسے چھوڑ دیا تو پھر جاہلوں ہی نے اسے لے لیا۔جنہیں معانی کی تو کیا خبر ہوتی الفاظ تک درست اور صحیح نہیں ادا کر سکتے لوگوں نے وعظ کہتے دیکھ کر انہیں عالم سمجھ لیا اور عالم سمجھ کر وعظ کے بعد فتوے پوچھنا شروع کر دیئے، یہ بچارے عالم تو تھے نہیں مگر یہ کہتے ہوئے شرم آئی کہ مجھے مسائل نہیں معلوم۔مجبوراً جو جی میں آیا بتا دیا اور غلط سلط فتویٰ دے دیا، حدیث شریف میں ہے: ’’اِتَّخَذُوا رَوُسًا جَهًا لًا فَافْتَوْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَاَضَلُّوْا‘‘ کہ آخر زمانہ کے لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے جو بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

تو یہ نوبت کیوں آئی؟ صرف اس لئے کہ جن کا یہ کام تھا انہوں نے چھوڑ دیا اور اپنے

www.alislahonline.com

لئے موجب استخفاف (حقارت) سمجھا، حالانکہ حضرات انبیاء کا یہ اصل کام تھا، ان حضرات نے سوائے وعظ وپند اور تبلیغ واشاعت کے کبھی مدرسہ نہیں بنایا۔ (الدعوت الی اللہ:ص۲۲)

واقعی مسلمانوں کو اس بات نے بے حد تباہ کیا کہ وعظ (وتبلیغ) کہنے والے زیادہ تر جاہل ہیں اور علماء وعظ نہیں کہتے، اگر علماء وعظ کہتے ہوتے تو مسلمانوں کی حالت تباہ وبرباد نہ ہوتی۔

(حقوق وفرائض:ص۱۱۱)

جملہ اہل علم کی ذمہ داری

عموماً اہل علم کی ساری جماعتوں سے یہ بھی عرض ہے کہ ان معین اوقات کے علاوہ دوسرے عام اوقات میں اپنی اپنی جگہ خاص وعام تبلیغ سے غافل نہ رہیں۔(تجدید تعلیم وتبلیغ:ص۱۹۳)

دعوت وتبلیغ صرف علماء کا کام نہیں

بغیر دعوت کے دیندار نہیں بن سکتے

آج کل لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یہ کام تو مولویوں کے ذمہ ہے، سو اگر یہ کام تنہا مولویوں کے ذمہ ہے تو پھر نماز روزہ کو بھی پیروں کے ذمہ سمجھو، اور تم آزاد زندگی گذارو، بس شکایت اس کی ہے کہ جو لوگ دیندار اور نمازی ہیں جس طرح وہ نماز کو ضروری سمجھتے ہیں کیا اسی درجہ میں تبلیغ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں؟ ہرگز نہیں اگر کبھی نماز قضا ہو جائے تو اس پر تو ندامت ہوتی ہے مگر ترک تبلیغ پر ذرا بھی ندامت نہیں ہوتی۔اور اگر کبھی اتفاقاً کسی کو نصیحت کر دیتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اس پر شکر کریں کہ آج مدت کے بعد فرض کی ادائیگی کی ہم کو توفیق ہوئی الٹا اس پر ناز کرتے ہیں کہ ہم نے بڑا کام کیا، جیسے شب قدر میں جاگنے پر فخر ہوتا ہے۔مگر ظہر کی نماز پڑھ کر کوئی فخر نہیں کرتا، کھانا کھا کر کوئی ناز نہیں کرتا پھر نصیحت کر دینے پر فخر کیوں کرتے ہیں۔راز وہی ہے کہ ظہر کی نماز تو اپنے ذمہ فرض سمجھتے ہیں اور تبلیغ کو فرض نہیں سمجھتے اس

کو زائد کام سمجھ رکھا ہے......اس لئے اگر اس کی نوبت آجاتی ہے تو اس پر فخر کرتے ہیں اگر اس کو بھی فرض سمجھتے تو اس پر فخر نہ ہوتا بلکہ یہ سمجھتے کہ یہ تو ہمارے ذمہ ضروری تھا اور جس طرح نماز کے ترک پر ندامت ہوتی ہے اس کے ترک پر بھی ندامت ہوتی اپنے نفس کو ملامت کی جاتی مگر اس کے ترک پر کوئی اپنے نفس کو ملامت نہیں کرتا۔ یہ تو ایسا ہوا، جیسے ایک آدمی صرف چار نمازیں پڑھے عشاء کی نماز نہ پڑھے تو یہ کوئی نمازی ہے؟ اس کو کوئی بھی نمازی نہ سمجھے گا پھر آپ تبلیغ کو ترک کر کے اپنے کو دیندار کیوں سمجھتے ہیں؟ خوب سمجھ لیجئے کہ اس کے بغیر آپ دیندار نہیں ہو سکتے۔ (التواصی بالحق: ص۱۶۱)

میں بتلا چکا ہوں کہ تبلیغ صرف مولویوں کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے البتہ تبلیغ عام بطور وعظ کے علماء کے ساتھ خاص ہے باقی تبلیغ خاص انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ ہے۔ (دعوت وتبلیغ: ص۱۹۱)

امت کے ہر فرد پر تبلیغ واجب ہے

دوسرے نصوص میں دعوت وتبلیغ نہ کرنے کی وعید عام ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ایک حدیث ہے کہ جو لوگ امر بالمعروف نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کو عام عتاب کرے گا، اور آپ نے استشہاد کے لئے یہ آیت پڑھی۔

وَاتَّقُوا فِتنَةً لَاتُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُم خَاصَةً. (انفال)

اور تم ایسے وبال سے بچو جو کہ خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ (بیان القرآن) اس کی تشریح ماقبل میں گذر چکی ہے۔

اس کے انضمام (ملانے) سے معلوم ہوا کہ امت کا ہر فرد بھی وجوب دعوت کے حکم میں داخل ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پہلی امتیں امر بالمعروف کے ترک سے ہلاک ہوئی ہیں اور امم سابقہ (گذشتہ قوموں) کے حالات نقل کر کے اگر اس پر نکیر نہ کی

www.alislahonline.com

جائے تو وہ بھی حجت ہوتے ہیں۔

اور سنئے! حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے صید (شکار) کے قصہ میں فرمایا ہے: وَاِذ قَالَت اُمَّةٌ مِّنهُم لِمَ تَعِظُونَ قَومَا نِ اللّٰهُ مُهلِكُهُم اَو مُعَذِّبُهُم عَذَاباً شَدِيداً. یعنی بعض صلحاء نے دوسروں سے کہا تھا کہ ان نافرمانوں کو نصیحت کیوں کرتے ہو (جب مانتے ہی نہیں) انہوں نے نے جواب دیا: قَالُوا مَعذِرَةً اِلٰی رَبِّکُم کہ خدا کے یہاں عذر قائم کرنے کے لئے تاکہ معذور سمجھ جائیں کہ ہم نے تو ان سے ترک معصیت (گناہ چھوڑنے) کے لئے کہا تھا، مگر انہوں نے نہیں مانا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصیحت (تبلیغ) کرنے میں کسی کی تخصیص نہیں بلکہ امتی کے ذمہ بھی امر بالمعروف ضروری ہے اور حکم سب کو عام ہے، ہاں اس میں تفصیل ہے کہ کس کے ذمہ کیا ہے، تبلیغ عام تو علماء کا منصب ہے اور تبلیغ خاص ہر جگہ اور ہر شخص پر ہے۔ بہر حال حکم عام ہے اور امر بالمعروف خاص کسی فرد بشر سے ساقط نہیں ہوتا، اور امر بالمعروف عام یعنی وعظ کہنا یہ صرف علماء پر واجب ہے۔ (آداب وتبلیغ: ص۱۱۰و۱۰۵)

کن لوگوں پر تبلیغ واجب ہے؟ دعوت وتبلیغ کے وجوب وعدم وجوب کا معیار

امر بالمعروف (کے وجوب) کا خاص مدار قدرت پر ہے یعنی جس کو جس کسی پر جتنی قدرت ہے اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو امر بالمعروف کرے جن لوگوں پر قدرت ہے وہ یہ لوگ ہیں: بیوی، بچے، نوکر، مرید، شاگرد اور جن پر قدرت نہیں وہ یہ لوگ ہیں: دوست، احباب، بھائی، برادری، عزیز قریب، اور اجنبی لوگ۔ ماں باپ کے ذمہ واجب ہے کہ اپنی اولاد کو نماز روزہ کی نصیحت کریں۔

خاوند فرض ہے کہ اپنی بیوی کو احکام شرعیہ پر مجبور کرے، آقا کے لئے لازم ہے کہ اپنے نوکر چاکر اور جوان کے ماتحت میں ہیں ان کو امر بالمعروف کریں۔

غرض! ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنے ماتحتوں کو امورِ خیر (بھلی باتوں) کا حکم کرے اور خلاف شرع باتوں سے روکے، اس میں عالم ہونے کی ضرورت نہیں، ہاں جہاں علم درکار ہے مثلاً کوئی مختلف فیہ مسئلہ ہے یا ایسا کوئی مسئلہ ہے جس کی بہت سی شقیں ہیں اور وہ ان شقوں کا احاطہ نہیں کر سکا یا احاطہ کر لیا مگر اس کا درجہ نہیں معلوم، تو ایسا مسئلہ بتلانا ہر شخص کے لئے جائز نہیں، یہ علماء کے بتلانے کا کام ہے۔

پس تبلیغ خاص کے لئے تو مسئلہ کی حقیقت کا پورے طور سے منکشف ہونا اور قدرت ہونا شرط ہے اور تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ علماء کا کام ہے۔ (آداب وتبلیغ: ص ۲۲۳، ۱۰۶)

﴿باب ۳﴾

دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں عام کوتاہی

ہر شخص اپنی حالت دیکھ لے کہ شب و روز (دن رات) میں کتنے منٹ اور کتنا وقت اس کام کے لئے اس نے خاص کر رکھا ہے۔ یوں تو ہم میں عابدین بھی ہیں زاہدین بھی ہیں، علماء بھی ہیں، طلبہ بھی ہیں، غرض طرح طرح سے دین کی خدمتیں کی جارہی ہیں اور ان کا اہتمام بھی ہے، مگر یہ دیکھ لیں کہ جتنی دیر وظیفہ، تلاوت ذکر وشغل اور نفلیں پڑھنے میں صرف کرتے ہیں اور کسب حلال میں مشغول رہتے ہیں، آیا اس وقت میں سے کوئی حصہ اس کام میں بھی صرف ہوتا ہے کہ دوسروں کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کریں؟

www.alislahonline.com

اب فرمایئے! ایسے کتنے ہیں جو اس کام کو کرتے ہیں؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید مہینے کے مہینے خالی جاتے ہیں جن میں ایک شخص بھی اللہ کی طرف متوجہ نہیں کیا جاتا، یعنی اس کی نوبت ہی نہیں آتی کہ کافر کو اسلام کی ترغیب، ضعیف الاسلام (یعنی جس کا اسلام کمزور ہو اس) کو تقویتِ اسلام کی ترغیب دیں، اور جو متردد (شک میں) ہیں جن کے اسلام سے نکل جانے کا اندیشہ ہے ان کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیں، یہ بے توجہی تو اصول کے اعتبار سے تھی۔

اب فروع کے اعتبار سے دیکھیں تو اس میں وہ بھی کوتاہی نظر آئے گی یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا باب ہی مفقود ملے گا۔ امر بالمعروف یعنی نیک کام کی ترغیب، جن پر نماز فرض ہے ان کو نماز کی ترغیب، جن کے پاس بقدر نصاب مال ہے انہیں زکوٰۃ کی ترغیب، جن پر حج فرض ہے انہیں حج کی ترغیب دی ہو، یا جس کے اخلاق باطنی اچھے نہ ہوں اسے اخلاق مہذب کرنے کے طریقے بتلائے ہوں کہ یہ سب دعوت الی اللہ ہی کے شعبے ہیں اور امر بالمعروف ہی کے اقسام ہیں، یا کسی کو نہیں عن المنکر کیا ہو کہ کسی معصیت میں مبتلا شخص

کومعصیت سے روکا ہوخواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ (الدعوت الی اللہ:ص۱۴)

الغرض! دیکھ لیجئے کہ ہمارے دن رات کے اوقات میں دعوت الی اللہ کے حصہ میں کتنے منٹ آتے ہیں۔غرض دوسرے کی اصلاح کی ذرا بھی فکر نہیں ہے اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی اصلاح کے ساتھ دوسرے کوبھی خطاب ہونا ضروری ہے خواہ وہ خطاب خاص ہو یعنی جس شخص کا جس پر اثر ہواس کوروزمرہ کی مخالطت ومکالمت (ملنے جلنے بات چیت) میں ضروریات دین سے آگاہ کیا جائے جیسے اپنے اہل وعیال دوست واحباب اور ملنے جلنے والوں کوآگاہ کرنا اور خواہ خطاب عام ہو کہ مجمع عام میں وعظ کے طور پر نصائح کی جائیں خواہ وہ اہل اسلام ہوں خواہ غیر اہل اسلام۔ (الدعوت الی اللہ:ص۲۲)

غرض امر بالمعروف نہی عن المنکر کا باب آج کل بالکل ہی متروک ہوگیا ہے۔ باپ بیٹے کو،استاذ شاگرد کو،پیر مرید کو،آقا نوکر کو،اور خاوند بیوی کو بھی تو امر بالمعروف نہیں کرتا، حالانکہ یہ رشتے ایسے ہیں،جن میں انسان کا پورا اثر ہوتا ہے یہ تو بہت بڑی کوتاہی ہے جس کا ہم سے سوال ہوگا۔ (حقوق وفرائض:ص۱۱۴)

قرآن مجید میں ہے: "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا" اے ایمان والو اپنے کواور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کے عذاب سے بچاؤ (اس آیت میں) اپنے اہل وعیال کو دوزخ کے عذاب سے بچانے کا حکم ہے،سواس کا تو ہر شخص کو اپنے گھر میں اور تعلقات کے لوگوں میں اہتمام کرنا چاہیئے۔

اورحدیث میں ہے:"کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّکُلُّکُمْ مَّسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِیَّتِهٖ" کہ تم میں سے ہر ایک راعی ونگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے قیامت میں پوچھا جائے گا کہ رعیت کے ساتھ کیا کیا۔ (الدعوات الی اللہ:ص۵۴)

ہر شخص سے اس کے ماتحتوں کے متعلق باز پرس ہوگی.....تو یہ گھر والے تمہارا پیچھا کب چھوڑیں گے۔اگر یہ جہنم میں گئے تو تم بھی ان کے ساتھ ہی رہوگے۔ (التواصی بالحق:ص۱۵۷)

www.alislahonline.com

اپنے گھر والوں، بیوی، بچوں کو تبلیغ کرنے میں کوتاہی

اپنی حالت دیکھئے کہ اولاً تو دعوت الی اللہ کا باب ہی گم ہوگیا ہے حتی کہ جہاں قدرت ہے وہاں بھی نہیں اور جہاں قدرت نہیں وہاں کا تو پوچھنا ہی نہیں ہے۔ ہمارے بزرگ تو وہ تھے کہ جہاں قدرت نہ تھی وہاں بھی حق کی دعوت سے باز نہیں رہتے تھے اور ہم ہیں کہ قدرت کی جگہ بھی نہیں کرتے، بیوی، بچوں،نوکروں کو باوجود قدرت کے ہم کبھی امر بالمعروف نہیں کرتے۔

مگر یہ برتاؤ صرف خدا کے معاملات میں ہے،اپنے معاملات میں ہرگز نہیں۔گھر میں آئیں گے تو پوچھیں گے کہ کھانا تیار ہوا یا نہیں؟ مگر یہ کبھی نہیں پوچھیں گے کہ بیوی نے نماز پڑھی یا نہیں۔ بہت سے لوگ کہیں گے کہ بیوی سے کہا تو تھا مگر وہ نہ پڑھے تو کیا کریں، بھائی کہنے کے دوطریقے ہیں ایک مشورہ،ایک حکم،ایک اس طرح کہنا کہ نماز پڑھا کرو،ہمیں نماز نہ پڑھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا یہ تو مشورہ کی صورت ہے کہ اس کی مخالفت سے بیوی کو ناراضی کا ڈر نہیں،اور ایک یہ کہنا ہے کہ جیسے بیوی کھانے میں نمک تیز کردے تو ایک دن تو نرمی سے کہیں گے دوسرے دن سختی سے کہیں گے اور تیسرے دن جو ذرا اکھڑ ہیں وہ ڈنڈے سے کہیں گے تو یہ حکم کی صورت ہے جس کی مخالفت سے بیوی کو ڈر ہو جائے کہ میاں سخت ناراض ہونگے ،ذرا انصاف سے کہو کیا نماز کے لئے اسی طرح کہا تھا جس طرح نمک کو کہتے ہو۔یوں کیوں نہیں کہتے کہ اگر نماز نہ پڑھوگی تو پھر ہم تمہارے ہاتھ کی روٹی نہیں کھائیں گے۔اور ایسا ہی کرو بھی اور ڈرو مت کہ روٹی نہ ملے گی، بہت سے بہت ایک ہی آدھ روز ایسا کرنا پڑے گا پھر تو وہ پابند ہی ہوجائے گی۔ (الدعوت الی اللہ:ص۵۰)

اولاد کو تبلیغ کرنے میں کوتاہی

اسی طرح اولاد کو نہ نماز پڑھنے پر کچھ کہتے ہیں۔اور نہ احکام پر۔ہاں اگر بچہ اسکول میں

فیل ہوجائے تو آپ اس کو بے حد ملامت کرتے ہیں اور اسی ملامت (وبدنامی) کے خیال سے بچے بھی خوب محنت کرتے ہیں اور ملامت بھی اس درجہ کی کرتے ہیں کہ اس کا تحمل نہ کر کے بعض لوگ ایسی ندامت میں جان تک دے دیتے ہیں۔ چنانچہ یہاں کانپور ہی کا واقعہ ہے کہ ایک لڑکا فیل ہوگیا تھا جاکے ریل کی پٹڑی میں لیٹ گیا ریل آئی کٹ گیا۔ یہ تو اسکول کے امتحان کی کیفیت تھی۔ لیکن اگر صاحبزادہ صاحب نماز پر نماز قضا کرتے چلے جائیں تو ابا جان مارے محبت کے کچھ نہ کہیں گے۔ الغرض دعوت الی اللہ کا اہتمام ہی دل سے نکل گیا۔ (الدعوت الی اللہ: ص ۵۳)

اگر آپ کہیں کہ وہ سنتا نہیں، تو میں کہتا ہوں کہ اگر وہ کبھی امتحان میں فیل ہوجائے تو اس وقت آپ اس کو کیوں مارتے ہیں اور کیوں سزا دیتے ہیں، اس وقت وہ آپ کی بات کیوں کر سننے لگتا ہے، یہ سب بہانے لغو ہیں اصل بات وہی ہے کہ آپ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے۔

بھلا اگر کوئی آپ کا دوست آپ کے سامنے زہر کھانے لگے تو کیا آپ اس کو نہیں روکیں گے؟ یقیناً ہاتھ پکڑ کر زور سے جھٹکا دے کر زہر کو اس کے ہاتھ سے لے لیں گے۔ اگر آپ تنہا قادر نہ ہوں گے تو دوسروں کو امداد کے واسطے بلائیں گے۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ دین میں جو افعال مضر ہیں ان سے روکنے میں اس اہتمام سے کام نہیں لیا جاتا۔

معلوم ہوا کہ آپ دین کے ضرر کو ضرر نہیں سمجھتے اور یہ سخت مرض ہے جس کا علاج ضروری ہے۔ مگر افسوس اس قدر غفلت ہے کہ خدا کی پناہ کسی کو بھی اس مرض کے علاج کی طرف توجہ نہیں۔ الّا ماشاء اللہ۔ (التواصی بالحق: ص ۱۶۶)

اعمال کی تبلیغ میں کوتاہی

میں آج کل عام طور پر اپنی جماعت کا حال دیکھ رہا ہوں کہ وہ کسی کے عقائد اچھے دیکھ کر پھر اس کی عملی کوتاہی پر بالکل نظر نہیں کرتے۔ نہ اس کے اعمال سے نفرت ظاہر کرتے ہیں۔ نہ دل سے کراہت و انکار کرتے ہیں اور یہ حالت خطرناک ہے اس حالت پر وعید وارد ہے۔

www.alislahonline.com

ہم لوگوں کو اعمال کی حیثیت سے بالکل غفلت ہے۔ ہم ان کو بالکل ضروری نہیں سمجھتے۔ اور ظاہر ہے کہ جب لوگ اعمال کی ضرورت واہمیت ہی سے غافل ہیں تو ان کی اصلاح وتبلیغ سے غفلت بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ ہماری حالت یہ ہے کہ ہفتے کے ہفتے گذر جاتے ہیں کہ ہم: "اِفعَل کَذَا اَوْ لَا تَفعَلُ کَذَا" (یعنی ایسا کرو ایسا نہ کرو) کبھی نہیں کہتے، اور اصلاح، اعمال اور احکام عملیہ کی تبلیغ میں یہ کوتاہی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ جن پر قدرت نہیں ہے ان کی تبلیغ کا تو کیا اہتمام ہوتا جس پر قدرت ہے وہاں بھی اس کا استعمال نہیں ہوتا۔

جن پر قدرت ہے وہ یہ لوگ ہیں بیوی، بچے نوکر، مرید، شاگرد، اور جن پر قدرت نہیں وہ یہ لوگ ہیں دوست، احباب، بھائی، برادری، عزیز قریب رشتہ دار، اور اجنبی لوگ۔

اور جب وہ لوگ بھی جن کو بظاہر قدرت سے خارج سمجھا جاتا ہے زیادہ تر محل تبلیغ ہیں اور ان کی ترک تبلیغ میں ہم معذور نہیں۔ تو بتلایئے جو لوگ ضابطہ سے ہمارے ماتحت ہیں اور ظاہر میں ان کی تبلیغ ہماری قدرت میں داخل ہے وہاں ترک تبلیغ سے ہم کیوں کر معتوب ومعذور (عند اللہ گنہگار نہ ہوں گے؟) مگر حیرت ہے کہ ہم قدرت کے موقع میں بھی تبلیغ ونصیحت سے غفلت کر جاتے ہیں۔ (التواصی بالصبر: ص ۲۲۴)

دینداروں سے شکایت

شکایت اسی کی ہے کہ جو لوگ دیندار اور نمازی ہیں جس طرح وہ نماز کو ضروری سمجھتے ہیں کیا اسی درجہ میں تبلیغ کو بھی ضروری سمجھتے ہیں؟ اگر کبھی نماز قضا ہوجائے تو اس پر تو ندامت ہوتی ہے مگر ترک تبلیغ پر ذرا بھی ندامت نہیں ہوتی، انصاف سے کہئے کیا کبھی بیوی کو نصیحت نہ کرنے پر بھی آپ کو ندامت ہوئی ہے؟ یا کسی دوست کی وضع خلاف شریعت تھی کیا اس کو نصیحت نہ کرنے پر بھی ندامت ہوئی ہے؟ کبھی نہیں۔ (التواصی بالحق: ص ۱۶۰)

اس بے توجہی کی وجہ یہ ہے کہ اپنے اغراض کی وجہ سے بے حد تساہل (سستی)

کرتے ہیں، حتی کہ اگر اپنی آنکھ سے بھی دیکھیں کہ کسی نے نماز میں تعدیل ارکان نہیں کی، تو ہماری ہمت یہ نہیں ہوتی کہ اس سے اتنا کہہ دیں کہ نماز پھر سے پڑھو، تمہاری نماز کما حقہ ادا نہیں ہوئی۔ (آداب تبلیغ: ص۷۸)

ہم لوگ اس سے کس قدر غافل ہیں...... کہ مرد گھر میں آتے ہیں، تو سوائے اس کے کہ کھانے پینے پر بیوی پر عتاب ہوگا یا کرتہ نہ سینے پر غصہ ہوگا، دین کی ایک بات بھی ان سے نہ کہی جائے گی...... جو مرد خود دیندار نہیں میں ان کی زیادہ شکایت نہیں کرتا، بلکہ مجھے زیادہ شکایت دین داروں اور نمازیوں کی ہے کہ وہ بھی اپنے گھر والوں کو دین پر متنبہ نہیں کرتے نہ اس کی خبر رکھتے ہیں کہ آج بیوی بچوں نے نماز پڑھی یا نہیں؟ اور کوئی کام خلاف شرع تو نہیں کیا؟ بس ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم کو خود اپنی اصلاح کر لینی چاہئے، اس طرح ہم خود جنت میں پہونچ جائیں گے حالانکہ یہ خیال غلط ہے آپ سے اس کا بھی مواخذہ ہوگا کہ تم نے اپنے گھر والوں کو دین کے راستہ پر کیوں نہیں چلایا؟ اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔ اگر یہ جہنم میں گئے تو تم بھی وہاں ان کے ساتھ ہی رہو گے۔ (التواصی بالحق: ص۱۵۷)

خواص امت، صوفیاء ومشائخ سے شکایت

خواص میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو مشائخ نہیں۔ ان کی تو کیا شکایت، کیوں کہ عوام ان کے زیادہ معتقد نہیں ہوتے ان میں جو مشائخ ہیں وہ مقتدائے وقت مانے جاتے ہیں جن کے بہت لوگ معتقد ہیں، سب سے زیادہ کوتاہی انہیں میں ہے وہ بس اسی کو کافی سمجھتے ہیں کہ ہاتھ میں تسبیح لے کر بیٹھ جائیں جنت میں پہونچ جائیں گے ان کو کسی کی اصلاح کی کچھ پروا نہیں، بلکہ اس کو تو شان مشیخت سے اس قدر بعید سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شیخ اس کام کو شروع کردے تو اس کو مشیخت کے دفتر سے خارج کر کے محض علماء کے دفتر میں داخل سمجھتے ہیں۔

غضب تو یہ ہے کہ آج کل تو درویش کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ بس کچھ نہ کرے

www.alislahonline.com

اور کسی سے کچھ نہ کہے بلکہ سب کے ساتھ صلح کل ہو کر رہے وہ تو درویشی ہے ورنہ نہیں، اور اسی کے لئے ایک شعر گڑھا ہے اور اس کو حافظ شیرازی کی طرف منسوب کیا ہے لیکن احکام الٰہی کے سامنے کوئی چیز حجت نہیں۔ اس لئے یہ اشعار بھی کچھ حجت نہیں، غرض امر بالمعروف یقیناً واجب ہے۔ (آداب التبلیغ: ص۹۸،۸۶)

پیر ومرشد سے شکایت

(ہم لوگوں کو) جن لوگوں پر (امر بالمعروف) کی قدرت ہے وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جنہوں نے التزام اطاعت کا ہم سے وعدہ نہیں کیا جیسے بیوی، بچے کہ گو شرعاً ان پر ہماری اطاعت واجب ہے مگر انہوں نے صراحۃً اس کا التزام نہیں کیا کہ تم ہم کو تبلیغ کرو، ہم تمہاری تعلیم پر عمل کریں گے۔ مگر ایک تعلق ایسا ہے جس میں دوسرا شخص صریح معاہدہ سے ہماری اطاعت کا التزام کرتا ہے اور وہ تعلق پیری مریدی کا ہے۔ کیوں کہ پیری مریدی نام ہے معاہدہ اطاعت من جانب المرید ومعاہدہ تعلیم واصلاح من جانب الشیخ کا (یعنی مرید کی جانب سے اطاعت کا معاہدہ اور پیر کی جانب سے تعلیم واصلاح کا معاہدہ ہونا یہ حقیقت ہے، پیری مریدی کی) صرف ہاتھ لے کر سبق پڑھا دینے کا نام پیری مریدی نہیں جیسا کہ آج کل عام طور سے اس میں غلطی ہو رہی ہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دینے کو بیعت سمجھتے ہیں اور تعلیم واتباع کو ضروری نہیں سمجھتے...... بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ مرید کی طرف سے اتباع کا التزام ہو، اور شیخ کی طرف سے تعلیم کا التزام ہو۔

اب میری شکایت کا حاصل یہ ہے کہ جہاں صریح التزام اور اطاعت کا معاہدہ ہے غضب کی بات ہے کہ وہاں بھی آج کل تبلیغ نہیں کی جاتی (تعجب ہے) جہاں قدرت بھی ہے اور التزام بھی ہے وہاں حضرت شیخ کیسے خاموش ہیں جس میں ترک تبلیغ کے گناہ کے ساتھ وعدہ خلافی بھی شامل ہے، کیوں کہ جس طرح مرید نے اطاعت کا وعدہ کیا ہے ایسے ہی شیخ

صاحب بھی تو اصلاح کا وعدہ کئے ہوئے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ مقتضی موجود اور موانع سب مرتفع ہیں پھر بھی پیر صاحب مریدوں کے افعال پر خاموش ہیں، کچھ روک ٹوک نہیں کرتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ شیوخ پیری مریدی کی حقیقت کو نہیں سمجھے یا عمداً جان بوجھ کر پہلو تہی کرتے ہیں۔ (التواصی بالصبر: ص۲۲۵)

علماء سے شکایت

علماء نے آج کل یہ کام بالکل چھوڑ دیا جو انبیاء علیہم السلام کا کام تھا اس لئے آج کل واعظ زیادہ تر جہلاء نظر آتے ہیں۔ علماء واعظ بہت کم ہیں...... آپ نے ایک شعبہ تو لے لیا یعنی تعلیم درسیات اور دوسرا شعبہ تعلیم عوام کا چھوڑ دیا، اگر علماء عوام کی تعلیم نہیں کریں گے تو کیا جہلاء کریں گے؟ اگر جہلاء یہ کام کریں گے تو وہی ہوگا، جو حدیث میں آیا ہے کہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس لئے علماء کو تعلیم درسیات کی طرح وعظ وتبلیغ کا بھی کام کرنا چاہئے۔ (وعظ علم والخشیہ: ص۳۳)

تعلیم دین کا اصل طریقہ جس کے واسطے حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے یہی وعظ ارشاد ہے جس کے ذریعہ دین کی تبلیغ فرماتے تھے باقی درس وتالیف وغیرہ تو اس کے تابع ہیں۔ (حقوق العلم: ص۹۳)

میں ہمیشہ علماء کو صوفیہ پر ترجیح دیتا ہوں، کیوں کہ دین اور اس کے حدود کے محافظ علماء ہی ہیں، اسی لئے میں علماء کو بجائے خلوت نشینی کے اس کو ترجیح دیتا ہوں کہ وہ درس تدریس وعظ تبلیغ میں اپنا وقت زیادہ صرف کریں۔ (مجالس حکم الامت: ص۱۱۸)

(وعظ وتبلیغ) تو ہمارا فرض منصبی ہے اس کے لئے کسی کی خوشامد، یا شفارش کا انتظار کرنا چہ معنی، اگر کوئی درخواست نہ کرے جب بھی ہم کو یہ کام کرنا ہے اور درخواست کرنے پر تو کسی طرح اس سے انکار نہ ہونا چاہئے۔ (حسن العزیز: ص۱۹۸، ۲۶۱/ ج۴)

www.alislahonline.com

واعظین ومبلغین سے شکایت

شاید بعض لوگ یہ کہیں کہ ہم تو وعظ کہتے رہتے ہیں تو تبلیغ ہوگئی جیسے مثلاً میں ہی وعظ کہہ رہا ہوں۔ سو میں وعظ کی حقیقت کو خوب جانتا ہوں۔ خود کوئی کسی جگہ جا کر وعظ نہیں کہتا بلکہ پہلے ان سے درخواست کی جاتی ہے جس پر یہ سو بہانے کرتے ہیں، نخرے کرتے ہیں کہ اس وقت سر میں درد ہے ناک میں درد ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عذر خطاب طویل (لمبی تقریر) کے لئے تو ہوسکتا ہے مگر اس میں دردسر کیا مانع ہوسکتا ہے کہ کسی سے ایک دو بات کہہ دی جائے بس شکایت اسی کی ہے۔ (التواصی بالحق: ص۱۶۰)

(اور جو لوگ وعظ وتبلیغ کرتے ہیں ان کی بھی حالت یہ ہے کہ) ہم لوگ جہاں پلاؤ، قورمہ کی امید ہوتی ہے وہاں تو خوب دوڑ کر جاتے ہیں، اور ایسی جگہ جہاں ستّو گھول کے کھانا پڑے وہاں جانے کی ہماری ہمت نہیں ہوتی۔ (ضرورت تبلیغ: ص۳۲۰)

مدرسہ والوں سے شکایت

میں اپنے تعلق کے بعض مدارس کو بار بار لکھا کہ جیسے آپ کے یہاں مدرسین کو تنخواہ ملتی ہے اور یہ تعلیم وتدریس گویا خاص تبلیغ ہے، اسی طرح مدرسہ سے تبلیغ عام کا بھی انتظام ہونا چاہئے اور مدرسہ کی طرف سے تنخواہ دار مبلغ رکھے جائیں اور ان کو اطراف وجوانب میں بھیجا جائے اور ان کو تاکید کی جائے کہ چندہ نہ مانگیں صرف احکام پہونچادیں۔ مگر کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ حالانکہ اس سے بہت نفع کی امید تھی، بلکہ اس سے چندہ بھی زیادہ وصول ہوتا۔

(القول الجلیل: ص۴۳)

میری رائے ہے کہ مدارس اسلامیہ، جیسے دیوبند، سہارنپور کی طرف سے ہر جگہ مبلغ رہیں تمام ممالک کے ہر حصہ میں مستقل طور پر ان کا قیام ہو۔ باضابطہ نظم ہو اور دیگر ممالک میں

مبلغ تیار کر کے بھیجے جائیں۔(انفاس عیسیٰ:ص ۶۲۰،ج ۲،الافاضات الیومیہ:ص ۴۳۵،ج ۶،قسط ۲)

یہ واعظ خواہ متبحر عالم نہ ہومگر دینیات پر کافی نظر ہو کہ تقریر میں یا کسی کے سوال کے جواب میں غلط روایت یا غلط مسئلہ بیان نہ کرے۔

میرے پاس روپیہ نہیں ورنہ کم ازکم ایک ہی واعظ بابرکت اور خوش بیان ملازم رکھ لیتا، جہاں ضرورت ہوتی بھیج دیا کرتا۔ (ملفوظات حکیم الامت،تجدید تعلیم تبلیغ ص ۱۸۸)

مبلغین تیار کرنے کی تحریک

احکام کی تبلیغ اور مخالفین کے مضامین کو تحریراً وتقریراً رد کرنے کے لئے ایسے منتہی طلبہ کو منتخب کیا جائے جن کے ظاہر وباطن میں کچھ تو دین کی طرف خاص میلان موجود ہو اور پھر ان کو حضرات اہل اللہ کی خدمت میں رکھا جائے جس سے ان کا اخلاص راسخ ہوجائے اور ان کو اخلاق کی درستی ہو، یہ مطلب نہیں کہ خوامخواہ عرفی صوفی ہوجائیں اور ضربیں لگانے لگیں، بلکہ ان کی صحبت سے انشاء اللہ اخلاق کا کچھ حصہ ضرور مل جائے گا۔حسب استعداد جب کافی مدت تک ان کی خدمت سے مستفید ہولیں تب ان کو تحریری وتقریری تبلیغ کے منصب پر مقرر کیا جائے۔اس وقت ان کی تحریر وتقریر نئے پرانے کسی طرز کی بھی انشاء اللہ مفید ہی ہوگی۔مضر نہ ہوگی، باقی جو لوگ اس کے بغیر آج کل کے مذاق کی تحریر وتقریر کے عادی ہورہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ ان کی بڑائی کا کچھ اثر بے وقوفوں پر تو ہوجاتا ہے ورنہ اصلاح یا تبلیغ جو بتائی جاتی ہے اس کا اثر برائے نام ہی ہوتا ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ:ص ۸۳)

دارالمبلغین اور تبلیغی مرکز کے قیام کی ضرورت

ایسی تدبیریں نکالنا چاہئے جس سے تبلیغ کا کام ہمیشہ چلتا رہے۔جس کی آسان صورت یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے اسلامی مدارس عربی کی تعلیم کے لئے قائم کر رکھے

www.alislahonline.com

ہیں جو زمانہ دراز سے چلے آرہے ہیں۔اسی طرح کچھ مستقل مدارس صرف تبلیغ کے لئے قائم کردیں۔جن میں صرف اس کام کی تعلیم دی جائے۔اور مبلغین تیار کئے جائیں۔مدارس عربیہ کے ساتھ اس کام کو ملحق نہ کیا جائے (کیوں کہ) اس سے علوم دین کے کام میں نقص پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔چنانچہ تجربہ سے معلوم ہوجائے گا۔ (وعظ محاسن اسلام:ص ۲۹۶)

ہر مدرسہ میں تبلیغی نظم ہونے کی ضرورت وافادیت

علماء کو آج کل مدارس کی طرف بہت توجہ ہے اور ہونا بھی چاہئے۔کیوں کہ علوم اسلامیہ کے بقاء کی یہی صورت ہے اور اس کے لئے وہ چندہ وغیرہ کرتے ہیں اور مدارس کا زیادہ تر مدار چندہ پر ہے اور چندہ دینے والے زیادہ تر عوام ہیں تو علماء کو چاہئے کہ عوام کو اپنی طرف مائل کریں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ صرف وعظ وتبلیغ کے لئے رکھا جائے جس کا کام صرف یہ ہو کہ احکام کی تبلیغ کرے۔اور اس کو ہدیہ لینے سے قطعاً منع کردیا جائے اور یہ بھی کہہ دیا جائے کہ مدرسہ کے لئے بھی چندہ نہ کرے بلکہ اگر کوئی خود بھی دے تو قبول نہ کرے بلکہ مدرسہ کا پتہ بتلادے کہ اگر تم کو بھیجنا ہو تو اس پتہ پر بھیجدو، واعظ کو محصل چندہ نہ ہونا چاہئے۔محصل چندہ اور لوگ ہیں واعظ کا کام صرو وعظ کہنا ہو، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے وعظ میں جب چندہ کا ذکر نہ ہوگا، تو بے غرض وعظ ہوگا اس کا مخاطب پر بڑا اثر ہوتا ہے پھر عوام کو مدرسہ سے تعلق ہوگا کہ اس مدرسہ سے ہم کو نفع پہونچ رہا ہے اس کی امداد کرنا چاہئے۔اور آج کل تو عوام کو یہ بڑا اعتراض ہوتا ہے کہ صاحب ہم کو مدرسہ سے کیا نفع، بس عربی پڑھنے والوں کو ہی کچھ نفع ہوگا، اور واقعی ایک حد تک یہ اعتراض بھی صحیح ہے اس لئے جن عوام سے آپ چندہ لینا چاہتے ہیں ان کو بھی تو کچھ نفع پہونچنا چاہئے جس کی صورت میں نے بتلادی کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ صرف وعظ (تبلیغ) کے لئے ہونا چاہئے، اگر ایک مدرسہ میں ایک ایک واعظ (مبلغ) ہوجائے تو پھر دیکھئے عوام کو مدرسہ سے کیسا تعلق ہوتا ہے اور

چندہ کی بھی کیسی کثرت ہوتی ہے۔ یہ چلتے ہوئے نسخے ہیں اگر شبہ ہو تو تجربہ کرکے اس کے نفع کا مشاہدہ کر لیجئے۔

میں اہل مدرسہ سے کہتا ہوں کہ امتحان کے طور پر کچھ عرصہ کے لئے اس پر عمل کرکے دیکھ لو اگر تمہارے مدرسہ کو اس سے نفع نہ ہو تو اس کام کو بند کر دینا ہر وقت تمہارے اختیار میں ہے۔ (العبد الربانی: ص ۱۱۷)

فارغ التحصیل طلبہ کو وعظ وتبلیغ کا مکلّف بنا دینا چاہئے

علماء سے بطور مشورہ میری گذارش ہے کہ جو لوگ (طلباء) فارغین عن الدرسیات باحیا ہوں ان کو ابھی سے وعظ کہنے کی اجازت دیدی جائے اصلاح کامل کا انتظار نہ کریں کیونکہ وعظ کہہ کر وہ بہت جلد اپنی اصلاح کر لے گا۔

(کیوں کہ) وعظ یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کلام انشائی ہے لیکن صورۃً اس میں ایک قسم کا دعویٰ بھی ہے کہ ہم خود اس پر عامل ہیں اس دعویٰ ضمنی کے اعتبار سے باحیا آدمی شرماتا ہے اور جلد اصلاح کر لیتا ہے، اس لئے بعض لوگوں کا طرز عمل دیکھا ہے کہ جس کام کی ان کو ہمت نہیں ہوتی اس کے بارے میں ایک دو دفعہ وعظ کہہ دیئے جس سے شرما کر بہت جلد ہی خود بھی عامل ہو گئے۔

دوسری بات اس میں اور بھی ہے کہ وعظ سے ہمت ہونے کا سبب ایک تو فطری حیا ہے دوسرے یہ کہ وعظ کے ذریعہ جب اس نے اہل اسلام کی خدمت کی۔ ان کو احکام کی تبلیغ کی۔ جس میں اہل اللہ بھی ہوتے ہیں تو یہ اہل اللہ خوش ہو کر دعا دیتے ہیں، اس کی برکت سے حق تعالیٰ اس کی بھی اصلاح کر دیتے ہیں۔

(حقوق وفرائض: ص ۹۶، ۹۹)

www.alislahonline.com

فصل (۱)

دعوت وتبلیغ میں کوتاہی کی اصل وجہ

افسوس کہ ہم لوگ اس فریضہ کو چھوڑے ہوئے ہیں جس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ ہمارے قلوب مخلوق کی ہیبت سے بھرے ہوئے ہیں، اس لئے ہم کو تبلیغ سے رکاوٹ ہوتی ہے اور ہر شخص کو تبلیغ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی، خواہ ہم کو کیسی ہی قدرت ہو، اور دوسرا ہمارا ماتحت ہی کیوں نہ ہو۔ (التواصی بالصبر: ص ۲۵۴)

(لیکن ہماری حالت تو یہ ہے کہ) اگر کہیں طمع یا خوف ہو تو روکنے کے تو کیا معنی اور اس کی تقریر وتائید کرتے ہیں کہ کہیں دوست کے ناراض ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کہیں طمع (لالچ) وتوقع کا خیال رہتا ہے، کہیں محسنوں کے احسان کا اثر ہوتا ہے۔ بہر حال طمع (لالچ) میں آدمی بہت ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ اور حالت بہت گر جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ذلت وپستی کو اختیار کر لیتا ہے کہ ایسے ایسے موقعوں تک نظر جاتی ہے جہاں دوسروں کا خیال اور وہم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (الدعوت الی اللہ: ص ۱۴)

اگر انصاف سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اصل میں دنیا کو قبلہ وکعبہ بنا رکھا ہے امر بالمعروف نہ کرنے کی وجہ فقط اتنی ہی ہے کہ اس سے دنیوی اغراض فوت ہوتے ہیں، دوستی نہیں رہے گی۔ میل ملاپ نہ رہے گا، ہنسی خوشی جاتی رہے گی، اگر ہم نے کسی کو ٹوکا تو وہ ناخوش ہو جائے گا، پھر ناخوش ہو کر آزار وتکلیف کے درپے ہو جائے گا، پھر ہم کو تکلیف ہوگی، اور یہ آزار وتکلیف بھی سب وہمی (اور خیالی)۔ ایسے مواقع کے متعلق ذرا علماء سے دریافت کر لو، کہ صاحب امر بالمعروف میں اگر ایسی باتیں پیش آئیں تو ایسی حالت میں ہم معذور ہیں یا نہیں؟۔ (آداب التبلیغ: ص ۷۹)

کوتاہی کا سبب

تبلیغ اسلام کا کام زیادہ تر شفقت سے ہوا۔ جس کو امت کے حال پر شفقت ہوگی، دین تبلیغ کی مصیبتیں خوشی سے برداشت کر سکے گا۔ اب چونکہ ہم لوگوں میں شفقت نہیں رہی، اس لئے تبلیغ میں کمی ہو رہی ہے، ہم لوگ جو جھوٹے سچے مولوی کہلاتے ہیں ہم بھی وعظ کہنے وہیں جاتے ہیں جہاں کھانے کو عمدہ عمدہ غذائیں ملیں۔ نخروں سے بلائیں جائیں۔ کرایہ ڈبل ملے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۲۹۴)

مخاطب کی ناگواری اور تعلقات کی خرابی کے اندیشہ سے ترک تبلیغ

www.alislahonline.com

آج کل عموماً ہر قسم کی تبلیغ اس لئے متروک ہے کہ مخاطب کو اس سے ناگواری ہوتی ہے اور عقائد کی تبلیغ میں یہ ناگواری زیادہ ہوتی ہے۔ تو لوگ سمجھتے ہیں کہ مخلوق کی ناگواری کون اپنے سر لے مگر یہ کوئی عذر نہیں۔ اگر ہمارے اسلاف بھی اس کا خیال کرتے تو آج ہم میں سے کسی کو بھی کلمہ شہادت نصیب نہ ہوتا۔ آخر ہمارے آباواجداد میں کوئی تو اول المسلمین ہوگا، اس کو جس نے اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ کیا اس نے بھی مخاطب کی ناگواری کوئی رعایت کی تھی؟ ہرگز نہیں۔

یادرکھو کہ محض مخاطب کی ناگواری کوئی عذر نہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِيْنَ'' کیا ہم تم کو نصیحت کرنے سے اس لئے پہلوتہی کرلیں کہ تم لوگ حد سے نکلنے والے ہو۔ حالانکہ حق تعالیٰ کے ذمہ امر بالمعروف واجب نہیں وہ اس سے پاک ہیں کہ ان پر کوئی بات واجب ہو، لیکن پھر بھی وہ مخاطب کی ناگواری کی پرواہ نہیں کرتے، یہی حکم ہم کو ہے۔ (التواصی بالحق:ص۱۸۰)

اللہ کے بندے تو ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے لئے سختیاں برداشت کرتے ہیں، اور

ایک ہم ہیں کہ نہی عن المنکر اس لئے نہیں کرتے کہ آپس میں ایسا انبساط نہیں رہے گا، وہ شگفتگی نہیں باقی رہے گی، اذیت کا اندیشہ تو کیا ہوتا محض انشراح (دلی خوشی) کی کمی بھی نہیں چاہتے، اور اگر اس خوف کے ساتھ طمع (لالچ) بھی ہو تو پھر کچھ نہ پوچھئے منع کرنا تو درکنار بلکہ خوشامد کے مارے خود اس منکر کی الٹی تائید کرتے ہیں، اگر امراء میں سے کوئی شطرنج کھیلتا ہو اور کوئی دوسرا ٹوکے...... تو یہ کہہ دیں گے کہ امام شافعیؒ نے شطرنج کو مباح کہا ہے حالانکہ ان کا بھی یہ قول نہیں رہا۔ انہوں نے اس سے رجوع کرلیا ہے۔ (الدعوت الی اللہ:ص۲۰)

تبلیغ کی وجہ سے مخاطب کی ناگواری یا تعلقات کی خرابی کا خطرہ اور اس کا شرعی حل

جن لوگوں پر قدرت نہیں ہے ان میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ کہ جن کو تبلیغ کرنے میں ضرر کا اندیشہ ہے جیسے دشمن اور مخالف، اور بعض لوگ وہ ہیں جہاں ضرر کا اندیشہ نہیں، صرف ناگواری کا خطرہ ہے۔ اور ان میں زیادہ تر ایسے لوگ ہیں، چنانچہ دوست، احباب، بھائی اور عزیز (رشتہ دار) سے ضرر جسمانی یا مالی کا خطرہ نہیں ہوتا۔ بس ان کی تبلیغ سے اس واسطے پہلوتہی کی جاتی ہے کہ ان کو ہماری روک ٹوک ناگوار ہوگی۔

سو اس کا علاج یہ ہے کہ نصیحت کا عنوان ایسا اختیار کرو، جس سے مخاطب کو ناگواری نہ ہو اور اس پر بھی کسی کو ناگواری ہو تو اس کی پرواہ نہ کرنی چاہئے۔ (التواصی بالصبر:ص۲۲۳،۲۱۱)

غرض نصیحت میں اپنی طرف سے سختی نہ کرے اس کے باوجود اگر کوئی برا مانے تو مانا کرے اپنے فعل کا تو انتظام ہوسکتا ہے کہ برا ماننے کا طرز اختیار نہ کرے مگر دوسرے کے فعل کی پرواہ نہ کرے۔ (الدعوت الی اللہ:ص۹۱)

''وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ'' میں مبلغ کو تنبیہ ہے کہ جب تم دوسروں کو صبر کی نصیحت کرتے

ہوتو ذرا خود تبلیغ میں بھی صبر واستقلال سے کام لینا، کیوں کہ تبلیغ میں بعض ناگواریاں بھی پیش آتی ہیں، اگر صبر واستقلال سے کام نہ لیا تو تبلیغ دشوار ہو جائے گی۔ (التواصی بالحق:ص۱۷۸)

مگر یہ ضروری ہے کہ اپنی طرف سے سختی اور درشتی کا اظہار نہ کریں بلکہ نرمی اور شفقت سے امر بالمعروف کرے، اس پر بھی مخالفت ہو تو تحمل کرے اور اگر تحمل کی طاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کرے محض عام خطاب پر اکتفاء کرے۔ (حقوق وفرائض:ص۱۱۳)

حکمت اور نرمی کے ساتھ اگر دعوت دی جائے تو ناگواری نہ ہوگی

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ “یعنی اپنے رب کی طرف لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ سے دعوت دو۔

اگر نصیحت موعظہ حسنہ سے ہوگی اس سے کسی کو ناگواری نہ ہوگی، اور بالفرض اگر نصیحت سے کوئی دوسرا غصہ بھی ہو گیا تب بھی اس سے لڑو مت۔ اس وقت چپ رہو، دوسرے وقت سمجھاؤ کہ بھائی تم تو برا مان گئے۔ غور کرو یہ کیسی اچھی بات ہے اس کو قبول کرلو، اگر ایک دفعہ سے کام نہیں چلتا تو بار بار سمجھاؤ اور صرف اسی پر اکتفا نہ کرو، بلکہ خلوت میں اللہ تعالیٰ سے دعاء بھی کرو کہ خطاب کا اثر اس کے دل میں پیدا کردے (اور یہ دعاء کرے) یا اللہ ہم نے کام شروع کیا ہے تو اس کو پورا فرما۔ اگر پکے رہو اور ان کے سر ہو جاؤ (یعنی لگے رہو) تو انشاء اللہ کام ضرور بن جائے گا۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۱۲۸)

دوست اور ہر مسلمان کو تبلیغ ونصیحت کرنے کی ضرورت

اگر تمہارے کسی دوست کا روپیہ راستہ میں گر پڑے تو تم پر حق یہ ہے کہ اسے اٹھا کر دے دو، اور اس سے کہو کہ اچھی طرح باندھ کر رکھو۔ اور ایسا ہی کرتے بھی ہیں۔ یہ نہیں کرتے کہ روپیہ کو راستہ ہی میں پڑا رہنے دیں کہ ہمیں کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ کوئی بچہ ہے؟ خود

www.alislahonline.com

خیال کیوں نہیں کرتا؟ نہیں، بلکہ روپیہ کو اٹھا کر ضرور دیتے ہیں، کیوں کہ سمجھتے ہیں، کہ یہ دوست ہے اس سے بیچارہ کو نفع ہوگا، لاؤ اٹھا کر دیدو، اور سمجھا دو، یہ اس کے کام آئے گا۔

اسی طرح ہر مسلمان کو چاہئے کہ جب اپنے بھائی مسلمان کو دیکھے کہ نماز نہیں پڑھتا ہے اور اس کی نماز چھوٹ گئی ہے تو یہ سمجھے کہ گویا اس کا روپیہ کھو گیا ہے۔ بلکہ روپیہ اور اشرفی کی بھی اس کے سامنے کیا حقیقت ہے تو اس کو بھی ضرور سمجھا دو، مگر یہاں یہ کہتے ہو کہ ہمیں کیا غرض پڑی؟ کیوں صاحبو! کیا نماز روپیہ سے بھی کم ہے؟ (الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۱۰۹رج۱)

مخاطب کے برا ماننے کا عذر اور اس کا حل

تم ایک عذر کرو گے کہ وہاں تو بتلانے سے دوسرا احسان مانے گا اور یہاں (دین کی بات بتلانے سے) برا مانتا ہے۔ حضرت! یہ کوئی عذر نہیں۔ تم کہنے کے طریقے سے کہو، ہرگز کوئی برا نہیں مانے گا۔ اس طرح کیوں کہتے ہو جس سے دوسرا بھڑک اٹھے۔ تم تو طعن وتشنیع سے کہتے ہو اس سے بے نمازی تو کیا جو نمازی ہیں وہ بھی برا مانے گا۔ مگر یہ مرض ایسا عام ہو گیا ہے کہ جو بے نمازی کبھی نماز کے لئے آتا ہے اس پر ضرور طعن کرتے ہیں۔

صاحبو! کہنے کا اثر کیوں نہ ہو اور دوسرا برا کیوں مانے، تم اس طریقہ سے کہہ کر تو دیکھو۔ آپ تو طعن سے کہتے ہیں۔ یوں تو اگر روپیہ بھی طعن سے اٹھا کر دو، تو دوسرا ضرور برا مانے گا۔ مثلاً اتنے زور سے اس کے ابرو پر مارو کہ آنکھ پھوڑ دو تو ضرور برا مانے گا۔

غرض برے طریقہ سے کہا جائے گا تو دوسرا ضرور برا مانے گا۔ خواہ روپیہ کا معاملہ ہو یا نماز کا معاملہ ہو۔ اور اچھے طریقے سے (دیا جائے یا کہا جائے تو) ممنون ہوگا۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۱۱۰)

کہنے کا بھی طریقہ ہوتا ہے کہنا کبھی صریح ہوتا ہے کبھی تدبیر سے، موقع محل کا خیال کرنا چاہئے۔ مگر کہنے کی فکر ہو۔ اگر اسی دھن میں لگے رہو تو یہ طریقہ معلوم کرنے کا بھی شوق

ہوگا، مگر یہاں تو یہ فکر ہی نہیں بلکہ اپنی خیر منائی جاتی ہے اور نصیحت کریں گے بھی تو برے طریقے سے، جیسے دوسروں کے سر پر کلہاڑی ماردی جائے اس کی بھی پرواہ نہیں کہ کس طرح کہنے سے فائدہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں، جس کو نصیحت کرنا ہو اس کا طریقہ بزرگوں سے سیکھ لے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نصیحت نہ کرے بلکہ طریقہ سیکھے، نصیحت سب کو کرو، مگر بزرگوں سے سیکھ کر، ہر چیز حاصل کرنے سے حاصل ہوتی ہے، کوئی چیز یوں ہی نہیں آیا کرتی۔ اور حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کے پاس رہو ان سے پوچھتے رہو۔ وہ بتلائیں گے۔ یاد رکھو! نصیحت میں سختی نہ کرو، لطافت اور نرمی سے کہو، اور اگر ممکن ہو تو دوسروں پر رکھ کر سنادو۔ (الاتمام: ص ١١١، ١١٢)

خواہ مخواہ کے فضول عذر کی وجہ سے ترک تبلیغ

اب اگر کوئی یہ کہے کہ صاحب اگر کسی کو عذر ہو مثلاً یہ کہ ہم کسی کو نصیحت کریں اور وہ اس سے برا مانتا ہے، ناک، منہ چڑھاتا ہے اور ایذا (تکلیف) پہونچانے کے درپے ہو جاتا ہے تو کیا پھر بھی امر بالمعروف کریں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے آپ امر بالمعروف کریں جب کام شروع کرکے کہیں گاڑی اٹکے گی اس وقت استفتاء کرلینا، ابھی سے اعذار کا حکم دریافت کرنے کا آپ کو حق نہیں، بلکہ اس وقت اعذار کا حکم دریافت کرنا گویا جان بچانے کی تدبیریں ڈھونڈنا ہے۔

سب مسلمان جانتے ہیں کہ شریعت نے طاقت سے زیادہ کوئی حکم نہیں دیا مگر پھر بھی اس قسم کے اعذار کو دوسرے کاموں کے بارے میں کوئی پیش نہیں کرتا، مثلاً وضو، بعض دفعہ عذر سے ساقط ہو جاتا ہے، اور نماز میں قیام عذر سے ساقط ہو جاتا ہے مگر جس وقت نماز کے لئے کسی کو کہا جاتا ہے وہ کبھی نہیں یہ کہتا ہے کہ پہلے مجھے یہ تو بتلادو کہ وضو اور قیام کن کن عذروں سے ساقط ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ وہاں آپ نماز پڑھنے کو ضروری سمجھتے ہیں، اور عذر کو عارضی۔

www.alislahonline.com

اسی طرح کھانے میں بھی طبیب سے یہ نہیں پوچھا جاتا، کہ حکیم جی کھانے کے شرائط تو بتلادو، اور یہ بھی تو سمجھادو کہ کس وقت کھانا چھوڑ دیا جائے؟ کیوں کہ یہاں بھی کھانے کو ضروری اور نہ کھانے کو عارضی سمجھا جاتا ہے اسی طرح رمضان میں جو لوگ روزہ رکھتے ہیں، وہ کبھی پہلے یہ نہیں پوچھتے کہ مولوی صاحب روزہ کن کن وجوہ سے ساقط ہو جاتا ہے؟ بلکہ اگر کوئی کبھی ایسا سوال کرے تو اس کے بارے میں عام طور پر یہ بدگمانی ہوتی ہے کہ شاید روزہ نہ رکھنے کے ارادے ہیں۔

صاحبو! آپ کو چاہئے تھا کہ امر بالمعروف شروع کرتے پھر کسی وقت کسی باوجاہت آدمی کو خلاف شرع وضع پر نصیحت کرنے یا کافر کو تبلیغ اسلام کرنے میں گاڑی اٹکتی، اس وقت مولوی صاحب سے پوچھتے کہ اس موقع پر کیا کروں۔ یہ کیا کہ آپ نہ حاکم کو امر بالمعروف کریں، نہ محکوم کو نہ مسلم کو نہ کافر کو، نہ بیوی کو، نہ اولاد کو، اور پہلے ہی سے لگے عذر کا حکم دریافت کرنے۔

شاید آپ یہ کہیں کہ نماز روزہ میں تو عذر کم پیش آتے ہیں اور امر بالمعروف میں تو اکثر پیش آتے رہتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ خیال غلط ہے، اپنے گھر والوں کو امر بالمعروف کرنے میں کون سا عذر مانع ہے؟ بیوی نے نماز نہ پڑھی تھی اس کو نصیحت کرنے میں کیا خوف تھا؟ کیا وہ آپ کو مار ڈالے گی؟ یا لڑکا نماز نہیں پڑھتا تو وہ آپ کا کیا کرلے گا؟۔

(التواصی بالحق: ص ١٦٦)

سچی بات تو یہ ہے کہ شرائط وآداب کا حقیقی طالب بھی وہی ہوگا جس نے پکا ارادہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کرلیا ہو اس کو البتہ حق ہے شرائط وضوابط پوچھنے کا۔ وہ اگر آداب واعذار معلوم کرے تو اس کو سب کچھ بتلادیا جائے گا، باقی موجودہ حالت میں جب کہ اس کی طرف توجہ اور التفات ہی نہیں اس حالت میں آپ کو اعذار وشرائط پوچھنے اور سمجھنے کا بھی کچھ حق نہیں، جو شخص کام کا ارادہ ہی نہ کرے اس کو نہ شرائط وضوابط بتلائے جائیں گے اور نہ ہی اس کو آداب واعذار پوچھنے کا حق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تو شرائط واعذار اس لئے تلاش کرے گا، تاکہ امر بالمعروف کرنا نہ پڑے بلکہ کسی طرح اس سے چھٹکارا مل جائے۔ جب اعذار معلوم

ہو جائیں گے تو کوئی نہ کوئی بات تراش لے گا کہ مجھ میں یہ یہ عذر موجود ہیں۔ یہ شرطیں مجھ میں نہیں پائی جاتیں، ہم کیسے امر بالمعروف کریں۔ اسی لئے علماء کو چاہئے کہ عمل شروع کرنے سے پہلے کسی کو اعذار وشرائط بتلایا ہی نہ کریں، جیسے کوئی شخص نماز پڑھنے کا ارادہ ہی نہ رکھتا ہو اور علماء سے پوچھتا ہے کہ نماز کے شرائط کیا ہیں اس کے اعذار وموانع کیا کیا ہیں ایسے شخص کو شرائط واعذار نہ بتلانا چاہئے ورنہ وہ تو ہر وقت اسی دھن، میں رہے گا کہ کوئی بات ایسی ہو، جس سے نماز پڑھنے سے چھٹی مل جائے البتہ جس کا پڑھنے کا ارادہ ہو، وہ پوچھے تو اس کو بیشک بتلا دیا جائے، لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ محض چھٹکارا حاصل کرنے کا متلاشی ہے، تو مفتی کو چاہئے کہ ایسے شخص کو ہرگز جواب نہ دے، بلکہ میرے نزدیک ایسوں کو موانع واعذار کی اطلاع کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔ (آداب والتبلیغ: ص ۷۸)

www.alislahonline.com

معذور ہونے کا حکم لگانے میں ہر شخص کی رائے کا اعتبار نہیں

ان تاویلات کا جو تمہاری تراشی ہوئی ہیں کچھ اعتبار نہیں۔ تمہارے فتوے سے امر بالمعروف ساقط نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں کہ جو تمہارا دل چاہے وہی ہو جائے تمہاری رائے معتبر نہیں۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ کسی صاحب کمال سے پوچھنا چاہئے اگر وہ کہہ دے کہ تم معذور ہو تو ٹھیک ہے ورنہ تمہارے خیالات کا، یا جاہلوں کے کہنے کا کچھ اعتبار نہیں۔ کسی صاحب بصیرت کی شہادت ہونی چاہئے ورنہ اس طرح تو ہر شخص کوئی نہ کوئی عذر تراش لے گا۔

غرض پہلے ہر شخص قلب کو ٹٹول کر دیکھ لے کہ امر بالمعروف کا مقصد ہے یا نہیں؟ یا محض اس سے خلاصی ہی چاہتا ہے، اگر قصد ہو تو بیشک وہ اس کے آداب واعذار وشرائط سیکھے۔ علماء سے پوچھ کر یا کتابوں سے دیکھ کر۔ (آداب التبلیغ: ص ۸۲)

(حاصل یہ) کہ تبلیغ کے شرائط وضوابط وآداب واعذار، علماء سے دریافت کرو خود مفتی بن کر کیوں فتویٰ لگا لیا کہ ہم تو معذور ہیں۔ (آداب التبلیغ ص ۷۹)

ترک دعوت وتبلیغ کا شرعی عذر ومانع

بس یاد رکھئے کہ ترک امر بالمعروف کے لئے عذر صرف یہ ہے کہ لحوق ضرر (یعنی نقصان) کا اندیشہ ہو اور ضرر بھی جسمانی، محض منفعت کا فوت ہونا عذر نہیں۔

اب غور کیجئے کہ ضرر کا لاحق ہونا ترک تبلیغ کے کتنے مواقع میں ہوتا ہے، زیادہ تر تو یہ ہے کہ محض مخاطب کی ناگواری کا خیال مانع ہوتا ہے تو اس شخص کی ناگواری کی پرواہ کیوں کی جاتی ہے۔ (التواصی بالحق: ص ۱۸۰)

ہاں نہی عن المنکر میں اگر اندیشہ ہو، ایسی اذیت (یعنی تکلیف پہونچ جانے) کا کہ جس اذیت کا یہ متحمل نہ ہو تو اس وقت نہی عن المنکر معاف ہے۔ اور جہاں ایسی اذیت نہیں فقط اندیشہ ہے کہ مخاطب برا مانے گا، یا ہمارا مرتبہ اس کی نظر میں کم ہو جائے گا، یا ہمیں شاید کچھ دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اب نہی عن المنکر کر دینے سے، نہ دے گا۔ یہ سب خیال فاسد ہیں، اس وجہ سے نہی عن المنکر معاف نہیں۔ مگر اب تو یہ نوبت ہے کہ محض اپنے حفظ جاہ ومال (مادی منفعت) کے لئے نہی عن المنکر سے بچتے ہیں۔

اللہ کے بندے تو ایسے بھی ہوئے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں اندیشہ تو کیا اذیت واقع بھی ہو جائے تب بھی وہ باز نہیں آتے تھے۔ (الدعوت الی اللہ: ص ۱۹)

(خلاصہ یہ کہ) تبلیغ سے ایک مانع تو عدم قدرت (یعنی قدرت نہ ہونا) ہے اور ایک مانع عدم التزام ہے (یعنی بات ماننے کا وعدہ نہ کرنا) گو التزام واقع میں مانع نہیں، بلکہ قدرت کے بعد تبلیغ واجب ہے، گو دوسرے نے صراحۃً التزام نہ کیا ہو، جیسے بیوی، بچے کہ شرعاً ان پر ہماری اطاعت واجب ہے۔ مگر انہوں نے صراحۃً اس کا التزام نہیں کیا (ان سب پر بھی تبلیغ واجب ہے)۔

(التواصی بالصبر: ص ۲۲۵)

دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں تکلیف برداشت کرنا

افسوس انبیاء علیہم السلام کی تو یہ حالت تھی کہ جن لوگوں نے ان کے خون بہائے، سر پھوڑے، دانت توڑے، لوہے کا خود سر میں گھسا دیا، ایسے لوگوں کو بھی تبلیغ کرتے رہے، تمام تکلیفیں جھیلتے رہے مگر تبلیغ سے نہ رکے۔ اور بڑا کمال یہ ہے کہ ایسی ایسی تکلیفیں سہنے پر بھی کفار کے حق میں بددعا نہیں کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ ایسے دشمنوں کے واسطے بھی ان کے منہ سے یہ دعاء ہی نکلتی تھی: "رَبِّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ"۔

الٰہی میری قوم کی آنکھیں کھول دیں، کیوں کہ یہ مجھ کو پہچانتے نہیں ہیں، اس لئے میرے ساتھ ایسا برتاؤ کررہے ہیں۔ اگر یہ مجھ کو پہچان لیتے تو ہرگز میرے ساتھ یہ معاملہ نہ کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے آپ کے غلامان غلام بھی امت کے حال پر ایسے شفیق ومہربان ہوئے ہیں کہ اپنے تکلیف پہونچانے والوں کے لئے ہمیشہ دعاء ہی کرتے تھے۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۲۸۷)

www.alislahonline.com

فصل (۲)

صلح کل کا فلسفہ درست نہیں

محبوب کے دشمن سے صلح کرنے میں محبوب کی رضا ہرگز نہیں ہوسکتی اللہ تعالیٰ کا طریقہ صلح کل کا نہیں۔ صلح کل کا طریقہ ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام کو عمالقہ سے مقاتلہ (جنگ) کرنے کا کیوں حکم ہوتا؟ خود جناب رسول اللہ ﷺ کو یہ خطاب کیوں ہوتا؟ "جَاهِدِ الْکُفَّارَ" (یعنی اے محمد ﷺ آپ کفار سے جہاد کیجئے)۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلح کل سے کام لیتے تو تمام عرب مسخر ہوجاتا۔ معلوم ہوگیا کہ صلح کل ملحدوں کا مذہب ہے اس لئے میں اس سے بھی منع کرتا ہوں۔

(التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ: ص ۳۸۹)

جو شخص خدا سے بیگانہ ہے اگر اس کو احکام الٰہی کی تبلیغ ناگوار ہے تو ہماری جوتی سے۔ ہم تبلیغ سے کیوں رکیں، بس ہم کو خدا پر نظر رکھنا چاہئے چاہے تمام عالم ناراض ہوجائے۔ بس تمام عالم سے کہہ دو کہ ہم نے ایک ذات سے تعلق جوڑ لیا ہے، جو اس سے ملے وہ ہمارا دوست ہے جو اس سے الگ وہ ہم سے الگ ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو اسلام کی دعوت دی تھی جب وہ راہ پر نہ آئے تو صاف فرمادیا: "سَلَامٌ عَلَیْکَ سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ"۔ کہ بس میرا اسلام لو، اب تم سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا، اپنے خدا سے دعاء کروں گا۔ صاحبو! ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اختیار کرو، اسلام کا مقتضیٰ یہی ہے، پس ہم کو کسی کی ناگواری کی پرواہ نہ کرنی چاہئے، اور مخاطب کی ناگواری کی وجہ سے تبلیغ میں کوتاہی نہ کرنی چاہئے۔

(التواصی بالحق: ص ۱۸۰، ۱۸۳، ملحقہ دعوت وتبلیغ)

اتحاد واختلاف کے حدود

فرمایا کہ نااتفاقی اس واسطے بری ہے کہ یہ دین کو مضر ہے اور اگر دین کو مفید ہو گو دنیا کو مضر ہو تو وہ بری نہیں ۔ چنانچہ ایک نااتفاقی وہ بھی ہے جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اختیار فرمایا تھا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْقَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَابَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ"۔ (پ۲۸، سورہ ممتحنہ)

ترجمہ: تمہارے لئے ابراہیم میں اور ان لوگوں میں جو کہ ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے، جب کہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں، اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا، جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔ (بیان القرآن)

اور ایک اتفاق وہ تھا جس کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں: وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَّمَاْوٰكُمُ النَّارُ۔ (عنکبوت)

اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو تجویز کر رکھا ہے، پس یہ تمہارے باہمی دنیا کے تعلقات کی وجہ سے ہے۔ پھر قیامت میں تم میں ایک دوسرے کا مخالف ہو جائے گا، اور ایک دوسرے پر لعنت کرے گا اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہو گا۔ (بیان القرآن)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے مقابلہ میں جو کفار تھے ان میں آپس میں اتحاد واتفاق کامل طور سے تھا۔ مگر کیا اس اتفاق کو کوئی محمود (پسندیدہ) کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اس اتفاق کی بنیادیں اکھاڑ کر پھینک دی تھیں، کیونکہ یہ اتفاق حق کے خلاف تھا۔

www.alislahonline.com

خوب سمجھ لو، اتفاق صرف اسی وقت مطلوب ومحمود ہے، جب کہ دین کے اعتبار سے مفید ہو۔ اور نااتفاقی اس وقت مذموم ہے جب کہ دین کی مضر ہو۔ اور اگر اتفاق واتحاد دین کو مضر ہو اور نااتفاقی دین کو مفید ہو، تو اس وقت نااتفاقی ہی مطلوب ہو گی۔

فرمایا قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں۔ بلکہ کہیں جوڑتا ہے اور کہیں توڑتا ہے جو لوگ حق پر ہوں ان کے ساتھ وصل (ملنے) کا حکم ہے۔ اور جو باطل پر ہوں ان کے ساتھ فصل (علاحیدگی) کا حکم ہے۔

(ملفوظاتِ کمالات اشرفیہ: ص۲۶، مطبوعہ پاکستان)

اتحاد واتفاق کی وجہ سے ترک تبلیغ کی مذمت

آج کل ایسے بھی مسلمان ہیں جو تبلیغ کے کام میں روڑے اٹکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کام چھوڑ دو، اس سے ہندو مسلم اتحاد میں فرق آتا ہے۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" ان کے یہاں اب بھی ہندوؤں سے...... اتحاد باقی ہے۔ مگر مزہ یہ ہے کہ اتحاد تو جانبین سے ہوتا ہے مگر ان کا اتحاد ایک طرفی ہے کہ ہندو تو ان کی ذرا بھی رعایت نہیں کرتے۔ جہاں ان کو موقع ملتا ہے مسلمانوں کو مرتد کر لیتے ہیں، آبروریزی، مال وجان کے درپے ہو جاتے ہیں، مگر ان حضرات کا اتحاد اب بھی باقی ہے، بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ مسلمانوں کو جب ہندو مرتد بنا رہے ہیں تو کیا مسلمانوں کو مرتد ہونے دیا جائے، ان کو سنبھالنے کی کوشش نہ کی جائے؟ اگر ان کی یہی رائے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چاہے ایمان جاتا رہے مگر اتحاد نہ جائے تو ایسے اتحاد پر لعنت ہے، جس کے واسطے اسلام وایمان کی بھی پرواہ نہ رہے۔ جن لوگوں کی یہ رائے ہے وہ خود تبلیغ نہ کریں، مگر جو لوگ یہ کام کرنا چاہتے ہیں، ان کو یہ کس لئے روکتے ہیں، مسلمانوں کو اللہ کے نام پر (اسلام کی دعوت وتبلیغ) شروع کر دینا چاہئے اور ان لوگوں کی باتوں پر توجہ نہ کرنا چاہئے۔ (محاسن الاسلام: ص۲۹۷)

عبرتناک واقعہ

میں آپ کو عبرتناک کثیر الوقوع واقعہ سناتا ہوں کہ ایک چودہ برس کی ناقص العقل لڑکی جس نے ماں باپ کی گودوں پرورش پائی اوران کے گھر کو اپنا گھر، ان کے دوست کو اپنا دوست ان کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھتی تھی، دولفظوں سے **نکحت** اور **قبلت** سے (میں نے نکاح قبول کیا) اس کی یہ حالت ہوجاتی ہے کہ نہ معلوم ان دولفظوں میں کیا جادو بھرا ہوا ہے کہ جہاں اس کے منہ پر سے ہاتھ اترا، اب شوہر کا گھر اس کا گھر ہے، اس کا دوست اس کا دوست ہے، اس کا دشمن اس کا دشمن ہے، گوشوہر کا دوست اس کے باپ کا دشمن ہی کیوں نہ ہو، اور شوہر کا دشمن اس کے باپ کا دوست ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اگر کسی وقت اس کا باپ بھی اس کے شوہر کا دشمن ہوجائے تو عموماً عورتیں اپنے شوہر کا ساتھ دیتی ہیں۔

افسوس اس لڑکی نے تو عقد کے ایجاب وقبول کو اس پختگی کے ساتھ نبھایا، اور ایسی مردانگی (یعنی ہمت) دکھائی۔ اور ہم لوگوں نے باوجود مرد ہونے کے خدا تعالیٰ سے معاملہ منعقد کر کے (یعنی ایمان لاکر) اس کو نہیں نبھایا، کہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہہ کر خدا تعالیٰ کے دوست کو اپنا دوست اور خدا کے دشمن کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے۔ غضب (اور تعجب) ہے کہ ناقص العقل لڑکی تو ایک انسان سے تعلق جوڑ کر صرف اسی کی ہوجاتی ہے اور ہم خدا سے تعلق جوڑ کر صرف اس کے نہیں ہوتے۔

آپ کا حال تو یہ ہونا چاہئے کہ...... بس تمام عالم سے کہہ دو، کہ ہم نے ایک ذات سے تعلق جوڑ لیا ہے جو اس سے ملے، وہ ہمارا دوست ہے اور جو اس سے الگ ہے وہ ہم سے الگ ہے۔

(التواصی بالحق: ص۱۸۲)

www.alislahonline.com

ایک حکایت

اللہ کے بندے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں اندیشہ تو کیا واقعی اذیت بھی پہونچ جائے تب بھی وہ باز نہیں آتے۔ چنانچہ ایک حکایت ہے کہ ایک مقام پر جامع مسجد میں ایک عطر کا تاجر آیا، جماعت کے بعد لوگ حسب معمول سنتیں پڑھنے لگے اتفاق سے نمازیوں میں کوئی بڑے عہدہ دار بھی تھے، وہ سنتوں میں وہی رسمی اٹھک بیٹھک کرنے لگے۔ جس میں ارکان کی تعدیل نہ تھی۔ جب سلام پھیرا تو اس تاجر نے جو ایک غریب آدمی تھا، سامنے آکر سلام کیا اور عرض کیا کہ حضور آپ کی نماز ٹھیک نہیں ہوئی۔ اسے پھر دوبارہ پڑھ لیجئے۔ کیوں کہ مجھے آپ کے وقت کا بڑا قلق ہے کہ یوں ہی رائیگاں جارہا ہے۔ اس نماز سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بس اتنا سننا تھا کہ مارے غصہ کے آگ بن گئے، کہ نالائق بیہودہ تیری یہ جرأت؟ ارے تجھے کیا چپ رہ۔ خبردار اگر پھر ایسی گستاخی کی۔ اس نے کہا صاحب! یہ گستاخی نہیں خیر خواہی ہے کہ نماز پھر پڑھ لیجئے۔ بہر حال دونوں میں یہاں تک گفتگو بڑھی، کہ عہدہ دار نے اسے مارا۔ اس نے کہا کہ آپ اور مار لیجئے مگر میں آپ کو مسجد سے نہ نکلنے دوں گا، جب تک آپ نماز نہ دہرائیں گے۔ جب شور وغل زیادہ ہوا تو چاروں طرف سے لوگ جمع ہوگئے اور عہدہ دار صاحب سے کہا کہ اس میں اس قدر برا ماننے کی کیا بات ہے۔ سچ تو کہتا ہے، کیوں نہیں پھر پڑھ لیتے۔

غرض اس نے انہیں پھر نماز پڑھوائی۔ پھر تو ایسی تعدیل سے (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھی کہ شاید عمر بھر میں یہ پہلی نماز ہوگی، کیوں کہ اگر یہ بھی ویسی ہی پڑھتے تو پھر جھگڑا ہوتا۔ جب وہ عہدہ دار نماز پڑھ کے چلے گئے تو بستی میں تاجر کی خوب شہرت ہوئی۔ لوگ اسے بزرگ سمجھنے لگے، اور جدھر جاتا ہے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ذرا، یہاں بیٹھ جائیے۔ اور ذرا ہمارے گھر تشریف لے چلئے۔ اب لوگ ضرورت سے نہیں، بلکہ تبرکاً عطر خریدتے ہیں، داموں میں

بھی کچھ تکرار نہیں کرتے کہ اگر زیادہ بھی چلے جائیں گے تو برکت ہی ہوگی، غرض اس کا سب عطر بھی خوب بکا، اور دین کی ایک بات (کی تبلیغ کرنے) سے دنیا کا بھی فائدہ ہوگیا، غرض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں، کہ اللہ کے لئے سختیاں برداشت کرتے ہیں۔

(الدعوت الی اللہ: ص۲۰، ملحقہ دعوت وتبلیغ)

ایک اور حکایت

ہمت کی برکت پر ایک حکایت یاد آئی، کہ ایک بزرگ تھے کہ لمبے سفر میں تو نماز اور جماعت کے خیال سے ایک دو آدمی کو ساتھ رکھتے تھے (تاکہ جماعت سے نماز پڑھ سکیں) اور چھوٹے سفر میں اس انداز سے سفر کرتے تھے کہ نماز کے وقت منزل پر پہونچ جائیں، اتفاق سے ایک چھوٹے سفر میں راستہ میں کچھ حرج ہوگیا، اور ظہر کا وقت آگیا، گاڑی والا ہندو تھا۔ انہوں نے وضو کیا، اور سنتیں پڑھیں کوئی اور نمازی نہیں دکھائی دیا انہوں نے دعاء مانگی کہ اے اللہ! ہمیشہ میں جماعت سے نماز پڑھتا ہوں، اور اس وقت میں مجبور ہوں اگر آپ چاہیں تو اس وقت بھی جماعت سے مشرف کر سکتے ہیں، مصلیٰ بچھا کر یہ دعاء ہی کر رہے تھے کہ گاڑی والا سامنے آیا اور کہنے لگا کہ میاں! مجھے تم مسلمان کرلو۔ (بزرگ کو) بڑی مسرت ہوئی۔ سمجھ گئے کہ دعاء قبول ہوئی۔ کیا پوچھنا ہے اس مسرت کا وجد ہو رہا ہوگا۔

اسی وقت مسلمان کیا، اور وضو کرا کر کہا کہ جس طرح میں کروں اسی طرح تو بھی کر، اور سب ارکان میں سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے رہنا، دیکھئے!...... یہ برکت تھی ہمت کی۔ (اور دعا کی) (دعوت الی اللہ: ص۵۱)

تبلیغ کے مخالفین ومعترضین سے چند باتیں

تمام تدبیروں میں سب سے زیادہ سخت ضرورت باہمی اتفاق کی ہے۔ مگر افسوس

www.alislahonline.com

ہے کہ مسلمانوں میں جہالت کے ساتھ نااتفاقی...حد درجہ کی ہے اس حسد اور نااتفاقی کی بدولت اپنا آپ نقصان کئے لیتے ہیں۔

غضب تو یہ ہو رہا ہے کہ بعض مبلغین دوسری جماعت کے مبلغین کی مذمت کر کے ان ناواقف بے خبر نو مسلموں کو ان کی اتباع کرنے سے روکتے ہیں۔

بھائی! اس وقت تو اسلام کی مشترک تعلیم ضروری ہے عقائد وفروع کا اختلاف پھر دیکھا جائے گا، یا اسلام کی بھی دو حیثیتیں بنالیں......ایک یہ کہ میں سکھاؤں اس حیثیت سے اسلام برحق ہے۔ اور ایک یہ کہ تو سکھائے اس حیثیت سے برحق نہیں۔ اگر یہ ہے تو خیر تم ہی اسلام سکھاؤ۔ لیکن اگر اس حیثیت سے برحق نہیں۔ اگر یہ ہے تو خیر تم ہی اسلام سکھاؤ۔ لیکن اگر اس حیثیت سے برحق نہیں۔ اگر یہ ہے تو خیر تو ہی اسلام سکھاؤ۔ لیکن اگر خود ہمت نہ ہو، تو دوسروں کو سکھلانے دو، یہ کیا خرافات ہے کہ نہ خود سکھاؤ اور نہ کسی اور کو سکھانے دو؟

ہماری حالت یہ ہے کہ نہ خود کام کریں اور نہ کسی کام کرنے والے کو کرنے دیں، (اور کام کرنے والوں میں) عیب نکالتے ہیں کہ یہ تو بد مذہب ہیں بدعقیدہ ہیں اگر اس نے کسی کو مسلمان بنالیا، وہ ایسا ہی ہوگا جیسا یہ ہے پھر ایسا مسلمان بنانے سے کیا فائدہ؟۔

ارے بھائی! مسلمان تو بنا لینے دو، پھر تم جا کر اپنے عقائد سکھلا دینا۔

بہر حال اتفاق کے ساتھ دعوت الی الاسلام کا کام کرنا نہایت اہم اور ضروری ہے۔

(الدعوت الی اللہ: ص۶۲)

فصل (۳)

دعوت وتبلیغ سے غفلت کا نتیجہ

مسلمانوں کی بے حسی اور دوسری قوموں کی جرأت مندی

اس وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا ہے، جس کی خبریں اخباروں میں آپ کو بھی معلوم ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائیوں کو دوسری قومیں مرتد بنا رہی ہیں، اس کے متعلق مجھے ایک آیت یاد آئی: ”وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ“۔

(پ۵، سورہ نساء)

www.alislahonline.com

اس کے ترجمہ سے اس وقت کی حالت کا اندازہ کر کے آپ کو عبرت ہوگی، ترجمہ یہ ہے کہ کفار تو دل سے پسند کرتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ، تاکہ سب برابر ہو جائیں، آگے مسلمانوں کو ارشاد ہے کہ ان سے دوستی اور اتحاد مت کرو، کیوں کہ جب ان کی یہ حالت ہے کہ وہ دل سے تمہارا کافر بننا پسند کرتے ہیں تو لامحالہ وہ تم سے مل کر اسی کی کوشش کریں گے۔

افسوس! مسلمانوں کو تو ان سے ملتے ہوئے اس کا خطرہ بھی نہیں ہوتا کہ ان کو مسلمان بنائیں اور وہ ہر وقت دل میں یہی خیال رکھتے ہیں، کہ مسلمانوں کو کافر بنائیں، خدا کے واسطے تم ان سے دوستی اور اتحاد مت کرو، ہاں تھوڑی سی اتنی رعایت کر دیا کرو کہ وہ تمہارے اخلاق کے گرویدہ ہو کر اسلام قبول کر لیں، مگر افسوس کہ وہ تو رات دن اس کوشش میں منہمک ہیں کہ پرانے مسلمانوں کو بھی کافر بنا دیں، اور ہمیں اس کی بھی پرواہ نہیں، کہ ہمارے جو بھائی پہلے سے مسلمان ہیں ان ہی کو اسلام کے اندر رکھنے کی کوشش کریں۔

صحابہ نے تو کس جانفشانی سے اسلام پھیلایا تھا، آج ہم اسے اپنی غفلت سے

مٹا رہے ہیں.. ہمارے اسلاف کے تو یہ کارنامے تھے کہ غیر قومیں ان میں خود بخود جذب (یعنی داخل) ہوتی تھیں، اگر تم غیر قوموں کو اپنے اندر جذب نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے بھائیوں کو تو ان میں جذب ہونے اور گرنے سے تھام لو۔

ہم نے مانا کہ تمہیں غیر قوموں سے خود اپنا اندیشہ نہیں مگر اپنے بھائیوں کا تو غم ہونا چاہئے کہ غیر قومیں ان کو تباہ کر رہی ہیں۔ (ضرورت تبلیغ:ص۳۰۸)

دعوت وتبلیغ سے کوتاہی کا انجام غلطی کا اعتراف

ہم کو عقائد حقہ اسلامیہ کی تبلیغ کرنا چاہئے کفار میں بھی اور کفار سے پہلے ان نومسلموں میں بھی جن پر ارتداد کا اندیشہ ہے۔ کیوں کہ آج کل بعض اہل باطل کی طرف سے فتنہ ارتداد شروع ہو رہا ہے۔ وہ ناواقف نومسلم جماعتوں کو بہکا رہے ہیں، اور اسلام سے ہٹانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم کو اس طرف توجہ کرنا چاہئے، اور واقعی اب تک ہم کو اس طرف توجہ نہ تھی، ہم اپنی کوتاہی کی تاویل نہ کریں گے، تاویل سے کیا ہوتا ہے، خدا تعالیٰ کو تو حقیقت حال کا علم ہے اللہ تعالیٰ معاف کرے، واقعی اب تک ہم اس کام سے غافل تھے۔

اب جو غور کر کے دیکھا جاتا ہے تو حالت یہ ہے کہ بعض دیہات والوں کا اسلام نہایت کمزور اور نازک ہو رہا ہے۔ بعض لوگوں کو نماز روزہ کی تو کیا خبر ہوتی، ان کو کلمہ تک بھی نہیں آتا، ان لوگوں میں تبلیغ اسلام کی سخت ضرورت ہے، خیر اب تک جو غفلت ہوئی وہ تو ہو چکی، لیکن آئندہ کے لئے ہم کو ہوشیار ہو جانا چاہئے۔ (التواصی بالحق:ص۱۸۹)

اس معاملہ میں ایک بڑی کوتاہی یہ بھی معلوم ہوئی کہ برسوں سے حق بات اپنے بھائیوں تک پہنچائی ہی نہیں گئی، چنانچہ سننے میں آیا ہے کہ جب مبلغین محل ارتداد (جہاں فتنہ ارتداد پھیلا ہے) پہنچے تو ان لوگوں نے یہ کہا کہ ہم نے دس بارہ برس میں آج عالم کی صورت دیکھی ہے، اگرچہ ہم ساری دنیا کی اصلاح کے ذمہ دار نہیں ہیں، مگر پھر بھی ہمیں چاہئے کہ جتنا

ہم سے ہو سکے کوشش تو کریں، کیوں کہ اس کی ہم سے پوچھ ہوگی، اور کامیابی یا ناکامی پر ہمیں توجہ نہ کرنا چاہئے کیوں کہ ہم سے اس کی پوچھ نہ ہوگی۔ (ضرورت تبلیغ: ص ۳۰۸)

بحمداللہ اس وقت کسی قدر توجہ مسلمانوں کو اس کام کی طرف شروع ہوئی ہے مگر ان میں انتظام نہیں بلکہ محض رسم پرستی ہے۔ (التواصی الحق، ص ۱۸۹)

اسلام کے دو درجے

اسلام کے دو درجے ہیں، ایک درجہ تو لفظ شہادتیں (یعنی کلمہ پڑھنے کا ہے) کہ خدا کو وحدہ لاشریک لہٗ سمجھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرے (یہ تو اسلام کا ادنیٰ درجہ ہے) اور ادنیٰ درجہ کے معنی یہ ہیں کہ یہ تو ضروری ہے اس کے بغیر تو نجات ہو ہی نہیں سکتی۔ ادنیٰ درجہ سے یہ تو برکت حاصل ہو جاتی ہے کہ اس کی بدولت کسی نہ کسی وقت جہنم سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔

اور ایک درجہ اس سے اعلیٰ ہے کہ شہادتین کا اقرار کر کے فرائض اور واجبات اسلامیہ کی بھی پابندی کی جائے۔ اس سے نجات کامل حاصل ہوتی ہے کہ بغیر عذاب کے جنت میں جانا نصیب ہوتا ہے۔ اور بڑے بڑے درجات ملتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ نجات کامل کے لئے تکمیل اسلام کی ضرورت ہے، اور ظاہر ہے کہ ہر شخص کامل نجات ہی کا متوقع اور خواہش مند ہوتا ہے، مقدمات میں ہر شخص کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح بغیر سزا وجرمانہ کے رہائی ہو جائے۔ اس کا متوقع اور خواہشمند کوئی نہیں ہوتا کہ بس رہائی ہو جائے، خواہ سزا ہی کے بعد سہی۔

اسی طرح ہر مطلوب میں انسان کو کامل درجہ ہی مطلوب ہوتا ہے۔ تو اسلام میں بھی درجہ کامل مطلوب ہونا چاہئے...... دنیوی امور میں درجہ کمال کا طالب ہر شخص ہے درجہ نقصان پر کوئی اکتفا نہیں کرتا، بلکہ کمال کی کوشش کرتا ہے، مگر دینی کاموں میں ہماری یہ حالت ہے کہ

www.alislahonline.com

درجہ نقصان پر راضی ہیں۔ حصول کمال کی کوشش نہیں کرتے، چنانچہ بہت سے لوگ اسلام میں ادنیٰ درجہ یعنی تلفظ شہادتین (کلمہ پڑھ لینے) پر اکتفا کئے ہوئے ہیں، اور نماز وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ اس میں اس خرابی کے علاوہ کہ ان کا اسلام ناقص ہے اور فرائض ترک کرنے سے عذاب ہونے کا اندیشہ ہے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایسے مسلمانوں پر دشمنوں کے دانت تیز ہوتے ہیں (یعنی ان کو بہکانے اور مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہیں)

تجربہ کی بات

تجربہ یہ ہے کہ مخالف کو اس مسلمان کے بہکانے کی جرأت ہوتی ہے جس کا اسلام ناقص ہے۔ کافر اسی مسلمان کو اپنے پھندے میں لانے کی کوشش کر سکتا ہے جس کا اسلام کامل نہیں، بلکہ برائے نام ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جن لوگوں کا اسلام کامل ہے ان پر میرے اغوا کا اثر نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو لوگ نام کے مسلمان ہیں سوائے اپنے کو مسلمان کہنے کے اور کوئی بات اسلام کی ان کے اندر موجود نہیں وہ جلد ہمارے بہکانے میں آسکتے ہیں، اس لئے وہ ایسے لوگوں پر اپنے دانت تیز کرتے ہیں (اور ان کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں)۔

چنانچہ آج کل جو فتنہ ارتداد چل رہا ہے اس کے شکار ایسے ہی مسلمان ہو رہے ہیں، جن کو نہ کلمہ توحید یاد ہے۔ نہ نماز روزہ کے پابند ہیں، نہ صورت وضع مسلمانوں جیسی ہے۔ نہ معاشرت مسلمانوں جیسی ہے، صورت سے کوئی شخص ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتا مگر چونکہ وہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور ان کے آبا واجداد بھی مسلمان تھے اس لئے شرعاً وہ مسلمان ہیں اور ان کے اسلام کی حفاظت ہمارے ذمہ ضروری ہے۔

بہر حال تکمیل اسلام کی ضرورت عذاب سے بچنے کے لئے تو ہے ہی مخالفین کے پھندوں سے بچنے کے لئے اس کی ضرورت ہے۔

اگر فتنہ ارتداد سے بچنا ہے تو نماز کی پابندی شروع کردو

اگر دفعتاً اس کی تکمیل نہ ہوسکے تو چند باتوں کی ضرورت تو بہت سخت ہے، ایک یہ کہ سب مسلمان نماز کی پابندی شروع کردیں، تجربہ ہے کہ نمازی کو کوئی شخص بہکانے کی جرأت نہیں کرسکتا، جس مسلمان کو کفار نماز کا پابند دیکھتے ہیں، اس سے بالکل مایوس ہوجاتے ہیں کہ یہ کبھی ہمارے بہکانے میں نہیں آسکتا، کیونکہ وہ اس کو پکا مسلمان سمجھتے ہیں۔ پس خدا کے لئے تم نماز کی پابندی تو ابھی شروع کردو، یہ اسلام کا بڑا پہرہ دار ہے۔ واقعی ”**اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرْ**“ بیشک نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔

منکر کی ایک تفسیر ابھی سمجھ میں آئی، مشہور تفسیر تو یہ ہے کہ نماز مسلمانوں کو برے کاموں سے روک دیتی ہے۔ اگر اس شخص کی نماز کامل ہے خشوع وخضوع وآداب کے ساتھ ہے، تب تو یہ شخص بالکل برے کاموں سے محفوظ ہوجائے گا، اور اگر اس کی نماز ناقص ہے تو جیسی نماز ہے اسی کے مناسب برے کام چھوٹ جائیں گے، غرض جس درجہ کی نماز ہوگی، اسی درجہ کی فحشاء سے نہی ہوگی۔ مشہور تفسیر تو یہ ہے، مگر جو تفسیر اس وقت القاء ہوئی ہے، اس پر کوئی اشکال نہیں ہوتا، وہ یہ کہ نماز اہل فحشاء ومنکر کو نمازی کے پاس آنے اور اس کے بہکانے سے روک دیتی ہے اور اسی کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اذان سے شیطان ریح خارج کرتا ہوا بہت دور بھاگ جاتا ہے۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۲۶۳،۲۶۴)

www.alislahonline.com

﴿باب۴﴾

حفاظت دین کا مطلب

خدا اس دین کا محافظ ہے مگر محافظت کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس کو ضائع کرو تب بھی محفوظ رہے گا۔ بلکہ ”**اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ**“ (ہم دین کی حفاظت کرنے والے ہیں) کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم اس کا دھیان رکھو، اس پر عمل کرو اور حفاظت کرو، اللہ تعالیٰ اس کو قائم رکھیں گے، ضائع نہ ہونے دیں گے۔

اس کے نظائر دیکھئے، مثلاً کھیتی کرنا ہے تو کیا اس میں بندہ کو کچھ کرنا نہیں پڑتا، کہ نہ زمین کھودتا ہو، نہ دانا ڈالتا ہو، نہ حفاظت کرتا ہو نہیں، بلکہ بندہ کو بھی بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، ہل چلانا، زمین کھودنا، پانی سینچنا، پہرہ دینا، وغیرہ وغیرہ، اگر یہ کہو کہ پھر اللہ میاں کو کیا کرنا پڑا، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا، تم نے سب کچھ کیا، زمین کو تیار کیا، پانی سینچا دانہ بھی ڈالا مگر کیا دانہ سے بالی نکالنا تمہاری قدرت میں تھا؟ ہرگز نہیں اسی کو فرماتے ہیں: ”**اَفَرَئَیْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ**“ کہ تم جو کھیتی کرتے ہو کیا تم اس کو زمین سے نکالتے ہو یا ہم؟ زمین سے نکالنا تمہارا کام نہیں ہے وہ خدا کا کام ہے، تو جیسے کھیتی کرنے میں، نہ سب کام خدا کے حوالے کرتے ہو، اور نہ کوشش چھوڑتے ہو بلکہ اس میں تمہاری کوشش ہوتی ہے، باقی کامیاب ہونا نہ ہونا خدا کے اختیار میں ہے، اسی طرح دین کی حفاظت کی بھی یہی صورت ہے کہ ہم کو حفاظت کا حکم کیا۔ پس ہم کو چاہئے کہ اس کی حفاظت کریں، پھر اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرمادیں گے، کیوں کہ وعدہ کیا ہے: ”**اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ**“ یعنی اللہ تعالیٰ اس حفاظت کی تکمیل کردیں گے۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۲۶)

دین کی حفاظت کے دوطریقے

دین کی حفاظت دوطرح سے ہوتی ہے، ایک بیرونی حملوں کو روکنا دوسرے خود اندرونی بنیادوں کومضبوط کرنا،لوگوں نے حفاظت کے صرف یہ معنی سمجھے ہیں کہ اوروں سے لڑنے لگے،یعنی بیرونی حملوں کوروکنا شروع کردیااوراس کوکافی سمجھ لیا،بیرونی حملوں کوروکنے سے زیادہ اہتمام اندرونی آثاراستحکام کا کرنا چاہئے، کیوں کہ حفاظت کے لئے دونوں جزء کی ضرورت ہے،ایک بیرونی حملہ سے بچانا، دوسرے اندرونی حالت کومکمل کرنا۔اگر اندرونی حالت بالکل خراب ہو،تو حفاظت ہوہی نہیں سکتی۔

دیکھواگرکوئی بادشاہ ہو،اوروہ ساری فوج کوختم کردے،لڑائی کے سارے سامان کو برباد کردے،سارے خزانے کولٹادے اب اگر کوئی بادشاہ اس سے لڑائی کے لئے آمادہ ہوجائے تو کیا (یہ بادشاہ) کامیاب ہوسکتا ہے؟ جب فوج نہیں،خزانہ نہیں،لڑائی کا سامان نہیں تو کیاخاک اپنے ملک کی حفاظت کرلے گا؟اب بتلایئے اپنے ملک کی حفاظت کیوں نہ کرسکا؟صرف اسی وجہ سے کہ اس نے اندرونی قوت کو بالکل تباہ اورکمزورکردیا تھااس حالت میں وہ بیرونی حملوں کوکیسے روک سکتا ہے،یہی حالت ہماری ہے کہ ہم حفاظت اسلام کے لئے محض،بیرونی حملوں کودفع کرنا چاہتے ہیں،اوراپنی حالت کی تکمیل (واصلاح) نہیں کرتے۔

افسوس ہے کہ اس وقت فتنہ ارتداد سے مسلمانوں کی گوایک آنکھ تو کھلی یعنی بیرونی حملوں کا کچھ بندوبست کیا ہے مگراب بھی ایک بندرہ گئی یعنی اندرونی حالت درست کرنا۔

حضرات!میں مکررکہتا ہوں کہ اندرونی حفاظت کی زیادہ ضرورت ہے،اپنے اسلام کو راسخ کرنا،شریعت کا متبع ہونا،یہ اندرونی حفاظت ہے۔کامل مسلمان بن جاؤ،احکام شریعت کی پورےطور سے پابندی کرو،یہی نہیں کہ غیروں سےلڑنے لگو۔بلکہ میں کہتا ہوں کہ خواہ لڑومت، مگراپنی حالت کودرست کرلو،ہرشئی کاایک اثر ہوا کرتا ہے اسلام کامل کا بھی ایک اثر ہے۔

www.alislahonline.com

واللہ جوکام خارجی قوت سے نہیں ہوتا وہ داخلی قوت سے ہوجاتا ہے اگر داخلی قوت پکی ہوجائے تو خارجی قوت کی زیادہ ضرورت ہی نہ رہے، پہلے زمانے میں لوگ ہمارے بزرگوں کودیکھ کران کے اعمال ان کے طرز معاشرت کودیکھ کراسلام میں داخل ہوتے تھے،کوئی زور زبردستی سے مسلمان نہیں ہوتے تھے،مگر اب ہمارے اعمال خراب، اخلاق خراب، معاشرت گندی،معاملات خراب،اگرکوئی مسلمان ہونا چاہئے توہماری کیاچیز دیکھ کرہو۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۲۸)

اندرونی حفاظت کی زیادہ ضرورت ہے

اسلام کی حفاظت ایک تواندرونی ہوتی ہے ایک بیرونی،اورزیادہ اہم پہلی ہے اگر ہم اس کا اہتمام کرلیں تو غیرلوگ خود پست ہوجائیں،اس کے بغیر صرف دوسری قسم میں کوشش کرناایسا ہے جیسے اپنے پاس ہتھیار نہیں،خزانہ نہیں،پھر دشمن کا مقابلہ کریں،میں تلوار،بندوق، توپ کمان کوہتھیار نہیں کہتا، بلکہ ہتھیار سے مراد یہ ہے کہ ہمارے پاس اعمال نہیں،ہمارے اعمال،اخلاق،معاشرت بالکل گندے ہیں،اگر ہمارے یہ ہتھیار تیز ہوں تو دوسرا کبھی حملہ نہ کرسکے اس کولڑنے کی ہمت ہی نہ ہوگی،خدا کی قسم!اگر ہمارااسلام کامل ہوتا اوراعمال ٹھیک ہوتے تو کسی کوکبھی ہمت بھی نہ ہوتی،کہ کسی مسلمان کی طرف نظراٹھائے۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اس کی تم کوزیادہ ضرورت نہیں کہ کسی سےلڑوبھڑو،اس کی طرف التفات ہی نہ کرو۔ہاں تم ایسے بن جاؤ کہ ان کوتمہارے مقابلہ کی ہمت ہی نہ رہے۔ اگرتم اپنے اعمال ٹھیک کرلوگے،شریعت کے پورے متبع ہوجاوگے،معاشرت،معاملات اور اخلاق درست کرلوگے تووہ کسی مسلمان کوتو کیا مرتد بناتے ادھررخ کرنے کی ہمت بھی نہ ہوگی،غرض پہلے اندرونی محافظت کرو،اس کی زیادہ ضرورت ہے، خارجی تدابیر کی زیادہ ضرورت نہیں۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۴۱)

اہل اسلام کے لئے تو وہی تدابیر نافع ہوں گی، جو اسلام کے مناسب ہیں، وہ تدبیریں یہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں، کہ اپنی اصلاح کرو، اخلاق درست کرو، عقائد واعمال کو سنوارو۔

اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ دوسرے کو تمہارے بہکانے کی طمع نہ ہوگی، دست درازی کی ہمت نہ ہوگی، یہ تو اپنا ذاتی فائدہ ہے۔ آگے دوسرا درجہ اشاعت اسلام کا ہے، اس سے بھی اس میں کامیابی ہوگی کیونکہ اسلام کا حسن ایسا ہے کہ دوسروں کے دل کو بھی کھینچتا ہے۔ اگر تمہارے اندر اسلام کے پورے اوصاف پائیں جائیں گے، تو دوسری قومیں خود ہی اس کے اندر آجائیں گی۔ زیادہ بولنے کی بھی ضرورت نہ رہے گی۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۴۶)

اسلام کو ظاہری تدبیروں کی ضرورت نہیں اس کی قوت بہت کامل ہے کسی کے دھوکہ کی اس کو پرواہ نہیں، اس کی ادائیں ہی ایسی دلکش ہیں کہ قلوب کو کھینچ لیتی ہیں، اس کے محاسن (خوبیوں) کو دیکھ کر خود بخود لوگ مسلمان ہوتے رہے، کسی نے زور زبردستی نہیں کی، جبر کی اس میں گنجائش ہی کہاں ہے، ہر کافر تقیہ کر کے (یعنی بچنے کے واسطے ظاہری طور پر) کلمہ پڑھ کر قتل سے بچ سکتا ہے، اور پھر قدرت کے وقت اپنے سابق مذہب پر لوٹ سکتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جن لوگوں کے بقول...... ''لوگوں نے جبراً اسلام قبول کیا تھا'' وہ ساری عمر اس جبر کے پابند کیوں ہوگئے۔ موقع پا کر آزاد ہو کر پھر اپنے پہلے مذہب پر کیوں نہ چلے گئے، کچھ نہیں یہ محض خیال ہی خیال ہے درحقیقت اسلام کا حسن ہی ایسا ہے کہ اس کی جھلک دیکھنے کے بعد نہ ماننا دشوار ہے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۸۰)

اسلام کمزور نہیں ہوا، مسلمان کمزور ہوگئے

آج کل جو لکچراروں کی زبان پر یہ جملہ آتا ہے کہ اسلام ضعیف ہوگیا جس کا مفہوم قرائن سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں ضعیف ہوگیا سو یہ بالکل غلط ہے وہ ہرگز ضعیف

www.alislahonline.com

نہیں ہے وہ اپنی ذات میں کامل مکمل ہے، اور کبھی اس میں ضعف نہیں آسکتا۔ اسلام اس وقت ضعیف ہوسکتا ہے کہ (نعوذ باللہ) خدا ضعیف ہوجائے، خداوند کریم کے ہوتے ہوئے اسلام کبھی ضعیف نہیں ہوسکتا۔ یہ غلط محاورہ زبان پر چڑھا ہوا ہے کہ آج کل اسلام ضعیف ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ اسلام کے ضعیف ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اگر مراد یہ ہے کہ اسلام جو قانون الٰہی ہے وہ ضعیف ہوگیا تو یہ بالکل غلط ہے۔ اور اگر یہ معنی ہیں کہ وہ اسلام جو ہماری ایک خاص صفت ہے وہ ضعیف ہوگیا یعنی ہم جو ایک صفت کے ساتھ متصف تھے اس میں کمی آگئی تو تسلیم ہے مگر پھر سیدھی بات یہ کیوں نہ کہوں کہ آج کل ہم کمزور ہیں۔

اسلام کے بارے میں ایسا لفظ کیوں کہو جس سے غلط معنی کا شبہ پڑتا ہے، یہ کیوں کہتے ہو کہ اسلام کمزور ہوگیا۔ اس میں تو اسلام پر دھبہ آتا ہے، ناظرین شبہ میں پڑتے ہیں، وہ اس کا مطلب یہ سمجھیں گے کہ مذہب اسلام ہی ضعیف ہوگیا۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام ملحقہ محاسن اسلام: ص۲۹)

میں ایک مرتبہ رام پور ایک مدرسہ کے جلسہ میں گیا تھا، ایک مولوی صاحب نے مجھ سے پہلے تقریر کی۔ دوران تقریر یہ کہا کہ اس وقت اسلام کی مثال اور اس کی حالت اس بیوہ عورت کی طرح ہوگئی ہے جس کا کوئی خبر گیر (پرسان حال) نہیں، خاوند مر گیا ہے اب نہ کھانے کو ہے نہ پینے کو، نہ رہنے سہنے کو، چاروں طرف دیکھ رہی ہے کہ میرا بھی کوئی خبر گیراں (پرسان حال) ہے تو ایسے وقت میں اس کی مالی خدمت کرنا بے حد ضروری ہے۔

مجھے یہ مثال بہت بری معلوم ہوئی، ان کے بعد جب میں کھڑا ہوا، تو میں نے اس کو رد کیا (اور یہ کہا) کہ اسلام بادشاہ ہے وہ کسی کا محتاج نہیں، بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں، اس میں نہ مسکنت ہے نہ ذلت ہے، وہ بادشاہ ہے۔ اس میں کچھ نقص نہیں۔ دین جیسا تھا ویسا ہی ہے۔

ہاں! یہ کہو کہ ہم مسلمان اسلام کو چھوڑ کر بیوہ عورت کی طرح ہوگئے ہیں کہ ہمارا کوئی پرسان حال نہیں، اسلام پر ثابت قدم رہتے تو خدا تعالیٰ ہمارا ناصر اور حامی ہوتا۔ اب کوئی بھی نہیں۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۶۶)

لوگ کہتے ہیں کہ اسلام تنزل پر ہے اس کی غلطی میں نے ظاہر کردی کہ درحقیقت خود ہماری حالت تنزل پر ہے نہ کہ اسلام کی، وہ تو کامل ومکمل ہے، اس کو تنزل کبھی نہیں ہوسکتا۔

مگر جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام تنزل پر ہے وہ دیکھ لیں کہ ہم اس حالت میں بھی دیکھتے ہیں، کہ ہر سال ہزاروں آدمی مسلمان ہوتے ہیں، اور یہ نہیں کہ صرف غریب لوگ ہی اسلام لاتے ہوں (جس سے یہ شبہ ہو کہ اسے کھانے کمانے کو نہ ملتا تھا اس لئے مسلمان ہوگیا) بلکہ بہت سے لوگ ان میں مالدار بھی ہوتے ہیں، صاحب جائداد ہوتے ہیں، صاحب حشم وخدم بھی ہوتے ہیں۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۴۸)

اگر مسلمان دین کی حمایت نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو کھڑا کردے گا

"وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ، وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَایَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ. (پ۲۶، سورہ احقاف)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تو کسی کا محتاج نہیں اور تم سب محتاج ہو، اور اگر تم روگردانی کروگے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کرے گا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

(بیان القرآن: ص ۲۴ رج ۱۱)

حاصل یہ کہ اگر تم (دین کی خدمت نہ کروگے) اس سے بے توجہی کروگے، تو خدا تعالیٰ تمہارے بدلے دوسری قوم کو پیدا کردیں گے، جو کہ دین کی خدمت کرے گی۔

اب اگر کسی کو شبہ ہو کہ دوسری قوم کہاں سے پیدا ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ روزانہ یہ سلسلہ مخلوق میں جاری ہے (اور اب تو ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ) اس وقت جو لوگ مسلمان ہیں وہ اسلام کے احکامات اور تعلیمات کو چھوڑ چھوڑ کر دور ہو رہے ہیں اور غیر مسلم

www.alislahonline.com

لوگ اسلام کی خوبیوں کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوتے چلے جارہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس دن کی تمہید ہے جس دن کہ تعجب نہیں کہ ایسے مسلمان اسلام سے خارج ہوجائیں اور ایسے غیر مسلم مسلمان ہوجائیں۔ اور اگر مسلمانوں کو اس کا خیال ہے کہ یہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑے تو سنبھلو، اور کام میں مشغول ہوجاؤ۔ (دعوات عبدیت: ص ۸۶ رج ۶، الدعوت الی اللہ: ص ۴۳)

اسلام کی ترقی واشاعت کے لئے دو باتیں کافی ہیں

صاحبو! اسلام کو ظاہری قوت کی ضرورت نہیں، اسلام روپیہ پیسہ کا محتاج نہیں۔ اسلام کی ترقی واشاعت کے لئے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے، ایک تو یہ کہ ہر شخص اپنے اعمال کو ٹھیک کرکے پورا پورا متبع شریعت بن جائے۔ اور اعمال میں آپسی اتحاد واتفاق بھی آگیا۔ دوسرے یہ کہ غیر قوموں کے کانوں میں اسلام کی خوبیاں ڈالتا رہے۔ لڑائی جھگڑا نہ کرے۔ نرمی سے ان کو سمجھاتا رہے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۶۹)

اسلام کی ترقی حسن اخلاق سے ہے

مبلغین کو اخلاق سنوارنے کی ضرورت

اسلام اخلاق سے پھیلا ہے جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اخلاق سے۔ چنانچہ سیر وتواریخ اس پر شاہد ہیں، اگر ہم بھی ویسے ہی پکے مسلمان ہوجائیں، تو سچ جانئے کہ کفار ہمیں بھی دیکھ دیکھ کر مسلمان ہونے لگیں، مگر اب تو ہمارے اخلاق اس درجہ گر گئے ہیں کہ انہیں مثال میں پیش کرکے کفار کو نفرت دلائی جاتی ہے۔

صاحبو! خدا کے واسطے ان سے تم دوستی اتحاد تو مت کرو مگر اتنی رعایت (ضرور) کیا کرو کہ وہ تمہارے اخلاق کے گرویدہ ہوکر اسلام کا اثر قبول کریں۔

بخدا اگر ہم ویسے ہی مسلمان ہوتے، جیسا اسلام چاہتا ہے تو ہمارے اقوال وافعال اوراحوال ہی کفار کے لئے کافی ہوجاتے۔ اوراگر نہ بھی ہوتے تو کم ازکم ان کی عداوت تو ہم سے کم ہوجاتی۔ ہمارے اسلاف کے تو یہ کارنامے تھے کہ غیرقومیں ان میں خود بخود شامل ہوتی تھیں۔(ضرورت تبلیغ:ص۳۰۷)

اسلامی اخلاق

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا نمونہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب یہودی پڑوسی تک کو ہدیہ دیا کرتے تھےاور بیماری میں اس کی عیادت کیا کرتے تھے۔

ایک یہودی کا قرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آتا تھا اس نے مسجد میں آکر مانگا اس وقت آپ کے پاس موجود نہ تھا۔ آپ نے فرمایا: پھر لے لینا۔ یہودی نے کہا میں تو لے کر جاؤں گا۔ اللہ اکبر! کس درجہ حسن معاشرت تھی کہ رعیت کا ادنیٰ آدمی بھی جو چاہے کہے اور آپ باوجود ہرطرح قدرت واختیار کے انتقام نہیں لیتے۔ صحابہ نے کچھ کہنا بھی چاہا۔ حضور نے روک دیا اور فرمایا:

”اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالاً“ کہ صاحب حق کو تقاضے کا حق ہے۔ چنانچہ وہ بیٹھا رہا۔ اور رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر بھی نہ جانے دیا۔ تو آپ مسجد ہی میں رہے صبح کو نماز پڑھی۔ یہ حال دیکھ کر نماز کے بعد اس یہودی نے کہا میں نے ”تورات“ میں پڑھا تھا کہ نبی آخرالزماں کے یہ یہ صفات ہیں۔ میں نے اور تو سب صفات دیکھ لی تھیں، صرف صفت حلم (بردباری وتحمل) کا امتحان باقی تھا سو آج اس کا بھی امتحان ہوگیا۔ واقعی آپ سچے نبی ہیں (کلمہ پڑھا) اور مسلمان ہوگیا۔

www.alislahonline.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غیرمسلم کی اس قدر رعایت کی ہے تو مسلمان کی کس درجہ رعایت فرماتے ہوں گے۔ پھر غیرمسلم تو آدمی ہے حضور نے جانوروں پر بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا ہے اور ان کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں کہ جانوروں کو زیادہ نہ مارو، بھوکا نہ رکھو، تحمل سے زیادہ کام نہ لو، زیادہ بوجھ نہ لادو۔ (حقوق وفرائض:ص۱۴۶)

تبلیغ کی کامیاب شکل، حضرت علیؓ کا واقعہ

پہلے اپنی اصلاح کرو، تاکہ تم کو دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہونے لگیں پہلے مسلمان عملی نمونہ ہوتے تھے۔ تاریخ سے بکثرت پتہ چلتا ہے کہ ہمارے اسلاف کے زمانہ میں کفار جاسوس کے طور پر لشکر اسلام میں آئے، اور مسلمان ہوگئے، پھر کفار کے لشکر میں جاکر اسلام پھیلایا۔ ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہوگئی تھی، آپؓ نے اس کو ایک یہودی کے پاس دیکھا۔ اس وقت آپ خلیفہ تھے، کہا کہ یہ زرہ میری ہے۔ یہودی نے کہا میری ہے۔ دیکھئے خلیفہ کے مقابلہ میں ایک رعیت کا آدمی کس بے باکی سے کہتا ہے کہ یہ میری چیز ہے یہ اسلام ہی کے قوانین کی وجہ سے اس کی جرأت تھی کیوں کہ جانتا تھا کہ بادشاہ کے صرف کہنے سے یہ زرہ ان کی نہ ہوجائے گی۔ دیکھئے اسلام کی کتنی خوبی ہے کہ غیرقوموں کو بھی اس سے نفع ہوتا تھا اب تو یہ حال ہے کہ خود مسلمان بھی اس سے نفع نہیں لیتے۔

غرض آپؓ نے قاضی کے پاس جاکر دعویٰ کیا، اس وقت شریح تابعی قاضی تھے وہ آپ کے ماتحت تھے۔ اب دیکھئے ادھر آپ بادشاہ اور حضرت علی کے فضائل اور ان کی خصوصیتوں کو دیکھ کر کہیں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ آپ جھوٹ بول سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، مگر اس کے باوجود حضرت شریح یہودی کے مقابلہ میں حضرت علیؓ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی گواہ ہے؟ اب حضرت علیؓ کیا اگر ہم بھی ہوتے اور ہمارا کوئی شاگرد یا مرید قاضی ہوا اور وہ

ہم سے گواہ طلب کرے تو کہتے کہ کیوں جی کیا ہم جھوٹ بولتے ہیں؟ مگر وہاں تو یہ بات نہ تھی وہ تو اسلامی قوانین کے پابند تھے۔چنانچہ حضرت علیؓ نے گواہ پیش کئے۔ایک تو قنبر جو آپ کے آزاد شدہ غلام تھے،اور ایک آپ کے بیٹے،امام حسنؓ۔قاضی شریح نے کہا کہ غلام آزادہ شدہ کی تو شہادت معتبر ہے اور لڑکے کی شہادت باپ کی حق میں قبول نہیں ہے۔حضرت شریح کا مذہب یہی ہے کہ اولاد کی شہادت باپ کے حق میں مقبول نہیں۔اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اولاد کی شہادت معتبر ہے یا نہیں۔حضرت علیؓ کا مذہب یہ تھا کہ معتبر ہے اس لئے ان کو پیش کیا،اور شریح کے نزدیک معتبر نہیں۔اور قاضی فیصلہ کے وقت اپنے ہی مذہب پر عمل کرے گا،نہ کہ بادشاہ کے مذہب پر۔اس لئے شریح نے حکم دیا کہ زرہ یہودی کی ہے۔حضرت علیؓ مقدمہ ہار کر عدالت سے ہنسی خوشی نکل آئے،کوئی تکدر اور رنج نہیں ہوا۔یہودی نے دیکھا،کہ باوجودیکہ یہ بادشاہ ہیں مگر میرے مقابلہ میں ان کا لحاظ نہیں کیا گیا۔اس نے کہا کہ اگر یہ مذہب سچ نہ ہوتا تو اس میں اتنی حقانیت وبرکت اور نورانیت نہ ہوتی،بس کلمۂ شہادت پڑھ کر کہا کہ حضور آپ ہی کی زرہ ہے۔میں مسلمان ہوتا ہوں حضرت علیؓ نے کہا کہ اب میں نے تم کو ہبہ کردی۔وہ حضرت علیؓ سے بیعت ہوگیا،اور جنگ صفین میں شہید ہوا۔دیکھا آپ نے کہ ایک زرہ کے ادنیٰ معاملہ نے کیا کیا۔

دیکھئے ہمارے بزرگ کیسے تھے کہ ان کی حالت کو دیکھ دیکھ کر لوگ مسلمان ہوتے تھے اور اب ہم کو دیکھ کر کوئی کافر ہوجائے تو تعجب نہیں۔(الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص ۱۳۱رج ۲)

ہماری حالت ایسی ہے کہ آج کل معاملات میں بعض اعتبار سے ہم کافروں سے بھی گرے ہوئے ہیں۔ہزاروں کافر ایسے نکلیں گے جو وعدہ کے پکے،عہد کے پورا کرنے والے ہیں۔کسی پرانے انگریز یا ہندو کے پاس امانت رکھو تو دل میں کھٹک نہ ہوگی۔اور مسلمان کے پاس رکھنے سے کھٹک ہوتی ہے۔

صاحبو!اب لوگوں کو کافر پر زیادہ اعتماد ہے خواہ کھا ہی جائے (خیانت بھی کرے) اور

www.alislahonline.com

مسلمان پر اعتماد نہیں۔یہ کیسی ڈوب مرنے والی بات ہے۔اسی لئے میں کہتا ہوں کہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کرو مگر یہ نہیں کہ اپنی اصلاح کے انتظار میں دوسرے کو نصیحت نہ کرو بلکہ دوش بدوش دونوں کام کرو۔اگر ایک ہی طرف لگ جاؤ گے تو ممکن ہے کہ دوسرے کا مرض بڑھ جائے۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص ۱۳۲)

اسلام کو نقصان مسلمانوں ہی سے پہونچا ہے

غیروں کا ضرر پہونچانا تو الگ رہا،ہم تو خود ہی اسلام کو ضرر (نقصان) پہنچا رہے ہیں،خود مسلمان ہی اسلام کی جڑ کو کھوکھلا کر رہے ہیں،اس کی ایسی مثال ہے،جیسے کوئی درخت کسی باغ میں لگا ہوا ہو۔اور باغ کا مالی اس کی خدمت نہیں کرتا،پانی نہیں دیتا،اس کی خبر گیری نہیں کرتا، کہ اچانک کسی (جانور مثلاً) بھینسے نے آکر دھکا دیکر درخت کو گرا دیا۔تو یہاں بھینسے کی شکایت نہیں کی جائے گی۔کہ اس نے ٹکر مار کر گرا دیا،بلکہ اصل خطاء اس مالی کی ہے۔حقیقت میں درخت کو مالی نے گرایا،بھینسے نے نہیں گرایا۔اس نے پانی نہ دے کر اس کی جڑ کمزور کردی۔ورنہ اس کی جڑ تو اتنی پکی تھی۔"کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ" ترجمہ: (جیسے پاکیزہ درخت کہ اس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہوں) وہ تو اتنا بڑا مضبوط درخت تھا...... مگر مالی نے پانی نہ دے کر اس کی جڑ کو ایسا کمزور کردیا کہ ذرا سے ہوا کے جھونکے سے گر پڑا،یا کسی کا ہاتھ لگا،اور گر گیا،جب اس کی یہ حالت ہے کہ ذرا سے اشارہ سے گر پڑتا ہے،پھر بھینسے کی ٹکر تو بڑی چیز ہے۔صاحبو!یہی حال ہم نے اپنے اسلام کا کر رکھا ہے۔

یاد رکھو!جب کبھی اسلام کو ضرر (نقصان) پہنچا ہے اہل اسلام ہی کے ہاتھ سے پہنچا ہے ورنہ یہ دین ایسا ہے کہ اس کو کوئی قوت کمزور نہیں کرسکتی۔اگر اہل اسلام اس دین کو ضرر نہ پہنچاتے تو کبھی اس دین کو ضرر نہ پہنچتا۔کیوں کہ خدا اس کا محافظ ہے۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص ۲۴)

﴿باب ۵﴾

عمومی تبلیغ کی ضرورت

کوئی بھی طاعت، کیسی ہی عظیم اور ضروری ہو، وہ معتبر اور مقبول اسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ شرعی قوانین کے موافق ہو اور ان قوانین کے موافق ہونا اس پر موقوف ہے کہ پہلے ان کا علم ہو، جس کی دو صورتیں ہیں، یا خاص طور پر ان کا درس وتدریس، یا عام طور پر تعلیم وتبلیغ، پہلا طریقہ معاشی اسباب کی بنا پر عام نہیں ہوسکتا، لہٰذا دوسرا ہی طریقہ رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے لئے یہی طریقہ تجویز فرمایا گیا، اور اکابر امت نے بھی ہمیشہ سب سے زیادہ اس کا اہتمام فرمایا۔ باقی درس وتدریس تصنیف وتالیف وغیرہ کو اسی کا مقدمہ قرار دیا۔

مگر ایک طویل زمانہ سے اس کی طرف سے بہت بے التفاتی ہوگئی ہے جس کا لازمی نتیجہ جہالت کا غلبہ، اور جہالت کے غلبہ سے فساد عمل، اور فساد عمل سے مسلمانوں کا ظاہری وباطنی تنزل اور گوناگوں مصائب میں ابتلاء اس درجہ رونما ہوگیا ہے کہ اگر جلد اس کا تدارک نہ کیا گیا تو قوی اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کی قوم من حیث الاسلام فنا ہوجائے۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ: ص۱۹۱)

حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ اس وقت ہر شخص کو تبلیغ دین کیلئے کمر بستہ ہوجانا چاہئے

علماء اور ان کے واعظوں کے علاوہ اس وقت زمانہ کی فضا (اور حالات) کا تقاضا یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کے پہنچانے کا کام ہر مسلمان اپنے ذمہ لازم سمجھے اور ہر شخص اسی دھن میں

www.alislahonline.com

لگ جائے۔ جیسا اسلاف کا طریقہ تھا، کہ علماء صوفیاء، امراء، وغرباء، خواندہ وناخواندہ (پڑھے لکھے وان پڑھ) سب کو یہی دھن تھی کہ جس کو جو احکام معلوم ہوں دوسروں تک پہونچایا جائے۔ علماء وعظ وتذکیر کرتے تھے صوفیاء اپنی مجلسوں میں نورِ باطن اور پاکیزہ باتوں سے بندگانِ خدا کو خدا کی طرف متوجہ کرتے تھے۔ تاجر وغیرہ اپنے معاملات اور ملاقات میں اللہ کو نہ بھولتے تھے۔ اگر یہ کام تنہا علماء کے ذمہ ڈال دیا جاتا تو حق کی روشنی ان مقامات میں نہ پہنچ سکتی تھی جہاں کسی عالم یا فاتح کا قدم نہیں پہنچا۔

لہٰذا تمام مسلمان آج ہی سے اس دُھن میں لگ جائیں کہ جتنا جس کو اسلام کے متعلق علم ہے اس کو دوسروں تک پہنچائے۔ اور غیب سے نصرت (ومدد) کا امیدوار رہے۔ ”اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ“ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جمادے گا۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ: ص۱۷۷)

امت کی بدحالی اور مسلسل تبلیغی کام جاری رکھنے کی ضرورت

میرے نزدیک یہ کام اتنا ضروری ہے کہ بطور حفظ ماتقدم کے، یعنی آئندہ کی حفاظت کے لئے اسے ہمیشہ جاری رکھنا چاہئے۔ کیوں کہ مسلمانوں میں بعض جگہ اس قدر جہالت بڑھی ہوئی ہے کہ مُردے تک بلا نماز جنازہ کے دفن کردیتے ہیں تبلیغ وتعلیم نہ ہونے سے انہیں کچھ بھی خبر نہیں۔ (ضرورت تبلیغ: ص۲۱۸)

بعض دیہات والوں کا اسلام نہایت نازک اور کمزور ہے۔ بعض لوگوں کو نماز روزہ کی تو کیا خبر ہوتی ان کو کلمہ تک بھی نہیں آتا۔ ان لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کی سخت ضرورت ہے۔

(التواصی بالحق: ص۱۸۹)

مجھے گجنیر کا ایک واقعہ یاد آیا۔ میں نے وہاں جاکر خود دیکھا کہ وہ برائے نام ہی مسلمان ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ میاں تم کون لوگ ہو؟ مسلمان ہو؟ کہنے لگے ہم

مسلمان کیوں ہوتے؟ میں نے کہا اچھا تو ہندو ہو؟ کہنے لگے ہم ہندو کیوں ہوتے؟ میں نے کہا آخر پھر کیا ہو؟ کہنے لگے ہم نومسلم ہیں گویا ان کے خیال میں ''نومسلم'' ہندواور مسلمان کے درمیان میں تیسری قسم ہے۔

ایک مرتبہ ہم لوگ وہاں کے زمیندار سے ملے۔ اور انہیں شربت دیا گیا تو نہیں پیا۔ اور کہا کہ مسلمان کے ہاتھ کا شربت پینے میں ہم اپنی برادری میں بدنام ہو جائیں گے۔

اور دراصل یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم لوگوں کو نومسلموں کی تعلیم (تبلیغ وتربیت) کا اہتمام ہی نہیں۔ (ضرورت تبلیغ:ص۳۱۹)

بڑی کوتاہی یہ ہوئی کہ برسوں سے حق بات اپنے بھائیوں تک پہنچائی ہی نہیں گئی۔ چنانچہ سننے میں آیا ہے کہ جب مبلغین ارتداد کے علاقوں میں پہنچے تو ان لوگوں نے یہ کہا کہ ہم نے دس بارہ برس میں آج عالم کی صورت دیکھی ہے۔ (ضرورت تبلیغ:ص۳۰۸)

ہر طبقہ کو تبلیغ کرنے کی ضرورت

ملازمین ومدرسین کو چھٹی کے زمانہ میں تبلیغ کا کام کرنا چاہئے

آج کل تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اور علماء میں دو قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جو معاش وغیرہ کی فکر سے فارغ ہیں، وہ تو اس وقت سے اپنے کو تبلیغ کیلئے وقف کر دیں۔

اور جو لوگ فکر معاش سے فارغ نہ ہوں مگر اس وقت کسی اور کام میں بھی مشغول نہیں، وہ بھی اس کام میں لگ جائیں، اور اہل تمول (مالدار لوگ) ان کی اعانت کریں۔

اور جو لوگ ملازمت وغیرہ یا درس وتدریس میں مشغول ہیں وہ اپنے کام کو ترک نہ کریں۔ مگر تعطیل (چھٹی) کے زمانہ میں یا (اس کے علاوہ) کچھ رخصت بلاوضع تنخواہ مل سکے تو رخصت لے کر ان ایام میں تبلیغ کا کام کیا کریں۔

www.alislahonline.com

اس طرح ہزاروں مبلغ مفت مل جائیں گے۔ مگر اس کی ضرورت ہے کہ ہر شخص اس کام کی اہمیت کا احساس کر کے اس پر توجہ کرے۔ (وعظ محاسن اسلام:ص۲۹۶)

مشغول اور غیر مشغول حضرات کے کام کرنے کی ترتیب

مسلمانوں میں دو جماعتیں ہیں، ایک علماء کی، ایک عوام کی، اور دونوں میں دو قسم کے لوگ ہیں، ایک فارغ البال (جن کے پاس وقت خالی ہے) دوسرے مشغول۔ پس جو علماء اور عوام فارغ ہوں، وہ اپنے کو اسی کام کیلئے وقف کر دیں، اور جو لوگ مشغول ہیں وہ اپنی فرصت اور تعطیل کے زمانہ میں کبھی کبھی دیہات کا دورہ کر لیا کریں، اور امراء (مالدار لوگ بھی) کبھی کبھی ان کے ساتھ ہو لیا کریں۔ اس کا بہت اچھا اثر ہوگا۔

کفار کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کام میں امراء وغرباء سب شریک ہیں اس کا ان پر رعب ہوگا۔ (التواصی بالحق:ص۱۹۷)

جو لوگ خود تبلیغ میں نہیں جا سکتے وہ کس طرح تبلیغ میں حصہ لیں

جو لوگ خود جا کر تبلیغ نہیں کر سکتے وہ اپنے پیسوں ہی کو اپنا قائم مقام کر دیں اور اس میں کم زیادہ سے مت شرماؤ۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی دیکھ بھال نہیں ہے کہ کس کے روپے زیادہ ہیں۔ وہاں تو نیت اور خلوص کی دیکھ بھال ہے۔ ممکن ہے کہ تمہارے خلوص کی بدولت ایسی کامیابی ہو جائے کہ آئندہ اس کوشش ہی کی ضرورت نہ رہے۔

مگر میرے نزدیک یہ کام اتنا ضروری ہے کہ اسے ہمیشہ جاری رکھنا چاہئے۔ کیوں کہ مسلمانوں میں بعض جگہ اس قدر جہالت بڑھی ہوئی ہے کہ مُردے تک بلا نماز جنازہ کے دفن کر دیتے ہیں۔

(ضرورت تبلیغ:ص۳۱۸)

جس کے پاس نہ علم ہو، نہ مال وہ کس طرح تبلیغ کرے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک جماعت ایسی بھی تو ہے، جس کے پاس نہ علم ہے نہ مال پھر وہ کیسے اس دعوت میں حصہ لے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر علم اور مال نہیں ہے۔ تو خالی زبان تو ہے اس سے کام کرو۔ باقی یہ کہ زبان سے کیا کام کریں (تو زبان کا کام یہ ہے کہ) زبان سے دعاء کیا کرو۔ کہ اے اللہ اسلام کو عزت دیجئے۔ اے اللہ اسلام کی نصرت کیجئے۔ اور اے اللہ مسلمانوں کے دین کی حفاظت کیجئے۔ اے اللہ حق کو حق اور باطل کو باطل ظاہر کردیجئے۔ اور دین کی برکات کو عام اور تام کردیجئے۔

یہ تو ایسی دعوت ہے کہ اس سے تو کوئی بھی نہیں گیا گذرا۔ (یہ کام تو ہر شخص کرسکتا ہے) مگر افسوس کہ بہتوں سے یہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اصل بات یہ ہے کہ دل میں فکر نہیں۔

www.alislahonline.com

(الدعوت الی اللہ: ص۶۴)

محض دعاء کافی نہیں دعاء کے ساتھ تدبیر بھی ضروری ہے

دعاء تدبیر سے مانع (روکنے والی) نہیں۔ کیوں کہ دعاء میں وہ تدبیریں بھی داخل ہیں (دعاء کی بھی دو قسمیں ہیں) ایک دعاء قولی ہے۔ ایک دعاء فعلی ہے...... تو اب دعاء کے معنی یہ ہوں گے کہ جتنی تدبیریں ہوسکیں سب کرو، اور پھر دعاء بھی کرو۔ اور محض تدبیر پر بھروسہ نہ کرو۔ بھروسہ تو دعاء ہی پر کرو۔ یہ مضمون حدیث شریف کا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ کہ اونٹ باندھ کر توکل کروں یا خدا کے بھروسہ پر کھلا رہنے دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اعقل ثم توکّل" کہ باندھ دو، پھر خدا پر بھروسہ کرو۔ تو یہ ہے توکّل۔ اب اس میں اسی پر نظر کرنا الحاد اور بد دینی ہے۔ اور محض خدا کے بھروسہ پر اسباب کا اختیار نہ کرنا حماقت

اور جہالت ہے اور دونوں کا جمع کرنا عقل اور توکل ہے، یہ ہے توکل کی حقیقت۔

(ضرورت تبلیغ: ص۳۲۶)

آسان ترکیب

جس سے جتنا ہوسکے بس اللہ کا نام لے کر کام شروع کردے۔ گاؤں والوں کو کلمہ پڑھانا۔ نماز سکھادینا تو ایسا کام ہے جو ہر مسلمان تھوڑی سی لیاقت کا بھی کرسکتا ہے۔

(التواصی بالحق: ص۲۱۴)

فصل (۱)

دیہاتوں میں جاجا کر تبلیغ کرنے کی ضرورت

علماء کو چاہئے کہ دیہات والوں کی تعلیم کی طرف توجہ کریں، اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر تم ان کو تعلیم یافتہ بنادو گے تو وہ کسی کے دھوکہ میں نہ آئیں گے ورنہ کوئی دوسرا جاہل واعظ (مبلغ) ان کو بہکادے گا پھر آج جو وقعت تمہاری گاؤں میں ہورہی ہے وہ سب جاتی رہے گی۔ چنانچہ ایسے قصے بہت پیش آتے رہتے ہیں۔ (التبلیغ:ص۱۶۲رج۲۱)

اللہ تعالیٰ معاف کرے! واقعی اب تک ہم اس کام سے غافل تھے اب جو غور کر کے دیکھا جاتا ہے تو حالت یہ ہے کہ بعض دیہات والوں کا اسلام نہایت نازک اور کمزور ہورہا ہے۔ بعض لوگوں کو نماز روزہ کی تو کیا خبر ہوتی ان کو کلمہ تک بھی نہیں آتا، ان لوگوں میں اسلام کی تبلیغ کی سخت ضرورت ہے۔

www.alislahonline.com

خیر اب تک تو جو غفلت ہوئی وہ تو ہو چکی، لیکن آئندہ کے لئے ہم کو ہوشیار ہو جانا چاہئے۔ بحمد اللہ! اس وقت کسی قدر مسلمانوں کو اس کام کی طرف توجہ شروع ہوئی ہے۔

(التواصی بالحق:ص۱۸۹)

افسوس دوسروں کو بھی تو ہم اپنے مذہب میں کیا لاتے، اپنے ہی بھائیوں کو اپنے مذہب میں نہیں رکھ سکتے۔ خدانخواستہ اگر یہی نوبت رہی، تو آج تو نومسلموں پر ان کی کوشش ہے، اگر مخالفین کا حوصلہ بڑھ گیا۔ تو کل وہ پرانے مسلمانوں کو بھی اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ آپ نے قصے سنے ہوں گے کہ بعض پرانے مسلمان عیسائی ہو گئے۔ آریہ ہو گئے، اگرچہ وہ چند ہی سہی۔ اور طمع زر یا طمع زن (یعنی مال وعورت کی لالچ) ہی سے سہی۔ مگر ہمارے رونے کے لئے تو ایک بھائی کا کم ہو جانا بھی کافی ہے۔ (الدعوات الی اللہ:ص۶۱)

دیہاتوں میں جاکر کام کرنے کا طریقہ

اس کام کو اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں اس طرح بیان فرمایا ہے "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ"۔

(اس آیت میں) کام بھی بتلادیا اور کام کرنے کا طریقہ بھی بتلادیا۔ کہ لوگوں کو خوبصورتی، اور نرمی ولطافت سے اللہ کے راستہ کی طرف بلاؤ، اور راہِ راست پر لاؤ۔

یہ ہے وہ کام جو بذریعہ وعظ کے یا بذریعہ مکاتب ومدارس ہونا چاہئے یعنی مبلغین ان ناواقف مسلمانوں کو اسلام کے محاسن اور احکام جاکر سنائیں اور رفتہ رفتہ کچھ مکاتب ومدارس وہاں پر قائم کردیئے جائیں۔

ان میں سے جو طریقہ زیادہ مفید معلوم ہو اسے اختیار کرنا چاہئے، بس یہ تو ہمارا کام ہے اسے پورا کرنے کے بعد نتیجہ خدا کے سپرد کردو۔ (ضرورت تبلیغ:ص۳۱۲)

کفار اور نومسلموں میں تبلیغ کی ضرورت

یہ ہماری کوتاہی ہے کہ ہم لوگوں کو نومسلم کی تعلیم کا اہتمام ہی نہیں۔ شہروں میں مدرسے بھی ہیں، یتیم خانے بھی ہیں، سب کچھ ہے مگر کوئی نومسلم خانہ نہیں ہے۔ اگر کبھی کسی کو مسلمان بھی کیا تو بڑا کام یہ کیا کہ اسے ایک پرچہ لکھ کر دیدیا کہ جا بھائی مانگ اور کھا۔

اگر ایسا ہوتا کہ کم از کم چھ مہینے تو اس کو اپنے پاس رکھتے اور ضروری عقائد اور ضروری اعمال نماز روزہ وغیرہ سکھلاتے تو کیا اچھا ہوتا۔ مگر اس کا ذرا بھی اہتمام نہیں۔ اب تو بس مسلمان بنا کر چھوڑ دیتے ہیں۔

بہرحال انتظام کے ساتھ ایک تنظیم قائم کر کے وہاں ہم کو جانا چاہئے اور کام کرنا چاہئے۔ اگر یہ طریقہ تبلیغ واشاعت کا ہندوستان میں جاری ہو جائے تو پھر اسے امریکہ اور

یورپ تک وسعت دینی چاہئے۔اور وہاں بھی اپنے مبلغین بھیجنا چاہئے۔مگر پہلے ہی دن بہت اونچے نہ اڑو۔پہلے ہندوستان کی تو خبر لو۔(ضرورت تبلیغ:ص۳۲۰)

فتنہ ارتداد کے زمانہ میں تبلیغ

آج کل جو فتنہ ارتداد پھیل رہا ہے اس کے متعلق حق تعالیٰ کا ہم کو تبلیغ کا حکم ہے کہ ان مسلمانوں کو جو فتنہ ارتداد میں پھنسنے والے ہیں، یا ان پر اس کا خطرہ ہے ان کو اسلام کی تبلیغ کریں۔اور اس طرح ان کو ارتداد سے بچائیں۔

تبلیغ ہمارے اوپر فرض ہے۔اصولاً بھی اور فروعاً بھی۔اس کا فرض ہونا تو اسی سے معلوم ہوگیا۔کہ حق تعالیٰ نے جس طرح ہم کو ایمان وعمل صالح کا امر فرمایا ہے۔اسی طرح تواصی بالحق (یعنی حق کی وصیت اور تبلیغ) کا بھی امر فرمایا ہے۔اور اس مجموعہ پر خسارہ سے بچنے کو موقوف کیا ہے۔ (التواصی بالحق:ص۱۵۶)

مرتدین اور نومسلموں میں حضرت تھانویؒ کی تبلیغ کا طریقہ کار

میں ایک دفعہ کانپور گیا تھا تو مجھے معلوم ہوا کہ کانپور کے اطراف میں بعض دیہات میں نومسلم راجپوت مرتد ہونے والے ہیں۔آریہ ان کو بہکا رہے ہیں تو میں نے اپنے احباب میں سے کچھ علماء اور روساء کو ساتھ لیا، اور ''گجنیر'' (ضلع کانپور) میں قیام کیا جو دیہاتوں میں سب سے بڑا گاؤں تھا۔پھر وہاں سے دو، دو، تین، تین عالموں کو متفرق دیہات میں تبلیغ کے لئے بھیجا گیا۔

(ہم لوگوں نے) کھانے پینے کے سامان کے علاوہ خیمہ وڈیرہ وغیرہ کا بھی تمام سامان ساتھ کرلیا، لوگوں کو اس کی اطلاع ہوگئی۔تو اچھا خاصہ مجمع ساتھ ہوگیا۔وہاں پہونچ کر ان کے چودھریوں کو بلایا۔حالت ان کی یہ تھی۔کہ ان کے نام ہندوؤں جیسے تھے۔چنانچہ ایک

www.alislahonline.com

چودھری کا نام نونسنگھ تھا۔اور دوسرے چودھری کا نام ادھار سنگھ تھا۔ان کے سروں پر چوٹی بھی تھی۔

نونسنگھ اور ادھار سنگھ میں سے دونوں کو یکے بعد دیگرے بلایا گیا تاکہ دونوں کے خیالات آزادی سے معلوم ہوسکیں۔

گرمی کا زمانہ تھا۔اس واسطے ان کو شربت پلانا چاہا۔مگر انہوں نے عذر کردیا کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھ کا نہیں کھاتے پیتے۔اور بھی بیہودہ رسمیں معلوم ہوئیں۔جہالت کی یہ حد تھی کہ ان سے پوچھا گیا کہ تم ہندو ہو؟ کہا نہیں۔پوچھا گیا کہ مسلمان ہو؟ جواب دیا نہیں۔کہا گیا آخر کون ہو؟ بتلایا کہ ہم نومسلم ہیں۔

میں نے کہا کہ ہم نے یہ سنا ہے کہ تم آریہ ہونے والے ہو اگر اسلام میں کوئی شبہ ہو دور کرلو۔ایک نے جواب دیا کہ ہم آریہ کیوں ہوتے، ان کے یہاں تو نیوگ کا بڑا فحش (گندہ) طریقہ ہے، جسے کوئی شریف آدمی ہرگز گوارہ نہیں کرسکتا۔پھر ہم نے کہا کہ ہاں بھائی بس، تم مسلمان رہنا۔وہ کہنے لگے کہ ہم مسلمان بھی نہیں ہوتے ہم تو نومسلم ہی اچھے رہیں گے، میں نے کہا اچھا تم نومسلم ہی رہو۔

پھر باتوں باتوں میں بڑے چودھری سے کہا گیا کہ کلمہ بھی آتا ہے؟ کہنے لگا ہاں آتا ہے۔کہا گیا سناؤ۔کہنے لگا۔بس سنومت۔گاؤں کے لوگ یہ کہیں گے کہ بڈھا سٹھیا گیا۔جو کلمہ پڑھت ہے۔ان کو کلمہ پڑھنے سے بھی رکاوٹ تھی۔وہ ایسے مسلمان تھے۔بس اسلام کی چند باتیں ان کے اندر موجود تھیں۔ایک تو یہ ہے وہ ختنہ کراتے تھے۔دوسرے مُردوں کو دفن کرتے تھے۔تیسرے نکاح قاضی سے پڑھواتے تھے۔مگر ساتھ ہی ہندوؤں کی طرح پھیرے بھی کرتے تھے۔

اور ایک بات اسلام کی (ان کے عقیدہ کے مطابق) یہ تھی کہ وہ محرم میں تعزیہ بناتے تھے۔اور اس کو اتنا بڑا اشعار سمجھتے تھے......کہ ادھار سنگھ نے کہا کہ ہم آریہ کیسے بنت۔ہمارے

یہاں تو تاجیہ (تعزیہ) بنت ہے۔ میں نے یہ سن کر کہا کہ دیکھو تعزیہ مت چھوڑنا۔ کہنے لگے جی بھلا اسے ہم کب چھوڑنے لگے۔ بعض علماء کو میری اس بات پر خیال ہوا کہ اس نے ایک بدعت کی اجازت دے دی، میں نے کہا، بس چپکے بیٹھے رہو۔ یہ کانپور لکھنؤ ہی میں بدعت ہے مگر یہاں فرض ہے۔ کیوں کہ اس جگہ تعزیہ ہی ان لوگوں کے دین کا وقایہ (بچانے کا ذریعہ) ہے۔ ابھی تو ان لوگوں کا تعزیہ بناتے رہنا ہی ان کے اسلام کا محافظ ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ پکے مسلمان ہو جائیں گے۔ اس وقت سنت وبدعت کی تعلیم دیدینا۔

اگر کسی جگہ بدعت ہی لوگوں کے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہو جائے تو وہاں اس بدعت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔ جب تک کہ ان کی پوری اصلاح نہ ہو جائے (چونکہ) یہ بدعت ان کے لئے کفر سے وقایہ (محفوظ رہنے کا ذریعہ) ہے۔ اس لئے ان کو اس سے منع کرنا مصلحت نہیں۔

www.alislahonline.com

اس کے بعد عام مجمع میں بیانات ہوئے۔ اور وہاں کے لوگوں کی سمجھ کے مناسب اعلان کے لئے یہ الفاظ تجویز ہوئے، کہ ''مسلمانوں کی کتھا ہوگی'' اور بیان کے لئے ذکر میلاد شریف تجویز ہوا۔ اور شیرینی بھی تقسیم ہوئی اور یہ سب کچھ مقامی رعایت کے سبب ہوا۔

اور جب انہوں نے خوب اچھی طرح وعدہ کرلیا کہ ہم مرتد نہ ہوں گے، تب واپسی ہوئی۔

(خیر الارشاد لحقوق العباد ملحقہ حقوق وفرائض: ص ۲۶۰، اشرف السوانح: ص ۲۳۱ رج ۳)

﴿باب ۶﴾

دعوت وتبلیغ میں مشورہ کی اہمیت وضرورت

ہم لوگ ہوش سے کام نہیں لیتے (بلکہ) جوش سے کام لیتے ہیں پس جوش میں مشورہ کا بھی تو ہوش نہیں رہتا۔ اور جوش بھی فی نفسہٖ بری چیز نہیں۔ جوش تو ہو مگر ہوش کے تابع ہو۔

(آداب التبلیغ: ص ۱۲۴)

صاحبو! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ'' تو ہم کو تو ضرور مشورہ لینا چاہئے۔ یہ سنت نبوی ہے اور ہمارے اکابر کا یہی طرز تھا۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مشورہ کرنے سے خواہ وہ چھوٹوں ہی سے ہو بعض دفعہ کوئی کام کی چیز نکل آتی ہے اور جب بڑے کو چھوٹے سے مشورہ کرنے کا حکم ہے تو چھوٹوں کی بدرجہ اولیٰ بڑوں سے پوچھنا چاہئے۔ پھر جس طرح اپنے اکابر اپنے مقتداء کہیں، اس طرح کرلے، یہ طریقہ ہے کام کرنے کا۔

اہل علم کو بھی چاہئے جو کام کریں، اپنے سے زیادہ عالم سے پوچھ کر کریں۔ بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ بڑوں کو بھی چاہئے کہ چھوٹوں سے مشورہ کرلیا کریں اگر چہ بڑوں کو اکثر چھوٹوں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر کبھی چھوٹوں کو کوئی بات ایسی معلوم ہوتی ہے۔ جو بڑوں کو نہیں معلوم ہوتی۔ گو غالب ایسا نہیں ہوتا ہے۔ اکثر تو بڑوں ہی کو زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی مشورہ کرلینا چاہئے۔ اگر چہ ان کا علم زیادہ نہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ ان کو کوئی خاص مصلحت معلوم ہو۔ کوئی واقعہ معلوم ہو۔ بلکہ بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ واقعات چھوٹوں کو زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ بڑوں کو معلوم نہیں ہوتے اور واقعات کی لاعلمی سے ان کے کمال میں

کوئی نقصان نہیں آتا۔ کیوں کہ واقعات امور غیر مقصود ہوتے ہیں۔ ہاں امور مقصود یعنی احکام کا علم بڑوں کو زیادہ ہوتا ہے۔ اوراس میں ایک بات اور ہے وہ یہ کہ چاہے چھوٹے کے پاس کچھ علم نہ ہو مگر مشورہ سے کم ازکم اتنا فائدہ ہوگا کہ اس سے مزید اطمینان ہوجائے گا۔

(آداب التبلیغ: ص۸۴)

قرآن کی تعلیم

دیکھئے قرآن شریف میں مشورہ کا بھی امر ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" آپ مشورہ کیجئے۔ حضور کو صحابہؓ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔ لیکن یہ حکم نہیں کہ ان کے مشورہ پر عمل کریں۔ بلکہ آگے عمل کے متعلق یہ ارشاد ہے "فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ" کہ مشورہ کے بعد آپ کا جو ارادہ ہوجائے۔ اللہ پر توکل کر کے اس پر عمل کیجئے۔

اہل مشورہ کی رائے کا اتباع ضروری نہیں۔ یعنی جب خود آپ کا قصد ہوجائے، تو آپ خدا پر بھروسہ کر کے اس کام کو کر ڈالیے۔ یہ نہیں فرمایا: "فَإِذَا عَزَمُوْا" کہ وہ جب عزم (ارادہ) کریں یا "فَإِذَا عَزَمُوْا أَكْثَرُهُمْ" کہ ان میں سے اکثر عزم کریں (اس کا اتباع کیجئے)۔

مطلب صرف یہ ہے کہ مشورہ تو ان سے کیجئے اور عزم (وارادہ) اپنا ہو، کہ مشورہ کے بعد جس بات پر آپ کی رائے قرار پائے وہ کیجئے۔ اہل مشورہ کی رائے کا اتباع ضروری نہیں۔ (التبلیغ وعظ احکام المال: ص۱۱۴، ج۱۵)

مشورہ کا مقصد

مشورہ کا حکم محض اس لئے ہے کہ اس کی برکت سے حق واضح ہوجاتا ہے خواہ مشورہ دینے والوں کی رایوں میں سے کسی ایک کا حق ہونا واضح ہوجائے۔ یا سب رایوں کے سننے سے کوئی صورت ذہن میں آجائے جو حق پر ہو۔

www.alislahonline.com

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔

اگر بڑا اپنے چھوٹے سے مشورہ کیا کرے انشاء اللہ غلطیوں سے محفوظ رہے گا۔

اس امت کے چھوٹے بڑے سب کام کے ہیں۔ چھوٹے بڑوں کا اتباع کریں، اور بڑے چھوٹوں سے مشورہ لیں۔ اس رائے کا ماخذ (دلیل) حق تعالیٰ کا ارشاد: "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہؓ سے مشورہ کا حکم ہے۔ (انفاس عیسیٰ: ص۳۱۱، ۴۱۷)

امیر کی ضرورت ومصلحت اور ضروری ہدایت

اس میں بڑی مصلحت ہے کہ رفقاء (تمام ساتھیوں) میں ایک امیر ہو۔ مگر اس کے لئے سلامتی طبیعت شرط ہے۔ اور آج کل طبیعتیں ایسی گندی ہیں۔ کہ جہاں ایک کو امیر بنایا گیا۔ فوراً دوسرا اسیر (قیدی) ہوجاتا ہے۔ یعنی امیر صاحب اس پر جا بے جا (خواہ مخواہ کی) حکومت کرتے ہیں۔ اور مامور (دوسرے ساتھیوں) کو بھی اس کی امارت (امیر بننا) ناگوار ہوتی ہے۔ دوست بن کر تو آج کل ایک دوسرے کا کہنا مان لیتے ہیں۔ مگر محکوم بن کر کہنا نہیں مانتے۔ (التواصی بالحق: ص۲۰۰)

فصل (۱)

نظم وجماعت کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت

بحمداللہ! اس وقت کسی قدر مسلمانوں کو اس کام (تبلیغ) کی طرف توجہ شروع ہوئی ہے۔ مگر ان میں بھی غضب یہ ہے کہ انتظام نہیں ہے، بلکہ محض رسم پرستی ہے...... آگرہ کی طرف بعض اہل باطل نے کچھ مسلموں کو مرتد بنانے کی کوشش کی تھی تو جس کو دیکھو آگرہ ہی میں تبلیغ کرنے جارہا ہے، سب کے سب آگرہ ہی میں آگرے۔

حالانکہ کام کا طریقہ یہ تھا کہ ایک جماعت آگرہ جاتی، دوسری جماعت دوسرے مقامات کی خبر لیتی کہ اور تو کہیں اس قسم کا خطرہ نہیں ہے، مگر ایسا کرنے سے نام نہ ہوتا، کیونکہ آگرہ میں تبلیغ کرنے والے پہونچے ہوئے ہیں، وہاں جائیں گے تو سب کو معلوم ہو جائے گا کہ ہاں یہ بھی تبلیغ کرنے آئے ہیں اور اخباروں میں بھی ان کی آمد شائع ہو جائے گی۔

دوسرے مقامات (علاقوں) میں جانے سے یہ نام نہ ہوگا مگر مسلمان کو تو کام کرنا چاہئے، نام سے کیا لینا۔ اسلام نام ونموں سے نہیں پھیلا، بلکہ کام سے پھیلا ہے۔ اور کام بھی وہ جو خلوص کے ساتھ محض اللہ کے واسطے تھا۔ (التواصی بالحق: ص ۱۹۰)

تبلیغی مرکز قائم کرنے کی ضرورت

(تبلیغی کام کرنے کی) تدبیر یہ ہے کہ ہر ضلع میں ایک مجلسِ تبلیغ قائم کردی جائے۔ جس کا نام وغیرہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نہ عہدہ داروں کے نام مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کی آج کل انجمن کے قوانین اور عہدہ داروں کی فہرست میں تو رجسٹر سیاہ کئے جاتے ہیں، مگر کام نہیں ہوتا، ہم کو کام کرنا چاہئے۔ جتنا جس سے ہو سکے۔ بڑے پیمانے کی فکر نہ کرو،

www.alislahonline.com

چھوٹے ہی پیمانہ پر کام شروع کردو، ہماری حالت یہ ہے کہ یا تو کام کرتے ہیں ٹیپ ٹاپ سے ورنہ کچھ نہیں کرتے۔ یہ بڑی غلطی اور حماقت ہے۔

یاد رکھو! ابتداء ہر کام کی کمزور اور معمولی ہوتی ہے۔ ترقی تدریجاً (آہستہ آہستہ) ہی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ نے اس عالم میں اپنے افعال کو بھی تدریجاً ہی ظاہر کیا ہے کہ اول نطفہ قرار پاتا ہے۔ پھر نو ماہ بعد بچہ پیدا ہوتا ہے، پھر رفتہ رفتہ نشو ونما ہو کر پندرہ برس میں لڑکا بالغ ہوتا ہے، حالانکہ حق تعالیٰ قادر ہیں، کہ ایک ہی منٹ میں سب کچھ کردیں، جیسا کہ جنت میں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا اس عالم میں تدریجاً افعال ظاہر کرنا ہماری تعلیم ہی کے لئے تو ہے۔ کہ تم دنیا میں ابتداء عمل کے ساتھ ہی ترقی وعروج کے طالب نہ ہو بلکہ چھوٹے پیمانے پر ہی کام شروع کردو اور اس میں لگے رہو، رفتہ رفتہ ایک دن عروج وکمال بھی حاصل ہو جائے گا۔ تم سے جتنا کام ہو سکتا ہے اتنا ہی کرنے لگو، تم اسی کے مکلّف ہو، اس سے زیادہ کے مکلّف نہیں، حق تعالیٰ اسی میں برکت دے دیں گے۔

جہاں تبلیغی مرکز نہ ہو وہاں تبلیغی کام کرنے کا طریقہ

یاد رکھو! جوش سے کام نہیں چلتا بلکہ ہوش سے کام چلتا ہے۔ پس جوش اور ہنگامہ کی ضرورت نہیں، ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے، اور اس کا وہی طریقہ ہے۔ کہ جس سے جتنا ہو سکے، بس اللہ کا نام لے کر کام شروع کردے۔ نہ انجمن کی ضرورت ہے، نہ سکریٹری کی، بس دو چار، دس، پانچ آدمی جتنے متفق ہو سکیں، کام شروع کردیں۔

اور اگر کوئی متفق نہ ہو تو تم اکیلے ہی کام شروع کردو، گاؤں والوں کو کلمہ پڑھانا، نماز سکھا دینا تو ایسا کام ہے جو ہر مسلمان تھوڑی سی لیاقت (وصلاحیت) کا بھی کرسکتا ہے۔

(التواصی بالحق: ص ۲۰۳)

ہاں اس کی ضرورت ہے کہ کسی عالم سے جو بستی میں رہتا ہو، مشورہ کرتے رہا کرو، مگر صرف اس سے پوری طرح کام چلنا دشوار ہے۔ بلکہ تبلیغ عام (بطریقہ وعظ) کی بھی ضرورت ہے، جو عالم ہی کرسکتا ہے، کیونکہ بعض جگہ دیہات والوں کو کفار نے شبہات میں ڈال دیا ہے، ان شبہات کا دور کرنا اور جواب دینا بھی ضروری ہے، اور یہ کام ہر شخص کا نہیں، اس لئے اس کی بھی ضرورت ہے، کہ ہر ضلع میں ایک عالم بھی مبلغ ہو، علماء اس کام کے لئے حاضر ہیں۔ اور انشاء اللہ بہت مل جائیں گے، مگر ان سے کام لینے کی صورت یہ ہے کہ پہلے ان کے اہل وعیال کے نفقہ کا بندوبست کردیا جائے۔ کیوں کہ علماء کے پاس روپیہ نہیں ہے اس وقت ہر شخص کسی نہ کسی حیلہ میں لگا ہوا ہے۔ جس میں ان کو معقول تنخواہ مل رہی ہے۔ جس سے ان کے گھر کا خرچ چل رہا ہے۔ اب ان کو اس حیلہ سے چھڑا کر تبلیغ میں جب ہی لگا سکتے ہیں جب کہ پہلے ان کی تنخواہ کا انتظام ہوجائے۔

اس کی آسان تدبیر یہ ہے کہ ہر ضلع میں ایک امیر (مالدار) یا چند امراء یا امراء وغرباء سب مل کر ایک مبلغ کا خرچہ اپنے ذمہ کرلیں، اس صورت میں کسی انجمن یا مرکز سے کوئی واسطہ نہ ہوگا، بلکہ مبلغ سے واسطہ ہوگا......بس سہل صورت یہ ہے کہ ہر ضلع کے مسلمان باہم مل کر ایک مبلغ اپنے ضلع کے واسطے مقرر کرلیں، اور اس کو خود تنخواہ دیا کریں، اور یہ کچھ مشکل نہیں، اگر مسلمانوں کو ضرورت کا احساس ہوجائے، اور اس کی فکر ہوجائے تو ایک مبلغ کی تنخواہ مسلمان بہت سہولیت سے دے سکتے ہیں۔

البتہ اتنی ضرورت پھر بھی ہوگی کہ روپیہ کا انتظام کرکے مبلغ کی تجویز اور راہ عمل کی تحقیق کے لئے کسی ایک عالم کو مشورہ کے واسطے منتخب کرلو، اس کے مشورہ سے مبلغ رکھو، اور اسی کی رائے سے تبلیغ کا طریقہ اختیار کرو، اور مبلغ سے کہہ دو، کہ جس طرح فلاں شخص کہے اس طرح کام کرو، اگر یہ نہ ہوسکے، تو پھر جس عالم یا جس انجمن کے سکریٹری پر اعتماد ہو، اس کے پاس رقم بھیج دو اور لکھ دو کہ اس رقم سے ہمارے ضلع کے واسطے کوئی آدمی تجویز کرکے بھیج دیا

www.alislahonline.com

جائے، اس صورت میں مبلغ کی تنخواہ وغیرہ کا معاملہ اس عالم یا انجمن سے وابستہ ہوگا۔

مگر اب تو غضب یہ ہے کہ مسلمان یوں چاہتے ہیں، کہ علماء خود ہی روپیہ جمع کریں، اور خود ہی مبلغ تجویز کریں، اور سب اپنے گھروں میں بے فکر بیٹھے رہیں۔

صاحبو! علماء اس طرح نہیں کرسکتے، اور جو ایسا کرتے ہیں، اچھا نہیں کرتے، چندہ کرنا علماء کا کام نہیں، یہ کام دنیا والوں کا ہے، اور اس کا انتظام سب مسلمانوں کے ذمہ ہے۔

تنخواہ دار مبلغین مقرر کرنے کی صورتیں

اگر کام کرنا ہو تو میرے نزدیک عام چندہ کرنے کے بجائے اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک شخص ہی ایک ایک مبلغ کی تنخواہ مقرر کردے اور اپنے متعلق انتظام رکھے۔ اور جن کو زیادہ وسعت نہ ہو، وہ دو، دو، چار، چار، دس، دس، پانچ، پانچ ہم خیال اور ہم مشرب مل کر ایک مبلغ کا خرچ برداشت کرلیں۔

اور کسی عالم کو مبلغ مقرر کرلیں، اور حساب وکتاب اپنے ہی متعلق رکھیں، پھر نہ خیانت کا ڈر ہے، نہ غبن کا خوف۔

البتہ مبلغ کسی عالم کی رائے سے منتخب کریں، اس میں خودرائی نہ کریں، کسی عالم سے پوچھ لیں، کہ ہمارے پاس سرمایہ موجود ہے، آپ بتلائیے کون مبلغ اس کام کے لائق ہے۔ آپ تجویز کردیجئے، ہم خود اس کا خرچ دیں گے، یہ صورت بہت اچھی ہے، جس پر مالدار لوگ بغیر کسی انجمن کے واسطے کے خود بھی عمل کرسکتے ہیں، پھر کسی انجمن یا مولوی لیڈر کو گالی بھی نہ دے سکیں گے۔ مگر سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جس سے کام لیا جائے وہ اس کے اہل ہوں، ایسوں کو دین کی خدمت سپرد نہ کرو، جن کو اصلاح کی توفیق نہیں۔

دوسرے کو جو ہدایت کرے گا، پہلے اس کو خود بھی تو متبع شریعت ہونا چاہئے۔

آسان ترکیب یہ ہے کہ علماء سے انتخاب کرائیے عالم کو عالم ہی خوب پہچانتا ہے۔

اب اگر علماء ہی خود انتخاب میں گڑبڑ کریں گے، تو وہ ذمہ دار ہوں گے، اگر وہ بددیانتی کریں گے تو خدا کے یہاں انہیں کی، گردن نپے گی، مگر افسوس ایسا نہیں کیا جاتا، خود عوام کو جو سمجھ میں آتا ہے وہی کرتے ہیں۔ (حقوق وفرائض:ص ۲۷۰)

مبلغین کے تقرر اور فراہمی چندہ کی صورت

ایک صورت چندہ کی یہ ہے کہ عام لوگ چندہ دیں، اور خاص لوگ تبلیغ کا کام کریں، مگر یہ صورت بہت بدنام ہوگئی ہے، اور ہم نے خود اس کو بدنام کیا ہے کہ مخلوق کا روپیہ لے کر کام کچھ بھی نہ کیا، اور روپیہ کھا پی کر سب برابر کردیا، ورنہ یہ صورت بہت اچھی ہے اور آسان بھی۔ تمام مذہبی قومیں اسی طرح کام کررہی ہیں۔ مگر میں اس صورت کی رائے نہیں دیتا۔

میرے نزدیک چندہ کی بہتر صورت یہ ہے کہ ہر رئیس اپنی حیثیت کے موافق ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ رکھ لے، یا چند مالدار مل کر ایک مبلغ کا خرچ اپنے ذمہ رکھ لیں، اور ہر مہینہ اس کو تنخواہ خود دیدیا کریں کسی انجمن وغیرہ میں چندہ دینے کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ مبلغ کا انتظام خود نہ کریں، بلکہ علماء سے مشورہ کرکے کسی کو مقرر کریں لیکن اس کے ساتھ ملازم کا سا برتاؤ نہ کریں، بلکہ اس کو اپنا مخدوم سمجھیں۔

اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو جو انجمنیں تبلیغ کا کام کررہی ہیں، ان ہی کی اعانت مال سے کرتے رہیں، اگر اس کے کارکن خیانت کریں گے خدا کے یہاں بھگتیں گے۔ مگر جس کی خیانت کا علم ہوجائے اس کو پھر چندہ نہ دیں، بلکہ اب اس کو دیں جس کی خیانت کا ابھی علم نہیں۔

اور جو لوگ مالی اعانت نہ کرسکیں وہ دعا کرتے رہیں یہ بھی بڑی امداد ہے، اور جس سے دعا بھی نہ ہوسکے وہ اللہ کے واسطے اس کام میں روڑے تو نہ اٹکائیں۔

(محاسن الاسلام:ص ۲۹۷)

www.alislahonline.com

﴿باب ۷﴾

کام شروع کرنے کا طریقہ

اس کا طریقہ یہی ہے کہ جس سے جتنا ہوسکے بس اللہ کا نام لے کر کام شروع کردے نہ انجمن کی ضرورت ہے نہ سکریٹری کی، بس دو، چار، دس، پانچ آدمی جتنے متفق ہوسکیں کام شروع کردیں، اور اگر کوئی متفق نہ ہو، تو تم اکیلے ہی کام شروع کردو۔

گاؤں والوں کو کلمہ پڑھانا، نماز سکھادینا تو ایسا کام ہے جو ہر مسلمان تھوڑی سی لیاقت کا بھی کرسکتا ہے۔ ہاں اس کی ضرورت ہے کہ کسی عالم سے جو بستی میں رہتا ہو، مشورہ کرتے رہا کرو۔ (التواصی بالحق:ص ۲۰۲)

جو کام شروع کرتا ہے اس کے لئے راستے خودبخود کھل جاتے ہیں

کام شروع کردو، اس کے سب راستے خود کھل جائیں گے۔

جب زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو محل میں بند کردیا تھا، تو اس وقت وہ زلیخا کے پاس سے بھاگے تھے، حالانکہ محل کے سات دروازہ تھے اور ساتوں دروازوں میں زلیخا نے تالے ڈال دیئے تھے۔

اور یہ آپ کو معلوم بھی تھا، مگر چونکہ نبی تھے اس لئے آپ نے یہ سمجھا، کہ گو وہ دروازے مقفل (تالے سے بند) ہیں، مگر جتنا میرا کام ہے وہ تو میں کروں، کم از کم دروازہ تک تو بھاگوں۔ چنانچہ بھاگے، اب جس دروازہ کے پاس پہونچتے تھے، تالا خودبخود ٹوٹ کر گر پڑتا تھا، اسی طرح ساتوں دروازے کھل گئے، اور یہ بچ گئے۔

تو بس تم بھی دوڑو، اور یوں سمجھو، کہ نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے، اسی کے فضل سے سب کچھ ہوگا، بس اعتدال کے ساتھ کام کئے جاؤ۔ (ضرورت تبلیغ:ص ۳۱۳)

فائدہ تو کام کرنے ہی سے ہوتا ہے

فائدہ تو کام کرنے ہی سے ہوتا ہے چاہے تھوڑا ہی ہو، دو، چار آدمی ہی مل کر تبلیغ شروع کردو، اور اپنی قلت (تعداد کی کمی) پر نظر نہ کرو اللہ تعالیٰ نے ایک ذات پاک کے ذریعہ سے اسلام کو عرب سے ساری دنیا میں پہونچایا ہے۔ سو وہ خدا اب بھی موجود ہے تم اسی پر بھروسہ کرکے کام شروع کرو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کی مثال قرآن میں یوں بیان فرمائی ہے: "کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَءَ ہٗ فَآزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ ،فَاسْتَویٰ عَلٰی سُوْقِہٖ.الآیہ"۔

کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بیج زمین میں بویا جائے، تو وہ اوّل اپنی سوئی (پیکہ) کو نکالتا ہے، پھر خدا اس کو پانی، ہوا، اور مٹی وغیرہ سے قوت دیتا ہے تو قوی اور مضبوط ہوکر تنادار سیدھا درخت ہوجاتا ہے۔ سو آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک ذرا سے بیج سے کتنا بڑا درخت پھیلتا ہے جو سارے محلّہ پر سایہ فگن ہوتا ہے۔

جب جمادات میں ادنیٰ تخم کی یہ حالت ہے، تو انسانوں میں ایک دو آدمی اللہ کے بھروسہ پر کام کریں، اور ان کے کام کو ترقی وقوت حاصل ہوجائے تو کیا بعید ہے۔ (التواصی بالحق: ص ۱۹۸)

دعوت وتبلیغ کا مقصد

دعوت وتبلیغ کا مقصد صرف عملی ترویج کے ذریعہ مسلمانوں میں دینی جذبہ پیدا کرنا، اور کامیابی کا راستہ بتلانا ہے جو مسلمانوں کے لئے تعلق مع اللہ میں منحصر ہے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر چھوٹے بڑے حکم کی پوری پابندی کی جائے، تاحد امکان کوئی بات خلاف شرع نہ ہونے پائے، یہی عبدیت کی روح اور مسلمان کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ: ص ۱۹۴)

www.alislahonline.com

تبلیغ کا اصلی مقصد

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تبلیغ سے خاص یہ مقصود نہیں کہ آپ کی حسب دلخواہ مراد پوری ہوجایا کرے کہ سب کے سب ولی اور ابدال بن جائیں، بلکہ تبلیغ سے مقصود خدا تعالیٰ کا قرب اور معیت حاصل کرنا ہے اگر وہ تم کو حاصل ہوجائے تو خواہ ساری عمر میں ایک بھی مسلمان نہ ہو، ایک جگہ بھی کامیابی نہ ہو، کچھ حرج نہیں۔

تبلیغ کی بجا آوری سے خدا کی معیت نصیب ہوگئی، تو یہی کافی ہے اب کسی اور چیز کی ضرورت نہیں، خواہ کوئی بگڑے یا سنورے تم کو اس کی پرواہ نہیں ہونا چاہئے، تبلیغ سے اگر نفع نہ بھی ہو، تو ہمارا کیا بگڑا ہم نے تو اپنا فرض اتار دیا۔

جو کام ہمارے ذمہ تھا وہ ادا کردیا۔ اب نفع ہو یا نہ ہو، وہ جانیں اور ان کا کام۔ ہمیں اس سے کیا بحث۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۷۶)

دو نیت سے تبلیغ کرنا چاہئے

قرآن مجید میں حکایت ہے "وَاِذْقَالَتْ اُمَّۃٌ مِّنْھُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَانِ اللّٰہِ مُھْلِکُھُمْ اَوْمُعَذِّبُھُمْ عَذَابًا شَدِیْداً" (پ ۹، سورہ اعراف) کہ اصحاب السّبت میں سے ایک جماعت نے دوسری جماعت سے کہا، کہ تم ایسی جماعت کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو خدا تعالیٰ ہلاک کرنے والے ہیں یا جن پر شدید عذاب نازل فرمانے والے ہیں۔

ایسے لوگوں کو خطاب کرنے سے کیا فائدہ؟ "قَالُوْمَعْذِرَۃً اِلٰی رَبِّکُمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ" "انہوں نے کہا کہ صاحب ہم اس لئے نصیحت کرتے ہیں تاکہ تمہارے لئے خدا کے نزدیک ایک عذر ہو، کہ یا اللہ ہم نے تو کہا تھا (منع کیا تھا) انہوں نے مانا نہیں، جو ہمارا کام تھا وہ ہم نے ادا کردیا تھا ایک تو یہ بات ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے "لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ" کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ

ڈریں، شاید ان میں سے کسی کو ہدایت ہوجائے، کیوں کہ نرمی کے ساتھ سمجھانے سے امید تو ہے ان کے ایمان کی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں یہ حکایت قرآن پاک میں ہے (اس سے معلوم ہوا کہ) بس یہی دونیتیں آپ بھی تبلیغ میں رکھئے، ایک معذرت عند اللہ، (اللہ کے پاس عذر وحجت) دوسرے ان کے ایمان (وہدایت) کی توقع، جن میں سے پہلا مقصد تو قطعی حاصل ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ دوسرا بھی حاصل ہوجائے گا۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۷۷)

خصوصی ملاقات کی ضرورت، اور اس کا طریقہ

صرف وعظ (وتبلیغ) ہی پر اکتفا نہ کرو، کیوں کہ وعظ میں صرف وہی لوگ آتے ہیں جو پہلے سے کچھ دیندار ہیں۔ اور ضرورت سب کو دیندار بنانے کی ہے، اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

جو مسلمان نماز نہیں پڑھتے، مسجد میں نہیں آتے، ان کے مکان پر چند واقف مخلص احباب کو ساتھ لے کر جائے، اور[1] نرمی کے ساتھ پہلے صاحب خانہ کا کلمہ سنے، پھر اسی کے واسطے سے گھر والوں کا کلمہ ٹھیک کیا جائے پھر سب کو نماز کی تاکید کی جائے۔

اسی طرح سب بے نمازیوں کے مکان پر جایا جائے۔ اور ہر بستی میں ایک یا متعدد جماعتیں مخلص ومستعد دینداروں کی، ماتحتی میں قائم کردی جائیں، جو برابر اسی طرح لوگوں کے مکانوں پر جا کر کلمہ سکھانے اور بے نمازیوں کو نمازی بنانے کی کوشش کرتی رہیں۔

اور اس خطاب خاص میں کلمہ کی تلقین اور نماز کی تاکید کے سوا اور کچھ نہ کہا جائے۔ باقی احکام کے لئے عام وعظ کو کافی سمجھا جائے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ: ص۱۹۰)

[1] ایک شکل یہ بھی ہے کہ اہل خانہ کو مسجد ہی میں آنے کی دعوت دی جائے، اور مسجد ہی میں کلمہ وغیرہ کی تعلیم دی جائے، جیسا کہ مروّج ہے، یہ طریقہ زیادہ بہتر ہے۔ نیز تجربہ سے مفید بھی ثابت ہوا ہے۔
الغرض: جیسا موقع ہو، وہی صورت اختیار کی جائے۔ (مرتب)

www.alislahonline.com

ہر شخص کے کام کی ترتیب اس طرح ہونا چاہئے

اصل ترتیب یہی ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرو، پھر دوسرے کی۔ پھر دوسروں کی اصلاح میں بھی پہلے اپنے گھر کی اصلاح کرے، پھر نوکر چاکر کی، پھر اپنے ہم وطنوں کی، پھر ان میں جو کافر ہوں، ان کو اسلام کی ترغیب دو، ان کو اسلام کے محاسن سے مطلع کرو، مگر طعن وتشنیع مت کرو۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۱۴۰)

اور اس بلا میں ہم لوگ بہت گرفتار ہیں کہ ہمارے ملنے والوں میں بعض لوگ معصیت میں مبتلا ہیں اور ہم ان سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں اور ملتے ملاتے ہیں، البتہ ایک صورت میں اس کی اجازت ہے وہ یہ کہ کسی پر تشدد (سختی) یا قطع تعلق کرنے میں مفسدہ یا اس کی طرف سے نقصان کا اندیشہ ہو، اور اپنے اندر تحمل کی طاقت نہ ہو، اس میں سکوت کی اجازت ہے۔ باقی جس کو ہمت نہ ہو، اس کو اجازت نہیں، بلکہ اس کے لئے وہی حکم ہے۔

"وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ"۔

یعنی اس کو چاہئے کہ صاف صاف امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرے، اور جو خطرہ پیش آئے اس کا تحمل کرے۔ (اصلاح ذات البین: ص۲۵، تجدید: ص۲۴۲)

پس ہم کو نہ مخاطب کی کسی ناگواری کی پرواہ کرنا چاہئے، اور نہ اس ناگواری کی وجہ سے تبلیغ میں کوتاہی کرنی چاہئے۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ: ص۲۳۶)

فصل

اپنی اصلاح نہ ہونے اور خود عامل نہ ہونے کے باوجود دوسرے کو تبلیغ واصلاح کرنا واجب ہے

یہ مطلب نہیں کہ اگر اپنی اصلاح نہ کرے۔ تو دوسرے کی بھی اصلاح واجب نہیں۔

بلکہ یہ تو محض عملی ترتیب ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرنا چاہئے پھر دوسرے کی کرے، یہ نہیں کہ اگر مقدم کام نہ کیا، تو موخر کو بھی نہ کرے کیوں کہ دراصل یہ دو کام الگ الگ ہیں۔ ایک دوسرے پر موقوف نہیں ایک کو بھی ترک کرے گا، تو اس ایک کے ترک کا گناہ ہوگا، اور دونوں کو ترک کرے گا، تو دونوں کے ترک کا گناہ ہوگا، یہ تو غلطی ہے کہ اپنی اصلاح نہ ہو، تو دوسروں کو بھی تنبیہ نہ کرے۔

(ضرورت تبلیغ: ص ۲۹۹)

اور غالب حالت یہی ہے کہ جس میں حیا وشرم کا مادہ ہوتا ہے وہ دوسروں کی تربیت کرتے ہوئے اپنی اصلاح بھی ضرور کر لیتا ہے...... اسی لئے بعض لوگوں کا طرز عمل دیکھا گیا ہے، کہ جس کام کی ان کو ہمت نہیں ہوتی اس کے بارے میں ایک دو دفعہ وعظ کہہ دیئے جس سے شرما کر بہت جلد خود بھی عامل ہو گئے۔ (حقوق وفرائض: ص ۹۶، وعظ العبد الربانی)

وعظ (وتبلیغ) کی ایک خاص برکت ہے کہ اگر کسی رذیلہ (روحانی مرض) سے بچنے کی ہمت نہ ہو، اور وعظ میں اس سے دوسروں کو روک دیا جائے تو خود بھی طبیعت میں اس سے رکنے کی ہمت ہو جاتی ہے۔

(کلمۃ الحق: ص ۱۱۶)

www.alislahonline.com

اپنی اور دوسروں کی اصلاح ساتھ ساتھ کرتے رہو

میں کہتا ہوں کہ سب سے پہلے اپنی اصلاح کرو، مگر یہ نہیں کہ اپنی اصلاح کے انتظار میں دوسرے کو نصیحت نہ کرو، بلکہ دوش بدوش دونوں کام کرو، اگر ایک ہی طرف لگ جاؤ گے تو ممکن ہے کہ دوسرے کے مرض کو قوت ہو جائے۔

پہلے بزرگوں میں اختلاف تھا، کہ پہلے تحلیہ (یعنی نور باطن سے متصف...... ہونا چاہئے) یا تخلیہ (یعنی گناہوں اور رذائل سے صفائی پہلے ہونا چاہئے) دونوں کے پاس دلائل موجود ہیں، مگر آج کل محققین نے اس طرز کو بدل دیا ہے کسی کو مقدم یا موخر نہیں کیا، بلکہ دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا ہے، اب اتنی قوت کہاں، اتنا زمانہ کہاں ملتا ہے کہ ایک کو الگ دوسرے کو الگ حاصل کیا جائے۔

غرض اصلاح نفس واصلاح غیر (یعنی اپنی اور دوسروں کی اصلاح) ساتھ ساتھ کرتے رہو۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۱۳۳ ر ج ۲)

الغرض پہلے اپنی اصلاح کی فکر ہونی چاہئے، اور اگر اپنی تربیت کی فرصت نہ ہو، تو یہ دونوں کام ساتھ ساتھ ہونا چاہئے، مگر اس کے جمع کرنے کا طریقہ کسی بزرگ سے پوچھ لو، چاہے اس کے مرید نہ ہو، میں مرید ہونے کو نہیں کہتا بلکہ ان سے مشورہ لینے کو کہتا ہوں۔ کیوں کہ اس کام کی اونچ نیچ، نشیب وفراز کو وہ خوب سمجھتے ہیں، جہاں ان کا ذہن پہنچ سکتا ہے وہاں تک تمہاری عقل کی رسائی نہیں ہوگی، پس جیسے کسی طبیب سے نسخہ لکھوا لیتے ہو۔ اسی طرح شیخ سے پوچھ کر کام کرو، مرید تو نہ ہو، مگر اس کے اتباع کو ویسا ہی لازم سمجھو، جیسے پیر کے حکم کو لازم سمجھتے ہو۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۱۴۰)

ایک غلط استدلال اوراس کا جواب

بعض لوگ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:"اَتَــأمُــرُوْنَ الــنَّـــاسَ بِــالْبِـرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ " (کیاتم دوسرے کونیکی کاحکم کرتے ہو،اوراپنے کوبھولے ہوئے ہو)وہ اس سے یہی سمجھے کہ اگر اپنی اصلاح نہ کرے تو دوسروں کی بھی اصلاح نہ کرے، کیونکہ "اَتَاْمُرُوْنَ" میں ہمزہ انکار کیلئے داخل ہواہےتو"اَمْرِ بِالْبِرِّ " (یعنی اچھی بات کاحکم کرنا)منکر ہوا۔یعنی جس حالت میں تم اپنے نفسوں کو بھولے ہوئے ہو،لوگوں کوامر بالبر(اچھی بات کا حکم) کیوں کرتے ہو۔

مگر یہ محض غلط ہے بلکہ ہمزہ مجموعہ پرداخل ہواہے،اورانکار مجموعہ کے دوسرے جزاء کے اعتبار سے ہے کہ اپنے کواصلاح میں بھلانانہیں چاہئے۔(ضرورت تبلیغ:ص۲۹۹)

اس کے معنی یہ نہیں کہ "نــاسـی نفــس"یعنی بدعمل کووعظ(تبلیغ) کی ممانعت کی گئی ہے۔بلکہ واعظ کونسیان نفس(یعنی اپنے نفس کو بھولنے) کی ممانعت کی گئی ہے کہ وعظ توکہو،مگر بدعمل مت بنو،بلکہ جونصیحت دوسروں کوکرتے ہووہ اپنے نفس کوبھی کرو،اوراس کوبھی عمل کراؤ۔
(التبلیغ:ص۴۰،۲۰)

ایک اورغلط استدلال اوراس کا جواب

اب ایک دوسری آیت کا مطلب بھی سنئے جس سے ان لوگوں نے اس پر استدلال کیاہے کہ بےعمل کووعظ ونصیحت نہ کرنا چاہئے،وہ یہ ہے:

"لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ "۔

ترجمہ: کہ تم وہ باتیں کہتے ہوجوکرتے نہیں،خداکے نزدیک نہایت مبغوض ہے کہ جوکام خودنہ کرو،اسے کہو۔

www.alislahonline.com

دراصل یہ لوگ محض ترجمہ دیکھنے سے دھوکہ میں پڑگئے،ترجمہ سے یہ سمجھے کہ مطلب یہ ہے کہ جوکام خودنہ کرے وہ دوسروں کوبھی کرنے کونہ کہے،حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔تفسیر میں اسباب نزول سے آیات کے صحیح مطلب کا پتہ چلتا ہے۔چنانچہ اس کا سبب نزول یہ ہے،کہ بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اگر ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ کون سی عبادت سب سے زیادہ خدا کو پسند ہےتو ہم دل وجان سے اس کوخوب بجالائیں گے۔اس پر ارشاد ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ خدا کو بہت پسند ہے۔بس یہ سن کربعضوں کا خون خشک ہوگیا،ان لوگوں کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ ایسی باتوں کادعویٰ یاوعدہ کیوں کرتے ہو،جنہیں تم پورانہیں کرسکتے۔

تو یہاں پر"لِمَ تَقُوْلُوْنَ " سے "لِـمَ تَـنْـصِحُونَ غَیْرَکُمْ"(یعنی اپنے غیر کو نصیحت کیوں کرتے ہو؟) قول امری وانشائی مرادنہیں، بلکہ قول خبری وادّعائی (یعنی دعویٰ کرنا)مراد ہے۔

حاصل یہ کہ آیت دعویٰ کے باب میں ہے دعوت کے باب میں نہیں۔اس کے شان نزول معلوم ہوجانے کے بعد سمجھ میں آگیا ہوگا،کہ اس آیت کوامر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ممانعت سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

(ضرورت تبلیغ:ص۳۰۰)

غرض واجب تو دوسرے کی بھی اصلاح ہے مگر اپنی اصلاح اس پر مقدم ہے۔
(ضرورت تبلیغ:ص۳۰۰)

﴿باب ۸﴾

تبلیغی کام کرنے والوں کے لئے ضروری

دستور العمل اور اہم ہدایات

(۱) ہر شخص پہلے دین میں خود پختہ اور مضبوط ہو، احکام پر عمل کرنے میں، اور دوسروں تک پہونچانے میں نہ کسی سے مرعوب ہو، نہ کسی کی مروت وتعلق کی پرواہ کرے، اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہے جس کے لئے احکام اللہ کو ترک کیا جائے۔

(۲) ہر شخص کو چاہئے کہ کسی جلسہ ومجلس کو احکام الٰہیہ کے پہونچانے سے خالی نہ رکھے۔

(۳) جب کسی دنیاوی غرض، تجارت، ملازمت، وغیرہ کے سلسلہ میں بھی کسی سے ملنا ہو، تو حسب موقع باتوں باتوں میں کلمہ حق ضرور پہنچا دیا جائے۔

(۴) رات دن میں کوئی وقت اس کام کے لئے بھی نکالا جائے، جس میں بندگان خدا یعنی مسلم غیر مسلموں کو اسلامی احکام پہنچائے جائیں اور برے کاموں سے روکا جائے۔

(۵) احکام کے پہونچانے میں ہمیشہ نرم ہونا چاہئے، البتہ جن پر اپنی حکومت ہے، جیسے بیوی، بچے، نوکر، شاگرد وغیرہ، ان کو پہلے نرمی سے نصیحت کی جائے۔ پھر بتدریج (یعنی آہستہ آہستہ) سختی سے سمجھایا جائے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ:ص ۱۷۸)

(۶) باریک واختلافی مسائل میں دخل نہ دے، کیوں کہ یہ علماء کا کام ہے، سختی کا جواب سختی سے نہ دے، صبر وتحمل سے کام لے۔ (ص ۱۷۸)

(۷) بلاضرورت اختلافی مسائل بیان نہ کرے اور اگر ضرورت ہی پڑ جائے تو

www.alislahonline.com

عنوان نرم اور سہل ہو۔ اگر کسی شخص کا نام لینا پڑے تو اس کے متعلق کوئی سخت کلمہ نہ کہے۔ بس متانت وسنجیدگی سے شبہ حل کر دے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

(۸) عام طور پر کسی کی دعوت قبول نہ کریں۔ البتہ داعی (دعوت کرنیوالا) اگر پہلے سے جانا پہچانا اور مخلص ہو تو کوئی مضائقہ نہیں یا جانا پہچانا تو نہ ہو، مگر قرائن سے اس کا مخلص ہونا دل کو لگتا ہو، تو بھی مضائقہ نہیں۔ لیکن از قسم ہدیہ، نقد وغیر نقد ہرگز قبول نہ کرے۔

(۹) کسی مدرسہ وانجمن کے لئے ہرگز چندہ کی ترغیب نہ دے، بلا ترغیب کوئی دے تب بھی انکار کر دے۔ پھر بھی نہ مانے تو کہہ دے۔ کہ براہ راست مرکز میں بھیج دو، میں نہیں لیتا۔

(۱۰) سیاسی امور یا کسی کے ذاتی معاملات کے فیصلہ میں دخل نہ دے اگر اس کی درخواست بھی کی جائے تو صاف انکار کر دے۔

(۱۱) کسی کو تعویذ گنڈہ یا بیعت لینے سے قطعاً منع کر دیا جائے، اگر چہ وہ اس کا اہل بھی ہو۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ:ص ۱۸۹)

درجہ بدرجہ تبلیغ

جن امور کی تبلیغ کی جائے اس کی ترتیب

(۱) جن کو کلمہ نہ معلوم ہو ان کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سکھایا جائے، اور اس کے معنی سمجھائے جائیں۔

(۲) جن کو کلمہ معلوم ہو ان کو اس کے معنی سمجھائے جائیں۔ اور کہا جائے کہ رات دن میں کم از کم سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ، اور اس کے ساتھ کبھی کبھی محمد رسول اللہ ضرور پڑھ لیا کریں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ **لا الہ الا اللہ** کہہ کر اپنا ایمان تازہ کرتے رہا کرو۔

(۳) جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ہیں ان کو نماز کی پابندی، اور مردوں کو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی تاکید کی جائے، اور جن کو نماز کا طریقہ نہ معلوم ہو، ان کو سکھلا دیا جائے، اور ممکن ہو، تو پوری نماز کا ترجمہ بھی یاد کرا دیا جائے۔ یعنی "سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ" سے لے کر "اَلتَّحِیَّاتُ" اور درود شریف تک۔

اور وضو اور پاکی اور ناپاکی کے مسائل سے وقتاً فوقتاً آگاہ کیا جائے۔

(۴) جن پر زکوۃ فرض ہے ان کو زکوۃ ادا کرنے کی تاکید کی جائے، جن پر قربانی واجب ہے ان کو قربانی کی ترغیب دی جائے۔

(۵) رمضان شریف کے روزے کی تاکید کی جائے۔

(۶) جن پر حج فرض ہے ان کو حج کی تاکید کی جائے۔

www.alislahonline.com

(۷) ہر بستی میں قرآن شریف کی تعلیم کے مکاتب ضرور ہونا چاہئے، جن میں قرآن کی تعلیم کے ساتھ اردو کے دینی رسالے (مثلاً) بہشتی زیور، بہشتی گوہر، راہ نجات وغیرہ بھی پڑھائی جائیں، تاکہ بچوں کو ضروری احکام کی اطلاع ہو۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ: ص۱۸۰)

(۸) سب مسلمانوں کو باہم اتحاد واتفاق سے رہنے، اور گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا بند کرنے کی تاکید کی جائے۔

(۹) بستی کے کسی بااثر دیندار کو، یا چند بااثر دینداروں کی جماعت کو اپنا بڑا (امیر) بنالینا چاہئے، جن کا کام یہ ہو کہ لوگوں میں اتحاد واتفاق قائم رکھیں، اور امور مذکورہ بالا (جن کا تذکرہ اوپر ہوا) کو رواج دیں۔ اور جب کسی معاملہ میں جھگڑا ہو، اس کا شریعت کے مطابق علماء سے پوچھ کر فیصلہ کر دیں، اور سب اسی فیصلہ کی تائید کریں۔

(۱۰) جھوٹ، غیبت، حسد وکینہ، دشمنی، کسی کی بے جا طرفداری کرنا، چغلخوری کرنا، بدنگاہی، بے پردگی، شراب نوشی، لڑکوں سے ناجائز تعلقات سودی لین دین، بیکاری، آوارہ گردی کا انسداد (بندش) کریں۔

سچ بولنے اور باہم تواضع ومحبت کا برتاؤ کرنے، عدل وانصاف پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنے، اور جائز ذرائع معاش میں لگے رہنے، کفایت شعاری، اور آمدنی سے زیادہ خرچ نہ کرنے کی بہت تاکید کریں، تنگی برداشت کریں، اور حتی المقدور (اپنی کوشش بھر) زیادہ خرچ نہ کریں۔

(۱۱) تقریبات (شادی بیاہ) اور روزمرہ کے خرچ میں کفایت کرنے والے پر طعن وتشنیع نہ کریں، بلکہ اس کی ترغیب دیتے رہیں، اور حوصلہ افزائی کرتے رہیں۔

(۱۲) کسی جائز پیشہ کو عار نہ سمجھیں، بیکاری، اور رسوائی کی ذلت کے مقابلہ میں گھاس کھودنے کو ترجیح دیں، اور نیک عمل اختیار کرنے کی خود بھی کوشش کریں، اور دوسروں کو بھی تاکید کرتے رہیں۔

(۱۳) (دینی کتابیں) حیاۃ المسلمین، تبلیغ دین، تعلیم الدین، محاسن اسلام، بہشتی زیور، کو مطالعہ میں رکھیں، اور وقتاً فوقتاً کے مضامین دوستوں اور ملنے والوں اور سب بندگان خدا کو پہنچاتے رہیں۔

(۱۴) جو علماء کسی دینی خدمت، درس تدریس، تصنیف وتالیف وغیرہ میں مشغول ہیں، وہ بھی اپنے ملنے جلنے میں خدا کے بندوں کو احکام پہنچانے میں سستی نہ کریں۔ اور فرصت کے اوقات، جیسے جمعہ کی چھٹی طویل رخصت کا زمانہ ہے، اس میں وعظ نصیحت کے ذریعہ بندگان خدا کو احکام اسلام پہونچانا اپنا فریضہ جانیں۔

(۱۵) میں اپنے ساتھ خاص تعلق رکھنے والوں کو خاص طور پر مکرر تاکید کرتا ہوں کہ امور مذکورہ بالا کی پوری پابندی کریں۔ اور اس میں کوتاہی ہرگز نہ کریں، اور تمام اہل اسلام سے بھی یہی درخواست کرتا ہوں کہ اس دستور العمل کو حرز جان بنا کر ہر شخص اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے آمادہ ہو جائے۔

اور اس دستور العمل کو چند روز تک نہیں، ہمیشہ ہمیشہ قائم وجاری رکھیں۔

مصائب وپریشانیوں کا مسئلہ جو اس وقت مسلمانوں کے سامنے ہے بہت جلد خاتمہ ہوجائے گا۔اور نصرت الٰہی ان کے ساتھ ہوگی۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ:ص۱۸۰،۱۸۱)

دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے چند مفید نصیحتیں

(۱) گذشتہ تمام دفعات نہایت خلوص واستقلال کے ساتھ ہمیشہ پابندی سے کرتے رہیں، اور ہر امر میں مقصود اصلی رضائے حق ہو، اور اس استقلال اور ہمت کے ساتھ ہی دعاء وابتہال کو اصل وظیفہ وتدبیر سمجھیں۔

(۲) جہاں تک ہوسکے قرآن شریف کا ترجمہ سننے کا بھی اہتمام کریں۔

(۳) مسلمان کا فرض ہے کہ ہر موقع پر جذبات کو شریعت کے تابع رکھے۔

(۴) اسلامی اخلاق کو اپنا شعار بنائے۔وضع ومعاشرت کو بالکل شریعت مقدسہ کے موافق رکھے۔نہ انگریزوں کی تقلید کرے۔نہ ہندوؤں کی نہ کسی اور کی۔

(۵) انبیاء علیہم السلام کا مسنون طریقہ تھا کہ ہاتھ میں لاٹھی رکھتے تھے اس واسطے سب مسلمانوں کو اس پر کاربند رہنا چاہئے۔

(۶) خدمت خلق کا خیال رکھیں، محنت وجفاکشی کی عادت کیلئے ورزش بھی کیا کریں، نیز لکڑی وغیرہ چلانا بھی سیکھیں۔اور سادہ وسپاہیانہ زندگی بسر کریں، یہ مطلب نہیں کہ خواہ مخواہ کسی سے لڑیں۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ آرام طلبی میں نہ پڑیں۔مخدوم نہ بنیں، خادم بننے کی کوشش کریں۔

(۷) اگر کسی انسان بالخصوص مسلمان کی مدد کرنے کی ضرورت ہو، تو مظلوم کی امداد کو لازم جانیں۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ)

www.alislahonline.com

وعظ وتبلیغ میں چندہ ہرگز مت کرو

خدا کے لئے تبلیغ میں تو چندہ کا نام ہی نہ لو۔لوگ اس سے بہت گھبرا گئے ہیں۔ان کے خیالات خراب ہوگئے ہیں۔کیونکہ بہت سے لوگ انجمنوں اور مساجد کے نام پر چندہ لے کر کھا گئے۔اس سے لوگ بدظن ہوگئے کہ ہر جگہ چندہ، ہر جگہ چندہ، لکچر ختم نہیں ہونے پاتا کہ چندہ لاؤ۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۸۲)

جو مولوی (وعظ ومبلغ) وعظ کہہ کر نذرانہ قبول کرتے ہیں یا چندہ وصول کرتے ہیں۔ان کے وعظ ونصیحت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

(حسن العزیز)

﴿باب ۹﴾

تبلیغ یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہونے کے شرائط

تبلیغ یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے۔

(۱) بشرطیکہ مخاطب کو حق نہ پہونچا ہو۔

(۲) اور گمان غالب ہو کہ میرے تبلیغ کرنے سے مجھے ایسا کوئی ضرر (نقصان) بھی نہ ہوگا۔ جس کو میں برداشت نہ کرسکوں گا، ایسی حالت میں بمقتضائے حدیث ''مَنْ رَّایٰ مِنْکُمْ مُنْکَرًا'' الخ تبلیغ کرنا واجب ہے۔

اور جہاں قدرت نہ ہو یا جس کو تبلیغ کررہا ہے اس کی طرف سے ضرر کا خطرہ ہو، وہاں واجب نہیں۔

اسی طرح اگر ضرر کا تو خوف نہیں، لیکن یہ اندیشہ ہو کہ وہ شخص مثلاً شریعت کو گالیاں بکنے لگے گا، تو ایسی حالت میں تبلیغ نہ کرے۔ (الکلام الحسن: ص ۱۵)

علم کی شرط

منجملہ شرائط (تبلیغ) کے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اس امر کے متعلق (جس کی تبلیغ کررہا ہے) شریعت کا پورا حکم اس کو معلوم ہو۔

اور علم کی شرط ہونے سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ آج کل جو اکثر جاہل یا کالجاہل وعظ کہتے پھرتے ہیں اور بے دھڑک روایات واحکام بلاتحقیق بیان کرتے ہیں، سخت گنہگار ہوتے ہیں اور سامعین کو بھی ان کا وعظ سننا جائز نہیں۔ (بیان القرآن: ص ۴۵ رج ۲، آل عمران)

جاہل کو امر بالمعروف جائز نہیں، کیوں کہ وہ اصلاح سے زیادہ فساد کرے گا، جیسے مکہ

www.alislahonline.com

میں ایک جاہل نے مجھے امر بالمعروف کیا، کہ تم عمامہ کیوں نہیں باندھتے؟ یہ سنت ہے میں نے کہا، کہ تم پائجامہ کی جگہ لنگی کیوں نہیں باندھتے۔ یہ سنت ہے، غرضیکہ سنت زائدہ (جن کا تعلق عادت سے ہے) اس کے لئے اس سختی کے ساتھ امر کرنا جائز نہیں۔ (انفاس عیسیٰ: ص ۲۸۰ رج ۱)

مخاطب کو حق نہ پہنچنے کی شرط

تبلیغ یعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر واجب ہے بشرطیکہ مخاطب کو حق نہ پہونچا ہو۔ (الکلام الحسن: ص ۱۵)

فقہاء نے کتاب السیر میں تصریح فرمادی ہے۔ اور عقل میں بھی یہ بات آتی ہے کہ جہاں اسلام واحکام پہنچ گئے ہوں وہاں تبلیغ واجب نہیں البتہ مندوب ہے۔ (حقوق العلم: ص ۵۰)

انبیاء علیہم السلام پر تو تبلیغ واجب تھی، اور ہم پر اکثر مواقع میں تبلیغ واجب نہیں مستحب ہے۔ اور واجب کو کسی حالت میں ترک نہیں کیا جاتا، البتہ جہاں تبلیغ نہ ہوئی ہو وہاں وہی طرز اختیار کرنا چاہئے۔ جو حضرات انبیاء علیہم السلام کا تھا کہ ہمت ہو تو اگر قتل بھی ہوجائے تب بھی پرواہ نہ کرے۔ کیوں کہ وہاں تبلیغ واجب ہے اور جہاں تبلیغ ہوگئی ہو، اس جگہ تبلیغ مستحب ہے۔ وہاں ان مفاسد کو گوارہ نہیں کیا جاسکتا۔

اور ان مفاسد کا حاصل یہی ہے کہ دین اور اہل دین کی ذلت پس ایسے مواقع پر اگر کوئی ذرا بے اعتنائی کرے، فوراً چلا آنا چاہئے۔ اب لوگ ان مراتب میں فرق ہی نہیں کرتے۔ (القول الجلیل)

یاجوج ماجوج کو تبلیغ ہوچکی ہے اسلئے ان کو تبلیغ کرنا فرض نہیں

فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے سنا ہے کہ یاجوج ماجوج کو تبلیغ ہوچکی ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ رات بھر دیوار چاٹتے ہیں، اور کھودتے ہیں جو ان کے

درمیان حائل ہے، جب وقت آئے گا، تو وہ یہ کہیں گے کہ انشاء اللہ کل اس کو ختم کردیں گے ۔انشاء اللہ کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اللہ کا نام معلوم ہے اور تبلیغ ہوچکی ہے۔ یہ نئی بات معلوم ہوئی پہلے سے معلوم نہ تھی۔ (ملفوظات اشرفیہ:ص۲۶۰،مطبوعہ پاکستان)

موقع شناسی ومزاج شناسی کی شرط

امر بالمعروف میں یہ بھی شرط ہے کہ ایسا وقت اور موقع تجویز کرے جس میں مخاطب کے قبول کی امید ہو۔ (انفاس عیسیٰ:ص۳۸۱رج۱)

(اسی لئے) اگر ضرر کا تو خوف نہ ہو، لیکن یہ اندیشہ ہو کہ وہ شخص مثلاً شریعت کو گالیاں بکنے لگے گا۔ تو ایسی حالت میں بھی تبلیغ نہ کرے۔ (الکلام الحسن:ص۱۵)

www.alislahonline.com

میں ایک مرتبہ ریل میں سفر کررہا تھا ہر موقع پر خیال رہتا تھا کہ لوگوں کو تبلیغ کرنا چاہئے۔ ایک شخص ریل میں تھا، اس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے تھا، میں نے اس سے کہا کہ بھائی یہ شریعت کے خلاف ہے، اس کو درست کرلینا۔ اس نے چھوٹتے ہی شریعت کو گالی دی، اس روز سے میں نے بلا ضرورت لوگوں کو کہنا چھوڑ دیا کہ ابھی تک تو گناہ ہی تھا، اور اب اس صورت میں کفر تک کی نوبت آگئی۔ (الافاضات الیومیہ:ص۳۸رج۲)

مخاطب کے مزاج اور موقع محل کی رعایت کے بغیر امر بالمعروف کرنے کا نتیجہ

میں ایک دفعہ (مخاطب کے مزاج کی شناخت اور رعایت کئے بغیر امر بالمعروف) کہہ کر بہت پچھتایا۔

ایک صاحب خلاف شرع وضع بنائے ہوئے ریل میں بیٹھے تھے۔ میں نے کہا کہ

یہ وضع شریعت کے خلاف ہے۔ اس نے کہا کہ شریعت کی یوں کی یوں۔ یعنی ماں کی گالی دی۔ میں بہت پچھتایا، کہ اتنا فحش آدمی ہے۔ میں نے اس سے کیوں کہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شریعت کی گستاخی ان ناصحین کی بدولت ہوئی ہے۔ یہ خواہ مخواہ انہیں چھیڑتے ہیں۔ اور خود بھی برا بنتے ہیں۔ اور شریعت کو بھی برا کہلواتے ہیں۔ (التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ:ص۳۸۵)

فتنہ وفساد نہ ہونے کی شرط

امر بالمعروف کرو مگر تکبر کے طور پر نہ کرو اس سے اور فتنہ فساد ہوتا ہے۔ اور اگر تکبر کے طور سے نہ بھی ہو تب بھی جہاں فتنہ فساد کا اندیشہ ہو وہاں بھی کچھ مت کہو۔

(التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ:ص۳۸۴)

جس مسئلہ پر زور دینے (اور اس کو بیان کرنے) میں فتنہ کھڑا ہوتا ہو، اس پر گفتگو بند کردی جائے۔ کیوں کہ اس خاص دینی مصلحت کی حمایت کرنے سے فتنہ دبانا (زیادہ) ضروری ہے

ہاں مقتداء اسلام کو شریعت کی ہر بات صاف صاف کہنا چاہئے، جیسے امام احمد بن حنبلؒ نے خلق قرآن کے متعلق صاف صاف کہہ دیا تھا۔ اور جو ایسا بڑا مقتدا نہ ہو اس کو بحث کی ضرورت نہیں۔ جہاں مخاطب سمجھدار منصف مزاج ہو وہاں صحیح مسئلہ بیان کردے۔ اور جہاں بحث مباحثہ کی صورت ہو تو خاموش رہے۔ (الافاضات الیومیہ:ص۳۹۰رج۷)

فرمایا بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ گو وہ فی نفسہ صحیح ہوں مگر مفاسد کی طرف مفضی ہوجاتے ہیں (یعنی فساد کا ذریعہ بن جاتے ہیں) جہاں عوام کو ان کی اطلاع ہوئی اور آفتیں کھڑی ہوئیں۔ ایسے مسائل نہیں بیان کرنے چاہئے۔ میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ علم دین بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے۔

تو یہاں صرف ضررِ علم سے بچانا مقصود ہے۔ اس لئے کتمان علم (کہ اعتراض) بھی نہ ہوگا۔ (ملفوظات اشرفیہ:ص۳۴۳)

ناجائز تبلیغ

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جس جگہ لوگوں کو کسی مسئلہ کا علم ہو (پھر بھی وہ لوگ مسئلہ کے خلاف کرتے ہوں) اوران لوگوں کو اس مسئلہ کی تبلیغ کرنے میں فتنہ کا بھی اندیشہ ہو تو ایسے موقع پر مفاسد اور مضار خاصہ (نقصان) مرتب ہونے کی بناء پر تعجب نہیں کہ تبلیغ ناجائز ہو جائے۔ (الافاضات الیومیہ:ص۱۴۰؍ج۱۰)

تبلیغ کرنے میں فتنہ اور خاموش رہنے میں دوسروں کی گمراہی کا خطرہ ہو تو کیا کرنا چاہیے

ایک اہل علم نے دریافت کیا کہ آج کل اہل بدعت وغیرہ نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ جہاں بیٹھیں گے اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے لگتے ہیں تو ایسے موقع پر اگر خاموشی اختیار کی جائے تو دوسرے کے گمراہ ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر بولے تو فساد کا اندیشہ۔ ایسی حالت میں کرنا چاہیے؟

فرمایا ایسی حالت میں ”فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی...قولہ تعالی... اِلٰی حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ“ پر عمل کرے (یعنی ان کی مجلس سے اٹھ جائے) اور اٹھتے وقت اتنا ضرور کہہ دے کہ میں ایسی باتیں نہیں سن سکتا۔ یہ کہہ کر اٹھ جائے۔ تو یہ بھی ایک قسم کا رد ہے ،اس شخص پر اتنا ہی واجب ہے اس سے زیادہ نہیں۔

اگر دوسرے سامعین (وحاضرین) چاہیں تو اس کی اتنی تنبیہ پر گمراہی سے اس طرح بچ سکتے ہیں کہ وہ اہل حق سے تحقیق کریں اور اس کے باوجود اگر کوئی گمراہی سے نہ بچے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا اہل حق سے اس کا مواخذہ نہ ہوگا۔ (الافاضات البدنیہ:ص۱۳۹؍ج۱۰)

www.alislahonline.com

مخاطب کے حد پر قائم رہنے کی شرط

امام غزالیؒ کے فتوے عجیب غریب ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ مکہ معظّمہ کے متعلق شوقیہ مضامین کا بیان کرنا ایسے شخص کے سامنے جائز نہیں جس کے لئے حج کرنا جائز نہیں۔ مثلاً وہ شخص جو اہل وعیال کا خرچ بھی پورا نہ کرسکتا ہو اور سب کو چھوڑ کر چل دے ایسے شخص کے سامنے مکہ معظّمہ کے شوقیہ مضامین بیان کرنا حرام ہے، اب وحشت ہوئی کہ مکہ کے فضائل بیان کرنے کو حرام فرماتے ہیں۔ اس واسطے حرام فرماتے ہیں کہ وہ سن کر حج کے لئے چل پڑیگا اور گنہگار ہوگا، اور اس کے گناہ کا سبب یہ فضائل بیان کرنے والا ہوگا۔

(التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ:ص۳۹۷)

مخاطبین کے اور زیادہ گمراہ نہ ہو جانے کی شرط

جہاں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو وہاں کچھ مت کہو۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ نے وعظ کہنا چھوڑ دیا تھا۔ بعض لوگوں نے اعتراض کیا......
ایک صاحب نے کہا کہ وعظ کہنا نہیں چھوڑ دیا بلکہ تم کو کافر ہونے سے بچالیا۔ کیوں کہ وہ وعظ کہتے تو تم اسے رد کرتے، اور وعظ میں شرعی احکام ہوتے ہیں تو تم شریعت کا رد کرتے۔ اور ردّ شریعت کفر ہے۔

واقعی موقع ومصلحت کا سمجھنا حکیم کا کام ہے۔ اگر اس موقع پر حضرت وعظ فرماتے تو بجائے اصلاح کے ان کا ایمان بھی جاتا رہتا۔

خوب سمجھ لو! اگر ایسے موقع پر منع کیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اور زیادہ ضد میں آکر غلط کام کریں گے یا استخفاف کریں گے (حقیر سمجھیں گے) اگر استخفاف کریں گے تو کافر ہو جائیں گے۔ اور ان کے کفر کا سبب یہ وعظ ہوگا۔ ایسے امر کے متعلق حدیث میں آیا ہے

کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے ماں باپ کو گالیاں مت دو، صحابہؓ نے نہایت تعجب سے پوچھا، کہ حضور اپنے ماں باپ کو کون گالیاں دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کسی کے ماں باپ کو گالیاں دے وہ اس کے ماں باپ کو گالیاں دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (کسی غلط کام کا) سبب بننا بھی مباشر (یعنی اس کام کے کرنے) کے حکم میں ہے۔ تو جب تم سبب ہوئے ان کے کفر کے تو گویا تم نے کفر کی تعلیم دی۔

(التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ: ص ۳۸۵)

تکبر وعجب نہ ہونے کی شرط

امر بالمعروف کی ادنیٰ شرط یہ ہے کہ جس کو نصیحت کرے، عین نصیحت کے وقت یہ سمجھے کہ میں اس سے کم درجہ کا ہوں اور وہ مجھ سے افضل ہے۔ (انفاس عیسیٰ: ص ۶۴۶ رج ۲)

ایک شخص عالم ہے اور ایک جاہل، تو یہ عالم اکمل تو ہے مگر افضل ہونا خدا ہی کو معلوم ہے کہ افضل جاہل ہے یا عالم، کیوں کہ اس کی کوئی دلیل نہیں، کہ عالم کے لئے افضل ہونا بھی لازم ہو، ممکن ہے کہ اس جاہل کے قلب میں ایسی کوئی چیز ہو کہ وہ علم سے کہیں زیادہ خدا کے نزدیک محبوب اور پسندیدہ ہو۔ تو اپنی اکملیت (یعنی کامل ہونے) کی بناپر اپنے کو افضل سمجھنا برا ہے۔ (الافاضات الیومیہ: ص ۳۶۸)

ایک انسان عالم ہے، محدث ہے، مفسر ہے، فقیہ ہے، حافظ ہے، قاری ہے، نیک ہے، (مبلغ ہے واعظ ہے) اس لئے وہ سمجھ رہا ہے کہ میں مقبول ہوں (تو یہ سمجھنا صحیح نہیں) ممکن ہے کہ وہاں مردود ہو۔ حاصل یہ ہے کہ ظاہری کمالات مقبولیت کی دلیل نہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے اندر کوئی ایسی باطنی خرابی ہو جو اللہ کو ناپسند ہو...... جس کو یہ خبر نہ ہو کہ میں اللہ کے نزدیک مومن ہوں یا غیر مومن تو وہ کچھ بھی بن جائے کچھ بھی نہیں۔

(کمالات اشرفیہ: ص ۱۳۳، آداب معاشرت جدید: ص ۳۴۲)

www.alislahonline.com

اپنے شیخ سے اجازت واطلاع کی شرط

اگر کسی کا شیخ کسی مصلحت سے اس کو چندروز کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے منع کردے تو پھر اس کو نہ کرنا چاہئے۔ مگر وہ ترک نہیں کراتا بلکہ ملتوی کراتا ہے۔ جیسے طبیب کسی کو مسہلی (دست آور دوا) دیتا ہے تو بھُنی ہوئی بوٹیاں کھانے سے منع کردیتا ہے تو یہ نہیں کہ ساری عمر کے لئے چھڑا دیتا ہے بلکہ غذا تو یہی ہے مگر اس وقت اس کا معدہ اس قابل نہیں کہ اس کو ہضم کر سکے۔

اسی طرح شیخ دیکھتا ہے کہ اگر یہ ابھی سے امر بالمعروف کرنے لگا، تو اس کے اندر عُجب (وکبر) پیدا ہو جائے گا، اس لئے روکتا ہے۔ کیوں کہ جب اس نے کسی کو نصیحت کی اور اپنے کو اس شخص سے اچھا سمجھا تو یہ کبر ہے (جو بہت بڑا مرض ہے جس کی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہ اور مردود ہوا) اس لئے مشائخ جب تک کسی کے اندر عجب وپندار (تکبر) دیکھتے ہیں، اس وقت تک امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے منع کردیتے ہیں پھر جب اہل ہو جاتا ہے تو اجازت دے دیتے ہیں۔ سو اصل فرض تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے، مگر عوارض کی وجہ سے روک دیتے ہیں، جیسے مریض کو گوشت کی بوٹی سے روکا جاتا ہے...... اس سے ثابت ہوا کہ مشائخ کا کسی مرید کو امر بالمعروف سے منع کرنا برا نہیں۔ (بشرطیکہ اس کی کسی مصلحت اور عارضی سبب سے ہو)۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۱۳۷، ۱۳۹، ۱۴۰)

اپنے کو افضل اور اچھا نہ سمجھنے کی شرط

امر بالمعروف کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عین نصیحت کے وقت بھی یہ نہ سمجھے کہ میں اس شخص سے اچھا ہوں۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۱۳۷)

امر بالمعروف کی ادنیٰ شرط یہ ہے کہ جس کو نصیحت کرے عین نصیحت کے وقت یہ

سمجھے کہ میں اس سے کم درجہ کا ہوں، اور وہ مجھ سے افضل ہے۔ (انفاس عیسیٰ: ص ۳۸۱)

شاید کوئی یہ کہے کہ صاحب ہم تو نماز پڑھتے ہیں، اور دوسرا بے نمازی ہے اس سے تو اپنے کو اچھا ہی سمجھیں گے، مسلمان اپنے کو کافر سے تو اچھا ہی جانتا ہے۔

اس کے دو جواب ہیں، ایک عقلی دوسرا ذوقی، عقلی جواب تو یہ کہ **"اَلْاِعْتِبَارُ بِالْخَوَاتِیْمِ"** یعنی اعتبار تو خاتمہ کا ہے، اور خاتمہ کا حال معلوم نہیں کیا ہوگا، افضل تو وہ ہے جس کا خاتمہ اچھا ہو، اب کس کو پتہ ہے کہ بے نمازی کا خاتمہ اچھا ہوگا یا ہمارا...... بڑی فضیلت تو یہ ہے کہ آدمی ایمان کے ساتھ مر جائے، جو ہم کو معلوم نہیں، اسی طرح کافر کی حالت معلوم نہیں کہ اس کا خاتمہ اچھا نہ ہوگا، ممکن ہے کہ مرتے دم وہ مسلمان ہو جائے اور اس کا خاتمہ اچھا ہو جائے، پھر یہ دعویٰ کیسے کر سکتے ہو کہ تم اس سے اچھے ہو۔

www.alislahonline.com

ایک حکایت

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے قصہ نقل کیا تھا، کہ مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک بنیے کو خواب میں دیکھا جو ان کے پڑوس میں رہتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد دیکھا کہ وہ جنت کے باغ میں سیر کر رہا ہے، پوچھا کہ لالہ جی تم یہاں کیسے ہو؟ کہا کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لیا تھا، اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی۔ یہاں لالہ جی تھے۔ وہاں گل لالہ ہو گئے۔ کیا معلوم کس کا خاتمہ کیسا ہو۔

ایک اور مثال دیتا ہوں، جس سے ذوقی جواب سمجھنے کی کسی قدر قابلیت ہو جائے گی، گو تفصیل سے نہ سمجھ سکو۔ مثلاً کسی شہزادہ (بادشاہ کے لڑکے) نے کوئی جرم کیا ہو اور بادشاہ کی طرف سے کسی بھنگی کو حکم ہوا ہو کہ شہزادے کے ایک درجن بید لگاؤ اور بادشاہ بھی عادل کہے ظالم نہیں۔ اور یہ بیچارہ بھنگی ہے۔ اور وہ شہزادہ ہے۔ اب وہ ٹکٹکی لگا کر بید لگاتا ہے۔ کیا کرے شاہی حکم ہے۔ گو بید مارتے ہوئے اس کی روح نکلتی ہے۔

اب دیکھنا چاہئے کہ مارنے والا تو بھنگی ہے اور جس کو مار پڑ رہی ہے وہ شہزادہ ہے، مگر اس کے باوجود کیا یہ بھنگی بید لگانے کے وقت یہ سمجھے گا کہ میں اس سے افضل ہوں؟ نہیں ہرگز نہیں، اس کا تصوّر بھی اس کے ذہن میں نہ آئے گا۔ مگر مجبوراً مارنا پڑتا ہے۔ اگر نہ مارے تو مجرم بنے، کیا کرے ہاتھ اٹھتا نہیں، روح فنا ہوتی ہے، کہ بید مارتا ہے اس کی کمر پر مگر اپنے قلب پر بھی آرہ چلاتا ہے۔ ذرا ہاتھ ڈھیلا ہوا اور بادشاہ نے کہا زور سے مار، اب بیچارہ شرم کے مارے مرا جا رہا ہے مگر کرے کیا۔

جب یہ مثال سمجھ میں آ گئی، اب سمجھو کہ اگر کسی وقت مصلح کو شرعی حکم یہ ہو کہ بے نمازی کو دھمکائے اور مارے تو جیسے بھنگی عین مارتے وقت اپنی حقیقت کو دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح جو عارف ہوگا وہ بھی عین عتاب کے وقت سمجھے گا کہ ممکن ہے اس کا درجہ مجھ سے بڑھا ہوا ہو، اور میں اس سے کم درجہ کا ہوں۔ مگر حکم سے مجبور ہوں۔

جب آپ کو یہ درجہ حاصل ہو جائے اس وقت امر بالمعروف کی قابلیت ہوگی۔

(الاتمام لنعمة الاسلام: ص ۱۳۹)

جب کبھی میں کسی پر ظاہراً تشدد (سختی) کرتا ہوں تو مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ مگر ساتھ ہی دل پگھلا جاتا ہے۔ جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے مگر کیا کروں، ضرورت شرعی ہوتی ہے (شریعت کا حکم ہوتا ہے) اس لئے تشدد کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کا شرعی حکم ہونا دلائل سے ثابت ہے۔ اس کے لئے نصوص موجود ہیں، واقع میں یہ سختی رحم کے خلاف نہیں، کیونکہ ہر چیز کا موقع ہوتا ہے۔ رحم کی جگہ رحم کرنا پڑتا ہے اور سختی کی جگہ سختی، بلکہ سختی کی جگہ رحم کرنا خود بے رحمی ہے۔ جیسے کسی کے پھوڑا ہو، جس میں نشتر (آپریشن) کی ضرورت ہو، مگر ڈاکٹر رحم کی وجہ سے نشتر نہیں دیتا بلکہ مرہم پٹی کئے جاتا ہے۔ تو کیا اس کو رحم کہا جائے گا؟ ہرگز نہیں، تو معلوم ہوا کہ مطلق سختی کرنا بے رحمی نہیں ہے۔

اس کو ہر شخص اپنے معاملات میں غور کر کے سمجھ سکتا ہے کہ بعض دفعہ کسی ضرورت کی

وجہ سے اولاد تک کے ساتھ سختی کرتے ہیں اور مجبوراً کرنا پڑتی ہے۔اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ یعنی دوسرے کی اصلاح اس کے بغیر نہیں ہوتی۔

غرض اس کا عقلی جواب یہی ہے کہ ”اَلْعِبْرَةُ بِالْخَوَاتِيْمِ“یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے اور خاتمہ کا حال معلوم نہیں کہ کیا ہوگا۔

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے؟ میں نے کہا لعنت کی ایک شخص کو اجازت ہے جس کو یہ یقین ہو کہ میں اس سے اچھا ہو کر مروں گا۔ورنہ وہ چڑھائے گا کہ کہیے یہی منہ تھا لعنت کرنے کا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ مومن مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے کو کافر سے بھی بدتر نہ سمجھے۔ (محاسن اسلام) (الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص ۵۷،۵۸)

www.alislahonline.com

استطاعت کی شرط

اس کوشش (یعنی تبلیغی جدوجہد) کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے یعنی استطاعت اور یہ سب کچھ میں انہیں کاموں کے لئے بیان کررہا ہوں جو ظاہری اسباب کی رد سے اپنی قدرت میں ہوں۔یہ سب کوشش اور اس کوشش پر اجر وثواب اور دوسرے احکام ایسے ہی کاموں کے لئے ہیں (جو ہماری قدرت میں ہوں)۔

اور ایک وہ کام ہے جو ظاہری اسباب کی رو سے اپنی قدرت واستطاعت سے باہر ہیں،ان کے لئے کوشش کرنا فضول ہے۔نہ مامور بہ (از روئے شریعت فرض ہے) اور نہ ایسی کوشش پر کچھ اجر ہوگا۔

مثلاً کوئی شخص سورج کو قبضہ میں کرنے کے لئے آسمان کی طرف روزانہ کودا کرے اور یہ سمجھے کہ اگر کبھی گر کر مروں گا تو شہید مروں گا۔تو یہ محض خبط ہے۔کیوں کہ یہ فعل اس کی قدرت واستطاعت سے باہر ہے اس لئے اس پر بجائے اجر کے باز پرس ہوگی۔حدیث

شریف میں ہے۔کہ ”لَايَنْبَغِيْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُّذِلَّ نَفْسَهٗ“یعنی مومن کو مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو ذلیل کرے،صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا،یارسول اللہ مومن اپنے کو کس طرح ذلیل کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا:”يَتَحَمَّلُ مِنَ الْبَلَاءِ مَالَا يُطِيْقُهٗ“ یعنی ایسی بلاء اپنے ذمہ لے لے جس کے تحمل کی طاقت نہیں ہے۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ جہاں جہاں یہ خطرہ ارتداد رونما ہیں کوشش کرنے سے پہلے یہ دیکھ لے کہ وہاں جانا اور تبلیغ کرنا حساً وقانوناً آپ کی قدرت میں ہے یا نہیں۔اسی طرح یہ بھی دیکھو کہ اس میں چندہ دینا حساً یا قانوناً کوئی جرم تو نہیں۔جب ان باتوں کا اطمینان ہوجائے تو پھر یہ متعارف (مروّج) تدبیریں اختیار کرنی چاہئے۔

اور قادر بقدرت غیر (یعنی دوسرے کی قوت کے سہارے وہ خود شرعاً) قادر نہیں ہوتا۔ایسی غیر مقدور چیز کی پیچھے پڑنا محض غلو ہے جس کی اسلام کو کوئی حاجت نہیں۔ابھی تو صرف دو چار ہزار کے ارتداد کی خبر ہے۔میں کہتا ہوں کہ اگر پندرہ بیس لاکھ بھی خدانخواستہ مرتد ہوجائیں تو اسلام میں کچھ کمی نہیں آسکتی۔ (ضرورت تبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ:ص ۳۱۵)

قدرت یعنی ضرر لاحق نہ ہونے کی شرط

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر قادر ہو یعنی قرائن سے غالب گمان رکھتا ہو کہ اگر میں امر ونہی کروں گا تو مجھ کو معتدبہ ضرر (قابل اعتبار نقصان) لاحق نہ ہوگا۔ایسے شخص کے لئے امور واجبہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر ہاتھ سے (روکنے کی) قدرت ہو تو ہاتھ سے اس کا انتظام واجب ہے،جیسے حکام،محکومین کے اعتبار سے یا ہر شخص اپنے اہل وعیال کے اعتبار سے۔

اور اگر صرف زبان سے (منع کرنے کی) قدرت ہو تو زبان سے کہنا واجب ہے۔اور غیر قادر کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ تارکِ واجبات اور مرتکب محرمات (یعنی واجب

چھوڑنے والے اور حرام کام کرنے والوں سے) دل سے نفرت رکھے۔

(بیان القرآن:ص۴۵رج۲)

(خلاصہ یہ کہ) تبلیغ واجب ہے بشرطیکہ گمان غالب ہو کہ میرے تبلیغ کرنے سے مجھے ایسا ضرر (نقصان) نہ ہوگا، جس کو میں برداشت نہ کرسکوں گا۔ (الکلام الحسن:ص۱۵)

بعض دفعہ عام لوگوں کو امر بالمعروف کرنے کی وجہ سے مخالفت بڑھ جاتی ہے جس کا تحمل ہر ایک سے نہیں ہوتا اور اگر کسی سے تحمل ہوسکے تو سبحان اللہ! وہ امر بالمعروف کریں، اور اگر تحمل کی طاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کرے۔ محض عام خطاب پر اکتفاء کرے (یعنی عمومی انداز میں بات کہہ دے۔ کسی خاص شخص کو مخاطب نہ بنائے)۔

غرض امر بالمعروف وہیں کرے جہاں قدرت ہو۔

(العبد الربانی ملحقہ حقوق وفرائض:ص۱۱۳)

اور جہاں قدرت نہ ہو یا جس کو تبلیغ کر رہا ہے اس کی طرف سے ضرر کا خطرہ ہو، وہاں تبلیغ واجب نہیں۔ (الکلام الحسن:ص۱۵)

قدرت کی تعریف وتقسیم

خوب سمجھ لیجئے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں:......ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں (مثلاً امر بالمعروف نہی عن المنکر) اس پر تو ہم کو قدرت ہے لیکن اس کے کرنے کے بعد جن خطرات کا سامنا کرنا ہوگا ان کے دفعہ کرنے پر قدرت نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے اور اس کے کر لینے کے بعد جو خطرات پیش آئیں گے ان کی مدافعت پر بھی قدرت ہو پہلی صورت استطاعت لغویہ ہے۔ اور دوسری صورت استطاعت شرعیہ ہے۔ خوب سمجھ لیجئے! اور مدافعت (یا تبلیغ) کی فرضیت کے لئے۔ پہلی استطاعت کافی نہیں۔ بلکہ دوسری استطاعت شرعیہ شرط ہے۔ جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا ہے:"مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ

بِیَدِہٖ فَاِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ"۔

یعنی جو شخص تم میں سے کسی منکر کو دیکھے اس کو چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اصلاح کر دے اس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے ورنہ قلب سے۔

ظاہر ہے کہ استطاعت باللسان (زبان سے قدرت) ہر وقت حاصل ہے پھر اس کے انتفاء کی تقدیر کب محقق ہوگی۔ یعنی اگر کسی فعل کی فرضیت کے لئے محض فعل پر قادر ہونا کافی ہو اور اس سے جو خطرات پیش آنے والے ہوں ان کی مدافعت پر قادر ہونا شرط نہ ہو تو زبان سے انکار کرنا ہر حال میں شرط ہونا چاہئے۔ کیونکہ زبان کا چلانا ہر وقت ہماری قدرت میں ہے پھر وہ کونسی صورت ہوگی۔ جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر زبان سے مٹانے کی قدرت نہ ہو تو دل سے مٹا دے۔

www.alislahonline.com

اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس فعل پر قدرت ہونے کے ساتھ اس پر ایسا خطرہ بھی نہ ہو جس کی مقاومت و مدافعت ومقابلہ بظن غالب عادۃً ناممکن ہو۔

ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

(افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ:ص۱۰)

چند ضروری مسائل، قدرت بالید وباللسان کا فرق

ایک تفصیل قدرت میں یہ ہے کہ دستی قدرت میں (یعنی جس شخص کو کسی منکر کے اصلاح کی، ہاتھ سے روکنے کی قدرت ہو) اس میں تو کبھی اس امر و نہی کا ترک (چھوڑنا) جائز نہیں۔ اور زبانی قدرت میں (یعنی جس کو صرف زبان سے کہنے کی قدرت ہو اس کو) نفع سے مایوسی کے وقت (یعنی اصلاح کی امید نہ ہونے کی صورت میں) اس کا ترک کرنا جائز ہے۔

لیکن مودّت ومخالطت (یعنی ساتھ میں گھل مل کر رہنے) کا ترک واجب ہے۔ مگر بضرورۃ شدیدہ (مجبوری کے وقت میں) یہ بھی جائز ہے۔ (بیان القرآن: ص۴۵ رج ۴، آل عمران)

مسئلہ: جب نصیحت کے اثر ہونے کی بالکل امید نہ ہو تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا گو بلند ہمتی ہے۔ (کہ پھر بھی نصیحت کرے)۔ (بیان القرآن: ص۴۸ رج ۵، اعراف)

ہاتھ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کا مکلّف کون ہے

فرمایا ہاتھ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے کا حکم عام نہیں بلکہ اہل حکومت کے ساتھ خاص ہے۔ کیوں کہ جہاں حکومت نہ ہو وہاں نرمی ہی مناسب ہے۔

امام صاحب نے اس راز کو خوب سمجھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کا طنبور یا مزامیر (یعنی گانے بجانے کے آلات) توڑ دے تو اس پر ضمان لازم آئے گا، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ ضمان لازم نہ ہوگا۔ کیوں کہ اس نے منکر کا ازالہ کیا ہے۔ اور حدیث میں ازالہ منکر کا حکم ہاتھ سے بھی ہے۔ امام صاحب اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہاتھ سے ازالہ منکر کرنے کا اختیار حکومت کے لوگوں کو ہے عوام کو اختیار نہیں۔ امام صاحب کے قول کا راز یہ ہے کہ عوام کی دست درازی سے فساد ہوگا۔ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے شریعت کا مقصود اصلاح ہے نہ کہ فساد۔

لیکن حکومت کے دو درجہ ہیں۔ باپ کو بیٹے پر، اور شوہر کو بیوی پر، استاذ کو شاگرد پر، فی الجملہ حکومت ہوتی ہے لہٰذا ان کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہاتھ سے بھی امر بالمعروف کرنے کا حکم ہے۔ لیکن غیروں کے ساتھ ایسا نہ کرنا چاہئے وہاں تو صرف زبان سے کام لیں، اور وہ بھی نرمی سے۔

نیز امر بالمعروف بزرگوں کو بھی کیا جاتا ہے۔ مگر وہاں نرمی کے ساتھ ادب وتعظیم کی بھی ضرورت ہے۔ (ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ: ص۷۳)

www.alislahonline.com

﴿باب ۱۰﴾

دعوت وتبلیغ کے اصول وآداب سیکھنے کی ضرورت واہمیت

نصوص (قرآن وحدیث) کے اندر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم موجود ہے، نہ کرنے پر نکیر ہے۔ امر بالمعروف کا حکم علی الاطلاق نہیں ہے کہ جس طرح ہو اندھا دھند دعوت وتبلیغ شروع کردو کہ نہ شرائط کی پرواہ نہ آداب کی رعایت۔ بلکہ اس کے لئے ضوابط اور طریقے مقرر ہیں (جس طریقے سے کہ) نماز فرض ہے اور نماز کے لئے بھی کچھ آداب واعذار اور ضوابط ہیں۔ یہ نہیں کہ جو نماز پڑھنا چاہے اس کیلئے کوئی ضابطہ بھی نہیں، نہ وضو کی ضرورت، نہ سترعورت کی ضرورت، نہ قرأت کی، نہ پاکی کا خیال، نہ استقبال قبلہ کی ضرورت، یہ نہیں بلکہ اگر نماز پڑھنا ہے، تو پہلے قرأت سیکھو، ناپاک ہو تو نہاؤ، قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر کھڑے ہو، یہ نماز کے فرائض ہیں کہ ان کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

تو جیسے نماز فرض ہے اور پھر بھی اس کے لئے شرائط وارکان وغیرہ ہیں۔

اسی طرح امر بالمعروف (بھی ایک فریضہ ہے) جس کے کچھ قواعد وآداب ہیں۔ علماء سے ان کے آداب وضوابط کو پوچھنا چاہے۔ محققین علماء اس کو بتلادیں گے کہ اس کے لئے کیا شرائط اور کیا ضابطہ ہے فقہاء نے اس کی ایک مستقل بحث لکھ دی ہے۔ اس کے قوانین وضوابط کو مدوّن کردیا ہے اس کو سیکھو۔ علماء سے پوچھو وہ تم کو راستہ بتادیں گے۔ امر بالمعروف (دعوت وتبلیغ) کرو۔ لیکن شرائط واحکام کے ساتھ کرو، اندھا دھند لسٹم پسٹم مت کرو۔

(آداب التبلیغ: ص۸۲، ۹۱)

دعوت وتبلیغ بھی ایک مستقل فن ہے اسکے آداب سیکھنا ضروری ہے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر (یعنی دعوت وتبلیغ) کا کام کوئی معمولی کام نہیں، بہت نازک کام ہے اس کے واسطے بڑی بڑی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں اس کے آداب مذکور ہیں۔ یہ بھی ایک مستقل فن ہے اس کو سیکھ کر پھر عمل شروع کرو، محقق علماء سے کام کرنے کا طریقہ سیکھو۔ اپنی رائے سے کچھ نہ کرو۔ اپنی رائے کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں۔ بلکہ بڑوں کو بھی چاہئے کہ جو کام کریں اپنے سے زیادہ عالم سے پوچھ کر کریں، بلکہ اہل علم کو بھی چاہئے کہ جو کام کریں اپنے سے زیادہ عالم سے پوچھ کر کریں، بلکہ بڑوں کو بھی چاہئے کہ چھوٹوں سے مشورہ کرلیا کریں اگر چہ بڑوں کو اکثر چھوٹوں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر کبھی چھوٹے کو کوئی ایسی بات معلوم ہوتی ہے جو بڑے کو نہیں ہوتی۔

(آداب التبلیغ: ص ۸۳)

اصول وفروع کی تبلیغ اوران کے آداب سیکھنے کی ضرورت

چنانچہ امر بالمعروف کی ایک قسم اصول (یعنی عقائد) کی تبلیغ کرنا ہے اس کے الگ آداب ہیں۔ اور ایک فروع (یعنی مسائل واحکام) کی تبلیغ کرنا ہے۔ اس کے الگ آداب ہیں۔ علماء سب پہلوؤں کو جانتے ہیں۔ ان کا علم تم سے زیادہ محیط ہے۔ پس اس کا طریقہ ان سے سیکھو۔ یہ تھوڑی کہ بس جیسے چاہو کرلو۔ نہ کوئی ضابطہ، نہ کوئی قاعدہ، جو ملا اس کو امر بالمعروف اندھادھند کردیا۔ گویا ایک لٹھ سا ماردیا۔

مثلاً کوئی کافر ملا، اس سے کہا کہ ابے! تو مسلمان ہوجا، اس نے جواب میں کہا ابے! تو کافر ہوجا۔ بس اب کیا تھا لٹھ چل پڑا۔

(آداب التبلیغ: ص ۸۳)

www.alislahonline.com

دعوت وتبلیغ کے اصول وآداب سیکھنے کے طریقے

جس کو نصیحت کرنا ہو اس کا طریقہ بزرگوں سے سیکھ لے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نصیحت نہ کرے بلکہ طریقے سیکھے۔ نصیحت سب کو کرو مگر بزرگوں سے سیکھ کر۔ ہر چیز حاصل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ کوئی چیز یوں ہی نہیں آیا کرتی۔ اور حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ ان کے پاس رہو ان سے پوچھتے رہو۔ وہ بتلادیں گے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۱۱۱ ر ج ۱)

اصلاح وتبلیغ کے چند ضروری آداب

قوم کی اصلاح کے کچھ آداب بھی ہیں ان کو معلوم کرلینا ضروری ہے سو ایک ادب تو اس کا یہ ہے کہ کسی شخص کی اصلاح عام مجمع میں نہ کی جائے۔ کیونکہ اس سے دوسرے کو شرمندگی ہوتی ہے۔ اور اس شرمندگی کا یہ اثر ہوتا ہے کہ نصیحت کرنے والے سے بغض ہوجاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات اس غلط کام کو چھوڑنے کے بجائے اس میں اور زیادہ پختہ ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ سمجھتا ہے کہ میری رسوائی تو ہو ہی گئی، پھر میں کیوں چھوڑوں۔

اس کے لئے بہتر طریقہ یہ ہے کہ یا تو خود اس کو خلوت (تنہائی) میں لے جا کر اس سے کہہ دے، یا اگر اس سے نہ کہہ سکے تو کسی ایسے شخص سے کہہ دے جو اس کی اصلاح کر سکے، لیکن اس کے دشمن سے نہ کہے، کیونکہ دشمن سے کہنے میں اصلاح تو ہو نہیں سکتی، ہاں ذلت ضرور ہوگی۔

(۲) دوسرا ادب یہ ہے کہ نرمی سے کہے تحقیر اور طعن کے طور پر نہ کہے۔

(۳) تیسرا ادب یہ ہے کہ اگر عام مجمع میں عام خطاب سے کہے تو ایسے پتے نہ دے (ایسے انداز سے بیان نہ کرے) کہ عام لوگوں میں اس کی رسوائی ہو۔ مجھے ایسا سابقہ بہت پڑتا ہے یعنی یہ فرمائش کی جاتی ہے کہ فلاں شخص سود لیتا ہے ذرا وعظ میں اس کی خبر لیجئے گا

۔یا فلاں شخص نے حقوق دبا رکھے ہیں ذرا اس کے متعلق فرما دیجئے گا۔مگر بحمد اللہ میں کبھی ان فرمائشوں پر عمل نہیں کرتا۔کیونکہ میں جانتا ہوں۔کہ اصلاح کا یہ طرز مفید ہونے کے بجائے مضر ہے۔سننے والے قرائن (انداز) سے سمجھ جاتے ہیں کہ فلاں کو کہا جا رہا ہے۔اور اس سے عام مجمع میں اس کو شرمندگی ہوتی ہے۔جس کا نتیجہ بغض وعداوت ہے اور اس کے سبب سے اپنے فعل (غلط کام) کی اور زیادہ پیچ (ضد) ہو جاتی ہے۔ (نسیان النفس:ص۱۱۷)

اصلاح وتبلیغ کا عمدہ طریقہ

اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کی اصلاح کرنا منظور ہے تو پہلے ان سے میل جول پیدا کیا جائے جب خوب بے تکلفی ہو جائے۔تو وقتاً فوقتاً نرمی سے ان کو سمجھایا جائے اور خدا تعالیٰ سے ان کے لئے دعاء کی جائے۔اور جو تدبیریں مفید ثابت ہوں ان کو عمل میں لایا جائے۔غرض (خیر خواہی کا) وہ برتاؤ کیا جائے جو اپنی اولاد سے کیا جاتا ہے۔کہ اگر ان کی شکایت کسی دوسرے سے کی جائے تو اپنے دوستوں سے کی جائے گی جو کہ ان کی اصلاح کر سکیں۔یا بزرگوں سے کی جائے گی کہ وہ اس کے لئے دعا کریں اور جن سے اصلاح ودرستگی کی امید ہو گی انہی سے کہا جائے گا اور جہاں یہ بات نہ ہو گی۔وہاں زبان پر بھی اولاد کے عیوب کو نہ لایا جائے گا۔

یہ مثال بحمد اللہ ایسی عمدہ ہے کہ اس کے پیش نظر رکھنے کے بعد اصلاح کے تمام آداب معلوم ہو جائیں گے۔یعنی جس مسلمان کی اصلاح کرنا چاہو، یہ غور کر لو، کہ اگر یہ حالت ہماری اولاد کی ہوتی، تو ہم اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے۔بس جو برتاؤ اس کے ساتھ طبیعت تجویز کرے وہی برتاؤ اس غیر کے ساتھ بھی کرو......حاصل یہ کہ جب کسی کے عیوب پر مطلع ہو تو اس کو اطلاع کر دو اور اگر یہ کارگر نہ ہو تو خدا تعالیٰ سے دعاء کرو۔

(نسیان النفس ملحقہ آداب انسانیت:ص۱۱۷،۱۱۸)

www.alislahonline.com

مخاطب کو سمجھانے اور نصیحت کرنے کا طریقہ

سمجھانے کا قاعدہ یہی ہے کہ مصلح کو اپنے اوپر مشقت لینی چاہئے اور مخاطب کو آسان کر کے مطلب سمجھانا چاہئے۔یہی طریقہ قرآن پاک میں اختیار کیا گیا ہے کہ مخاطب کو ایسے عنوان سے نصیحت کی جاتی ہے جس سے وہ متوحش نہ ہو۔چنانچہ ایک مقام پر حق تعالیٰ نے اسی طرز کی تعلیم فرمائی ہے۔چنانچہ ارشاد ہے:

"قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ"۔

ترجمہ: کہہ دیجئے! کہ اے اہل کتاب! آؤ اور ایک بات سنو۔جو ہمارے اور تمہارے نزدیک برابر ہے وہ یہ کہ اللہ کے سواء کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور آپس میں ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔

یہ عنوان ایسا ہے جس سے وحشت نہیں ہو سکتی۔کیوں کہ کفار بھی شرک کو برا سمجھتے تھے۔گو اپنے شرک کو برا نہ سمجھتے تھے اس کے بعد ارشاد ہے:

"فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ" یعنی اگر وہ اس بات کو مان لیں تب تو گویا اسلام کو مان لیا۔کیونکہ اسلام کی تعلیم یہی ہے۔اور اگر وہ اس سے اعراض کریں تو صاف کہہ دو کہ تم گواہ رہو، ہم تو مسلمان ہیں اس میں تالیف قلب کی رعایت نہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ بتلایا ہے کہ ابتداء میں تو تالیف قلب کرو اور انتہا میں صفائی سے کام لو۔چنانچہ اس آیت میں ابتداء تو ایسے عنوان سے ہے جس میں تالیف قلب ہے اور انتہا میں صفائی کی تعلیم ہے۔

(التواصی بالحق:ص۱۷۰)

اصلاح وتبلیغ کا مناسب طریقہ

امر بالمعروف اس طرح نہ ہونا چاہئے کہ کسی کو ذرہ برابر حقیر جانو۔اگر ناراضگی کی ضرورت ہےتو اس طرح سے ناراضگی ظاہر کرو جیسے بچہ دوا پینے میں مچلتا ہےاور آپ اس پر غصہ ہوتے ہیں،غصہ تو ہوتا ہے مگر جوش محبت کے ساتھ۔کیا غصہ تعلق ختم کرنے کے ارادہ سے کرتے ہو،ہرگز نہیں بلکہ یہ چاہتے ہو کہ کسی طرح دوا پی لے۔اسی طرح جو نماز نہ پڑھے تو یہ نہیں کہ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دو بلکہ یہ دیکھو کہ کس طرح سے ہمارا بھائی مسلمان نمازی ہوجائے گا بس ویسے ہی کرو۔نرمی سے،سختی سے،کچھ دینے سے،غرض جیسے بھی راہ پر آنے کی امید ہو اس طرح کرو البتہ مداہنت نہ ہونا چاہئے۔(فضائل صوم وصلوٰۃ:ص۸۲،ج۱۰)

اخلاق کی اصلاح کے تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ دفعتہً (یکبارگی) سب کی اصلاح کی جائے گی تو ایک کی بھی اصلاح نہ ہوگی۔

اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی ایسے خلق (بری عادت) کو لے لے جس کا اس کے اندر غلبہ ہے۔اور اس کی اصلاح کرے انشاء اللہ (رفتہ رفتہ) سب کی اصلاح ہوجائے گی۔

(الغضب ملحقہ آداب انسانیت:ص۱۹۰)

نصیحت کرنے کا اہم ادب سختی سے اجتناب اور نرمی کی ضرورت

یادرکھو! نصیحت میں سختی نہ کرو۔لطافت اور نرمی سے کہو۔اور اگر ممکن ہو تو دوسروں پر رکھ کر سنادو......(یعنی) دوسروں پر رکھ کر سب کچھ کہہ بھی لو۔اور کسی کا دل بھی نہ دکھے۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۱۱۱)

تم کہنے کے طریقے سے (یعنی نرمی سے) کہو ہرگز کوئی برا نہ مانے گا اس طرح کیوں کہتے ہو جس سے دوسرا بھڑک اٹھے تم تو طعن وتشنیع سے کہتے ہو اس سے بے نمازی تو

www.alislahonline.com

کیا جو نمازی ہے وہ بھی برا مانے گا۔(ص۱۰۹)

منجملہ آداب کے ایک ضروری ادب یہ ہے کہ مستحبات میں مطلقاً نرمی کرے۔اور واجبات میں اولاً نرمی اور نہ ماننے پر سختی کرے۔ (بیان القرآن:ص۴۵،ج۲،آل عمران)

(لیکن سختی صرف وہی کرسکتا ہے جس کو سختی سے تبلیغ کرنے کا حق ہے جس کی تفصیل خود اسی کتاب میں موجود ہے۔)

سختی مقصود بالذات نہیں

اصل میں سختی مقصود بالذات نہیں۔مقصود اصلاح ہے،جب معلوم ہوجائے کہ سختی سے نفع نہیں ہوتا تو نرمی سے اصلاح کرتا رہے،مگر اس میں ضبط (برداشت کرنے) کی ضرورت ہے جو مشکل ہے۔کیونکہ یہ تو آسان ہے کہ بالکل نہ بولے۔اور یہ مشکل ہے کہ ناگواری میں نرمی سے بولے۔خاص کر جب دوسرا ٹیڑھا (نافرمان) ہوتا چلا جائے۔اور گھر والوں کا حال خود ہی ہر شخص جانتا ہے کہ نرمی سے اصلاح ہوگی۔یا سختی سے۔محض سختی سے کچھ نہیں ہوتا۔میں جو لوگوں کے ساتھ ان کی اصلاح کے لئے سختی کرتا ہوں۔اب چھوڑ دوں گا۔کیونکہ کچھ نفع نہیں ہوتا۔ (دعوات عبدیت:ص۵۷،ج۱۹)

دعوت وتبلیغ میں نرمی اختیار کرنے کا فائدہ

مولانا مظفر حسینؒ کی حکایت

کسی طاعت کا حکم دینے (یعنی دعوت وتبلیغ امر بالمعروف ونہی عن المنکر) کرنے سے ناگواری اسی وقت ہوتی ہے جبکہ سخت لہجہ سے کہا جائے ورنہ اگر مناسب طریقہ سے کہا جائے تو ناگواری نہیں ہوتی۔واعظین (اور مبلغین) کو ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

ہماری طرف مولانا مظفر حسین صاحبؒ ایک بزرگ تھے ان کا قصہ ہے کہ مسجد میں پہنچے، دیکھا کہ مؤذن ایک شخص سے جھک جھک کر رہا ہے۔ یہ شخص ایک پہلوان تھا جو غسل کرنے کے لئے آیا تھا۔ مؤذن اکثر لڑاکا اور بدمزاج ہو جاتے ہیں، اس سے الجھ رہے تھے کہ نہ نماز کے نہ روزے کے، آجاتے ہیں مسجد میں ناپاکی دور کرنے کے لئے۔ مولانا نے موذن کو ڈانٹا، کیوں احمق تیرا کیا حرج ہے! ایک مسلمان ناپاکی سے پاک ہونا چاہتا ہے تو تو کیوں منع کرتا ہے۔ ان حضرات کو بے محل غصہ نہیں آتا...... اس کے بعد اس پہلوان صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ تم اس کی باتوں کا خیال نہ کرو اور شوق سے نہاؤ۔ لاؤ میں پانی بھر دوں، بھلا اس کو تو وہ کب گوارہ کرتا وہ تو پانی پانی ہو گیا۔ اور پانی کھینچنے لگا۔ مولانا نے کہا کہ تم پہلوان معلوم ہوتے ہو، تم میں بڑا زور ہے، ذرا نفس پر زور نہیں دکھاتے، پہلوان ہو کر اس سے ایسے دبے ہو کہ صبح کی نماز کے لئے بھی نہیں اُٹھ سکتے۔ سویرے (جلدی) اُٹھا کرو اور دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو۔

بس یہ بات اس کے دل میں گھس گئی۔ اور توبہ کی۔ اور نمازی ہو گیا۔ دیکھئے یہاں طاعت کا حکم ایسے شخص کو دیا گیا جو اس کا عادی بھی نہیں تھا۔

پھر بھی اس کو ناگواری نہیں ہوئی پس ثابت ہوا کہ ناگواری اسی وقت ہوتی ہے جب بے طریقہ سے گفتگو ہو سخت بات میں خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ کسی کو گوارہ نہیں۔ خواہ وہ نیک کام کے لئے ہو۔ (وعظ الکاف ملحقہ مفاسد گناہ: ص ۱۴۵)

مولانا شیخ محمد صاحبؒ کی حکایت اور اندازِ تبلیغ

اور ایک بزرگ ہمارے قصبہ میں تھے مولانا شیخ محمد صاحبؒ ان کا قصہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں مسجد میں ایک بے نمازی آ گیا تو چاروں طرف سے لوگوں نے چڑانا شروع کیا کہ آہا آپ بھی آ گئے۔

www.alislahonline.com

ایک صاحب بولے نئے بورے کا تہمد (لنگی) کوئی صاحب بولے نئے نمازی اور گلگلوں کی تسبیح۔ مولانا نے کہا کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ نماز نہیں پڑھتا۔ فرمایا تم کو اس کا نماز نہ پڑھنا کیسے معلوم ہوا۔ لوگوں نے کہا نمازی ہوتا تو مسجد میں آتا۔ ہم نے اسے کبھی مسجد میں نہیں دیکھا۔ فرمایا ممکن ہے کہ یہ صاحب مکان ہی پر نماز پڑھ لیتے ہوں۔ لوگوں نے کہا اور جماعت کی ضرورت نہیں؟ فرمایا ممکن ہے کہ کوئی عذر ہو۔ بس یہ الفاظ اس کے دل میں گھس گئے اور اسی دن سے پکا نمازی ہو گیا۔ نرم لہجہ کا یہ اثر ہے۔

(وعظ الکاف: ص ۱۴۵)

باب ۱۱

تبلیغ ونصیحت کے اقسام اوراس کے طریقے

کہنے کا بھی طریقہ ہوتا ہے ۔کہنا کبھی صراحۃً ہوتا ہے ۔کبھی تدبیر سے موقع محل کا خیال کرنا چاہئے ۔یادرکھونصیحت میں سختی (ہرگز) نہ کرولطافت اور نرمی سے کہو۔اوراگر ممکن ہوتو دوسروں (کے سر) پررکھ کرسنادو۔

نصیحت کے بھی اقسام ہیں۔کبھی نصیحت قالی ہوتی ہے (زبان سے کہہ کر) کبھی حالی (یعنی بزبانِ حال) اور بعض اوقات کچھ نہ کہنے کا بھی اثر ہوتا ہے ۔جہاں جوطریقہ مناسب ہواسی کواختیار کرنا چاہئے ۔اور ہرموقع پرمختلف طریقوں سے نصیحت کرنا چاہئے ۔اگر ایک طریقہ مفید ثابت نہ ہوتو دوسرے طریقے سے کرے ۔مگر پیچھا نہ چھوڑے۔

دیکھو جب اپنے لڑکے کونصیحت کرتے ہیں ۔تو کبھی مارتے ہیں کبھی پیار کرتے ہیں،کبھی پیسے دیتے ہیں،مٹھائی کھلاتے ہیں۔کبھی لڑکے کے سامنے اگر دوسرااس کی برائی کرتا ہے کہ یہ لڑکا خراب ہے بدشوق ہے ۔توتم کہتے ہوں کہ نہیں ایسانہیں ہے وہ تومدرسہ میں جاتا ہے اگر شوقین نہ ہوتا تو مدرسہ میں کیوں جاتا ۔خواہ مخواہ تم اس کے پیچھے پڑتے ہو،اس طرح کہنے سے تعریف مقصودنہیں ہوتی بلکہ ترغیب مقصود ہوتی ہے۔کبھی کہہ دیتے ہوکہ بھائی تمہاری چھٹی ہے اوراس سے مقصود چھٹی نہیں ہوتی بلکہ مقصود پڑھوانا ہے کہ آج تمہاری چھٹی ہے ،جلدی سے چار دفعہ سبق اور کہہ لو،وہ چھٹی کا نام سنکر خوشی خوشی کہہ لیتا ہے ۔غرض سب کوایک لکڑی سے مت ہانکو،موقع اورمراتب کالحاظ رکھو۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۱۱۳)

www.alislahonline.com

دعوت وتبلیغ اورامر بالمعروف کے مختلف طریقے (نصیحت قالی وحالی)

امر بالمعروف کی ایک صورت یہ ہے کہ ظاہر میں ہر سننے دیکھنے والا سمجھ جائے کہ اس نے نصیحت کی ہے ۔اورایک صورت یہ ہے کہ ظاہر میں تو ترک امر ہو،اور باطن میں امر ہو (یعنی ظاہراً توامر بالمعروف نہیں کیا مگر باطناً ہوتا ہے) بعض دفعہ یہ پہلی صورت سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے،جب کہ نصیحت کرنے والا صاحب برکت ہو۔

پس بزرگوں کے ترک امر بالمعروف (یعنی ان کے امر بالمعروف نہ کرنے) پر اپنے حال کوقیاس نہ کرو۔تمہارے لئے وہی طریقہ لازم ہے کہ زبان سے نصیحت کرو۔

اوراہل باطن کبھی قال (کہنے) سے نصیحت کرتے ہیں کبھی حال سے اور کبھی بال سے ۔یعنی دل سے، کیوں کہ ان کی توجہ قلبی میں بھی بڑااثر ہے کہ تمہاری زبان میں بھی وہ اثر نہیں ۔بزرگوں کا تو ذکر ہی کیا ان کے ادنیٰ غلاموں کی حالت یہ ہے کہ بعض دفعہ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتے مگر دوسرے پرایسااثر ہوتا ہے کہ زبان سے کہنے کا وہ اثر نہیں ہوتا۔

(التواصی بالحق:ص۱۷۴)

نصیحت واصلاح کے دوطریقے

اصلاح کے دوطریقے ہیں:ایک فعل،ایک قول۔مثلاً فعل تو یہ کہ کسی کا ہاتھ پکڑ کر مصلّے پرکھڑا کردیا کہ نماز پڑھو۔قول یہ کہ زبان سے کہا کہ نماز پڑھا کرو۔یامثلاً کسی بچہ سے کہا کہ فلاں کھیل مت کھیلو۔اورایک یہ صورت کہ اس کھلونے کوتوڑ پھوڑ ڈالا۔تواصلاح کبھی فعل سے ہوتی ہے۔اورکبھی قول سے۔

(شریعت نے)دونوں طریقوں کوالگ الگ کرکے بتلایا ہے ۔کہ اگرکرکے بتلاؤ تو آسان طریقے سے بتلاؤ، ایسا نہ ہوکہ دشواری میں پڑجائے اوراس کی بہت تفصیل ہے

(مثلاً) ایک شخص میں دس عیب ہیں، وہ ایک ساتھ سب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ تو منع تو کرے سب کو یہ تو نہ کرے کہ منع نہ کرے، مگر ہاں سب کے ایک ساتھ چھوڑنے پر مجبور نہ کرے...... یعنی اگر کسی میں عیوب بہت سے ہوں تو بتادو سب کو، مگر پہلے ایک کو چھڑا دے، پھر دوسرے کو چھڑا دے، پھر تیسرے کو چھڑا دے۔ (التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ: ص ۳۹۱)

تبلیغ سکوتی یعنی کچھ نہ کہہ کر تبلیغ کرنا

بعض اوقات بے زبانی میں وہ اثر ہوتا ہے جو زبان دانی میں نہیں ہوتا اور کبھی بے زبانی (یعنی کچھ نہ کہنا) بھی زبان کے (کہنے) سے زیادہ کام دیتی ہے (مثلاً) ریل کے سفر میں ایک ڈپٹی صاحب مجھ سے ملے اور بہت دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں، میں اخلاق کے ساتھ کھل کر ان سے بات کرتا رہا کہ اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا تو میں اور خواجہ صاحب اور چند رفقاء نماز کے اہتمام میں مصروف ہو گئے، اور وہ ڈپٹی صاحب نماز نہیں پڑھتے تھے، ویسے ہی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے خواجہ صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ ان ڈپٹی صاحب کو نماز کے لئے کہنا چاہئے۔ کیوں کہ یہ آپ سے محبت ظاہر کرتے ہیں۔ آپ کا کہنا ان کو ناگوار بھی نہ ہوگا۔ اور امید ہے کہ اثر بھی زیادہ ہوگا اور باوجود قدرت کے امر بالمعروف کو ترک کرنا شاید نامناسب ہو، میں نے کہا کہ امر بالمعروف اس موقع پر واجب نہیں ہے۔ کیوں کہ ان کو نماز کا فرض ہونا معلوم ہے اور یہ بھی دیکھ رہے ہیں، کہ چند آدمی نماز کے لئے اٹھ رہے ہیں۔ اب بھی اگر ان کو توفیق نہ ہو تو یہ ان کی کوتاہی ہے۔ باقی میں تو زبان سے کچھ نہ کہوں گا کیوں کہ میرے کہنے سے اگر انہوں نے نماز پڑھ بھی لی تو پڑھیں گے اپنے واسطے اور احسان ہوگا میری گردن پر۔ اور مجھے اس سے غیرت آتی ہے کہ دین کے کام میں ان کا احسان اپنے سر لوں۔ اگر آپ کو امر بالمعروف کا ایسا ہی جوش ہے تو آپ خود کیوں نہیں کہتے؟

باقی میں اتنا کہے دیتا ہوں کہ اس وقت نماز کے لئے کہنے کا ان پر وہ اثر نہ ہوگا جو نہ

www.alislahonline.com

کہنے کا اثر ہوگا۔ خیر خواجہ صاحب نے بھی ان سے کچھ نہ کہا، اور میں نماز پڑھ کر پھر ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اور جس بشاشت سے باتیں کر رہا تھا۔ اسی بشاشت سے اب بھی باتیں کرنے لگا میں نے ظاہری برتاؤ سے یہ بات بالکل ان پر ظاہر نہیں ہونے دی کہ مجھے آپ کے نماز نہ پڑھنے سے انقباض ہوا ہے۔ یا آپ کی حقارت میرے دل میں ہے۔ ہرگز نہیں۔

اس کے بعد دوسری نماز کا وقت آیا اور ہم اسی طرح نماز کو اٹھے اور نماز کے بعد میں پھر انہی ڈپٹی صاحب کے پاس آکر بیٹھ گیا اور اسی نشاط سے پھر باتیں کرنے لگا۔ اس کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا، اور وہ نماز کے پکے پابند ہو گئے۔ اور ایک صاحب سے کہتے تھے کہ صاحب ریل کے سفر میں جب مولانا نماز کو اٹھے اور میں نہیں اٹھا تو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا میرے سر پر جوتیاں پڑ رہی ہیں اور غضب یہ کہ مولانا نے مجھ سے ایک دفعہ بھی زبان سے یہ نہ فرمایا کہ آؤ تم بھی نماز پڑھو۔ اگر یہ فرماتے تو میں کچھ عذر کر دیتا جس سے شرمندگی کم ہو جاتی، اور اس وقت میں یہ خیال کرتا تھا کہ شاید اب نماز پڑھ کر جو مولانا صاحب آئیں گے تو نہ میرے پاس بیٹھیں گے اور نہ مجھ سے بات کریں گے مگر جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو بدستور (پہلے کی طرح) میرے پاس آکر بیٹھ گئے اور اسی بشاشت (بے تکلفی) سے گفتگو کرنے لگے جیسے پہلے کر رہے تھے۔ تو بخدا اس ادا نے تو مجھے ذبح ہی کر ڈالا۔ بھائی اس روز سے میں نماز کا پابند ہو گیا ہوں۔

راوی نے جب ان کا یہ قول مجھ سے نقل کیا تو میں نے لوگوں سے کہا کہ بتلاؤ اس وقت امر بالمعروف کا زیادہ اثر ہوتا یا خاموش رہنے کا زیادہ اثر ہوا؟ امر بالمعروف سے اتنا ہو جاتا کہ صرف وہ اس وقت نماز پڑھ لیتے۔ مگر یہ جو اثر ہوا کہ وہ شرمندگی سے ذبح ہو گئے اور عمر بھر کے لئے نمازی بن گئے۔ یہ بے زبانی (اور نہ کہنے) کا اثر تھا۔

تو دیکھئے اس وقت ان کو کچھ نہ کہنے کا وہ اثر ہوا جو کہنے سے نہ ہوتا۔ یہاں بے زبانی سے زیادہ اثر ہوا۔

اور واقعی گو میں نے ان کو زبان سے نماز کے لئے نہیں کہا تھا مگر دل میں یہی نیت تھی کہ انشاء اللہ میرے اس سکوت (خاموش رہنے) سے ان پر زیادہ اثر ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ واقعی حکیم ہر کام کا موقع خوب سمجھتا ہے۔ سیاست (وبصیرت دور اندیشی) اسی کا نام ہے کہ ہر شخص کی تربیت اس کے مناسب طریقے سے کیجائے۔

غرض کبھی بے زبانی بھی زبان سے زیادہ کام دیتی ہے۔

(التبلیغ وعظ خیر الارشاد: ص ۱۳۱ رج ۱۴)

نصیحت کا ایک اور طریقہ

حضرت تھانویؒ کا واقعہ

اسی طرح کانپور میں ایک شخص ڈاڑھی منڈاتے تھے اور مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔ ایک بار ایک شخص سے کہا کہ مجھ کو حاضری کا بہت شوق ہے مگر میں ڈاڑھی منڈا ہوں، اس لئے سامنے آتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ شرم کی کوئی بات نہیں۔ تمہارے اندر ظاہری عیب ہے میرے اندر باطنی عیوب ہیں۔ اس کے بعد وہ مجھ سے ملنے آئے تو پہلی دفعہ تو منڈی ہوئی ڈاڑھی نظر آئی تھی۔ مگر جب دوسری دفعہ آئے تو ڈاڑھی پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ اور جب تیسری یا چوتھی دفعہ آئے تو ڈاڑھی پوری تھی۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۱۱۱)

نصیحت کرنے کا حکیمانہ طریقہ حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کا واقعہ

حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار میرٹھ تشریف لائے ان کے پاس ایک خان صاحب آیا کرتے تھے، وہ ڈاڑھی چڑھاتے تھے (سکھوں کی طرح) اور ٹخنوں سے نیچے پائجامہ پہنتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا

www.alislahonline.com

ہے اور اس کا یہ حال ہے۔ اس کو نصیحت کر دیجئے۔

اب مولانا کا طرز نصیحت دیکھئے............ فرماتے ہیں کہ بھائی میں تو کہہ دیتا مگر خان صاحب بڑے پکے آدمی معلوم ہوتے ہیں، یہ اپنی وضع قطع کے بہت پابند ہیں۔ جب تک اس فعل کی برائی سمجھ میں نہ آئے گی اس وقت تک چھوڑیں گے نہیں اور جب سمجھ لیں گے تو خود ہی چھوڑ دیں گے کسی کے کہنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ان سے جب یہ واقعہ نقل کیا گیا تو وہ پگھل ہی تو گئے۔ اسی وقت توبہ کی۔ اور کہا کہ کہاں میں اور اور کہاں مولانا۔ مگر پھر بھی مولانا نے میری کتنی بڑی رعایت کی۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۱۱۱)

دوسرا واقعہ

مولانا قاسم صاحب کے ایک معتقد پائجامہ ٹخنوں سے نیچا رکھتے تھے کسی نے اس کے سامنے ہی حضرت مولانا سے عرض کیا کہ یہ آپ کے معتقد ہیں اور پائجامہ ٹخنوں سے نیچا رکھتے ہیں اور آپ ان کو منع نہیں فرماتے۔

مولانا نے فرمایا کہ بھائی یہ اپنی وضع قطع کے بڑے پختہ معلوم ہوتے ہیں کسی کے کہنے سے نہ چھوڑ دیں گے۔ خود ہی جی میں آجائے گا تو چھوڑ دیں گے اور جب چھوڑ دیں گے تو پھر دوسری وضع پر پختہ ہو جائیں گے۔

اس عنوان سے ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے امر بالمعروف کو ترک کیا۔ مگر سمجھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ مولانا نے عجیب طرز سے اس کو نصیحت کی ہے۔ چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ اسی وقت سے وہ معتقد اس فعل سے تائب ہو گیا۔ (التواصی بالحق: ص ۱۷۴)

اصلاح کا تدریجی طریقہ، حضرت گنگوہیؒ کی حکایت

حضرت مولانا گنگوہیؒ کے پاس ایک شخص آیا اور بیعت کی درخواست کی مولانا نے

اس کو بیعت کرلیا اور تمام گناہوں سے یعنی کفر وشرک وغیرہ سے توبہ کرادی۔

جب مولانا بیعت کر چکے تو کہنے لگا مولانا صاحب تم نے افیم سے تو توبہ کرائی نہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی مجھے کیا خبر تھی کہ تم افیون بھی کھاتے ہو۔ اچھا تم جتنی مقدار میں افیون روزانہ کھاتے ہو اس کی گولی بنا کر میرے ہاتھ پر رکھ دو، چنانچہ اس نے گولی بنا کر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر رکھ دی۔ مولانا نے اس کو دیکھا اور اس میں سے تھوڑا سا حصہ لے کر اس سے کہا کہ اتنی کھالیا کرو۔

مقصد یہ تھا کہ بتدریج (آہستہ آہستہ) رفتہ رفتہ چھڑادی جائے گی، مگر جب قلب میں خدا کی محبت آتی ہے تو افیون کیا سلطنت بھی چھوٹ جاتی ہے۔ اس نے کہا کہ مولانا صاحب اب کیا کھاؤں گا اور یہ کہہ کر افیون کی ڈبی جیب سے نکال دی۔ اور بہت دور پھینک دی۔ گھر پہونچ کر افیون کا تقاضہ ہوا۔ مگر اس نے نہیں کھائی، آخر دست آنے لگے۔ مولانا کے پاس کہلا بھیجا کہ مجھے دست آرہے ہیں مگر میں توبہ نہیں توڑوں گا۔ چند روز میں دست بند ہوگئے جب بالکل تندرست ہوگیا۔ تو مولانا کے پاس آکر سلام کیا۔ مولانا نے پوچھا کہ بھائی کون ہو؟ کہنے لگا جی میں افیم والا، اور دو روپئے نکال کر مولانا کو دیئے۔ اور کہا کہ مولانا صاحب یہ افیم کے روپئے ہیں مولانا نے فرمایا کہ بھائی افیون کے روپئے کیسے؟ کہنے لگا میں دو روپئے کی ایک مہینے میں افیم کھاتا تھا۔ جب میں نے چھوڑ دی تو نفس بہت خوش ہوا کہ دو روپئے مہینے بچے میں نے نفس سے کہا کہ میں یہ دو روپیہ تجھے نہ دوں گا میں اپنے پیر کو دوں گا۔

ہمت وہ چیز ہے کہ سب کچھ کرادیتی ہے۔ ہمت والوں کے لئے گناہوں کا چھوڑ دینا بہت آسان ہے زیادہ سے زیادہ اس میں نفس کو تھوڑی سی تکلیف ہوگی۔ ہمت والوں نے تو خدا کی راہ میں جانیں تک دے دی ہیں۔

(الانتعاظ بالغیر، آداب انسانیت: ص۱۶۱)

www.alislahonline.com

ایک اور بزرگ کی حکایت

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک ڈوم (گانے بجانے والا) حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں مرید ہونا چاہتا ہوں۔ مگر طبلہ سارنگی نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت نے فرمایا اس شرط کے ساتھ مرید کرلیں گے کہ جماعت کے ساتھ نماز کبھی نہ چھوڑنا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ قسم کھالی۔ ایک جگہ ناچ گانے والی مجلس تھی وہاں یہ بھی تھا۔ جب اذان کی آواز آئی تو طبلہ سارنگی چھوڑا، اور اذان کی آواز پر چل دیئے۔ پوری مجلس بے مزہ ہوگئی اور تمام لوگوں میں اس کی شہرت ہوگئی کہ اس کو بلانے سے مجلس بے مزہ ہوجاتی ہے رفتہ رفتہ لوگوں نے بلانا ہی چھوڑ دیا۔ ان حضرت نے تو طبلہ سارنگی نہیں چھوڑا مگر طبلہ سارنگی نے انہیں چھوڑ دیا۔ سبحان اللہ طبیب ایسے ہوتے ہیں کہ کونین (کی گولی) تلخ تھی مگر اس میں شکر لگا کر اسے شیریں کردیا۔

ایسے امور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔ بنی ثقیف جس وقت مسلمان ہونے آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط لگائی کہ ہم مسلمان تو ہوتے ہیں۔ مگر نہ زکوٰۃ دیں گے نہ جہاد کریں گے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا۔ لوگوں کو بڑی وحشت ہوئی کہ ترک فرض کی اجازت دے دی، آپ نے فرمایا کہ مسلمان تو ہونے دو، مسلمان ہوکر سب کچھ کریں گے۔

(التبشیر: ص۳۹۷، ملحقہ دعوت وتبلیغ)

اہل اللہ کی برکت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا واقعہ

ایک شخص نے حضرت (حاجی امداد اللہ صاحب) سے بیعت کی اور شرط لگائی کہ نماز نہیں پڑھوں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا مگر تھوڑا سا اللہ کا نام لے لیا کرنا۔ عرض کیا بہت اچھا اور بیعت ہوگئے۔ جب نماز کا وقت آیا تو پکا ارادہ تھا کہ نماز نہ پڑھوں گا (لیکن نماز کے وقت ہی ان کے) بدن میں خارش ہونے لگی ہزار تدبیریں کیں مگر کسی طرح نہ تھمی، بس ٹھنڈا پانی جو لگایا

تو کسی قدر سکون ہوا۔مگر بالکل ختم نہ ہوئی۔لوگوں نے کہا کہ وضو تو کر چکے ہو نماز (ہی) پڑھ لو۔ شاید خارش رک جائے۔اب جو نماز شروع کی سکون بڑھتا گیا جب نماز ختم ہوئی تو بالکل سکون ہوگیا۔بس جہاں نماز کا وقت آتا خارش شروع ہوجاتی،ادھر نماز شروع کی اُدھر خارش رک گئی۔

میں نے جب انہیں دیکھا اس وقت پکے نمازی اور تہجد گذار تھے یہ تو (حضرت حاجی صاحب کی کرامت اور) برکت تھی،مگر تدبیریں بھی ہوتی ہیں۔(التبشیر ملحقہ دعوت وتبلیغ:ص ۳۹۸)

نصیحت کرنے کی عجیب تدبیر

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی حکایت

www.alislahonline.com

ایک دفعہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وعظ کی مجلس میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا ہے۔اپنے وعظ میں تو کچھ نہ فرمایا۔جب وعظ ختم ہوا۔ اور وہ مصافحہ کے لئے آیا تو فرمایا آپ ذرا ٹھہر جائیں۔جب سب لوگ چلے گئے تو آپ نے اس کو بلایا۔اب ظاہر میں تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے یوں فرماتے کہ پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے۔مگر وہ تو حکیم تھے (انہوں نے دیکھا) کہ یہ طرز یہاں نافع نہ ہوگا (اس لئے اس طرح) فرمایا کہ بھائی میرے اندر ایک عیب ہے چونکہ اپنے عیوب خود معلوم نہیں ہوا کرتے لہٰذا تم کو دکھلاتا ہوں،ذرا دیکھنا وہ عیوب میرے اندر ہیں یا نہیں۔وہ یہ کہ میرا پائجامہ ٹخنوں سے نیچا ہو جاتا ہے۔میں تمہارے سامنے کھڑا ہوتا ہوں دیکھنا ٹخنوں سے نیچے تو نہیں ہوتا۔کیوں کہ اکثر میرا پائجامہ نیچے لٹک جاتا ہے۔اور حدیث میں ہے جو شخص پائجامہ ٹخنوں سے نیچے پہنتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا۔جتنی بھی وعیدیں اس بارے میں آئی تھیں۔سب اس بہانے سے اس کے کان میں ڈال دیں اور کہا میں کھڑا ہوتا ہوں۔ذرا دیکھنا۔وہ پیروں پر گر پڑا اور کہا کہ حضرت آپ میں یہ عیب کیوں ہوتا،یہ عیب تو مجھ میں ہے میں توبہ کرتا ہوں کہ

آئندہ نہیں کروں گا۔تو کہنے کا ایک یہ بھی طریقہ ہوتا ہے۔(الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص ۱۱۱)

نصیحت کرنے کا حکیمانہ طرز،ایک بزرگ کا واقعہ

قصبہ ’’چرتھاول‘‘ میں ایک مسجد میں ایک مولوی صاحب مہمان تھے نماز کے وقت ایک بے نمازی بھی مسجد میں آگیا۔تو اس بیچارہ کو لوگ شرمندہ کرنے لگے او ہو! آج کیسے آگئے؟ کیا راستہ بھول گئے۔مولوی صاحب بڑے دانشمند تھے انہوں نے فرمایا:یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ نماز نہیں پڑھتے ممکن ہے گھر میں پڑھ لیتے ہوں۔لوگ کہنے لگے اجی یہ تو ہٹا کٹا ہے پھر مسجد میں کیوں نہیں آتا۔کوئی لنجا لنگڑا تو ہے نہیں،اندھا بھی نہیں کوئی عذر نہیں......فرمایا:کوئی عذر ہوگا، جو تمہیں معلوم نہیں،ان کی صورت سے تو نور معلوم ہوتا ہے......یہ بے نمازی تو نہیں ہے۔

وہ شخص کہتا تھا کہ میں دنیا بھر کے وعظ سے بھی نماز نہ پڑھتا۔مگر ان کی تھوڑی سی طرفداری سے پکا نمازی بن گیا۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص ۱۱۰)

حسنِ تدبیر کے ساتھ تبلیغ کا نمونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ بنی ثقیف کا ایک وفد آیا تھا اور یہ کہا کہ ہم دو شرطوں کے ساتھ اسلام لاتے ہیں۔ایک تو یہ کہ زکوٰۃ نہیں دیں گے۔دوسرے یہ کہ جہاد نہیں کریں گے یعنی نہ مال خرچ کریں گے،نہ جان،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں شرطوں کو منظور فرمالیا۔عرض کیا گیا،یارسول اللہ یہ شرطیں کیسے تسلیم کرلیں؟ باوجودیکہ جہاد اور زکوٰۃ دونوں فرض ہیں۔حضور نے فرمایا تم ان کو مسلمان تو ہونے دو۔جب اسلام ان کے دل میں گھر کرلے گا (رچ بس جائے گا) اس وقت سب کچھ خود ہی کریں گے۔کہنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ تم کسی کو شراب پلاؤ،اور وہ کہے کہ اس شرط سے پیتا ہوں کہ

شراب پی کر جھوموں گا نہیں تو آپ کو اس شرط کے مان لینے سے انکار کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو خود ہی شراب جھما دے گی، تمہارے جھمانے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح اسلام خود ہی زکوٰۃ دلوا دے گا اور جہاد بھی کرا دے گا۔ اس کے بغیر چین نہیں ہوگا۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۱۲۶)

ایک اور واقعہ

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ نماز سے چھٹی مل جائے، آپ نے انکار فرمایا، کیوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں جس سے تنگی ہو۔ اور اس وقت ایسے کم ہمت لوگ نہ تھے۔ کہ ہاتھ پاؤں نہ چلائیں۔

www.alislahonline.com

لیکن اب ایسے بھی کم ہمت ہیں اس لئے اب اگر کوئی شخص یہ شرط لگائے کہ ہم مسلمان اس شرط پر ہو سکتے ہیں کہ ہم کو نماز سے معافی جائے تو ہم اس کی بھی اجازت دیں گے۔

مولانا مظفر حسین صاحب کی حکایت

چنانچہ مولانا مظفر حسین صاحب ایک بار گڑھی جو ایک مقام کا نام ہے وہاں تشریف لے گئے تھے وہاں ایک بڑا رئیس تھا۔ مولانا نے اس سے دریافت فرمایا کہ خان صاحب نماز کیوں نہیں پڑھتے کہا کہ مولانا مجھ کو ڈاڑھی چڑھانے کا شوق ہے اور وضو کرنے سے وہ بار بار خراب ہو جاتی ہے۔ پھر دن میں پانچ دفعہ اتارنا چڑھانا مصیبت ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ تم بے وضو ہی پڑھ لیا کرو، انہوں نے کہا کہ اس طرح تو ضرور ہی پڑھ لوں گا۔

فرمایا ہاں مگر ایک شرط ہے وہ یہ کہ جماعت سے پڑھنا اور مسجد میں پڑھنا۔ کہا بہت اچھا، شاید ایک دو وقت خان صاحب نے بے وضو ہی پڑھی۔ پھر خیال ہوا کہ میاں خوامخواہ اتنی محنت بھی کی اور پھر نماز بے وضو پڑھی غرض، تیسرے ہی وقت سے وضو کرنے لگے۔ اور وضوء

کر کے پھر ڈاڑھی چڑھاتے مگر ایک دو روز کے بعد کہا کہ میاں یہ اتار چڑھاؤ میں کب تک کروں گا اب ڈاڑھی چڑھانا بھی چھوڑ دیا۔

تو مولانا نے جو بے وضو کی اجازت دی تھی وہ اس وجہ سے کہ مولانا نے یہ سمجھا تھا کہ جب جماعت سے نماز پڑھے گا تو ان میں کوئی اللہ والا بھی ہوگا اس کے قلب کا نور اس پر پڑے گا اور یہ صحیح طور سے نمازی ہو جائے گا اور دوسری بات یہ کہ خان صاحب کو غیرت ہوگی۔

مولانا نے یہ راز سمجھ کر اجازت دی تھی۔ یہ نہ سمجھنا کہ بے وضو تو نماز ہوتی ہی نہیں پھر مولانا نے کیسے اجازت دے دی۔ بات یہ ہے کہ مولانا نے جواز کا فتویٰ نہیں دیا کہ ان پر اعتراض ہو بلکہ اس کے نمازی بنانے کا طریقہ یہی سمجھا۔ اور یوں خیال فرمایا ہوگا کہ جہاں اس نے اور نمازیں ترک کی ہیں چار وقت اور بے نمازی رہ لے گا۔ مگر اس کو راہ پر لگانے کا طریقہ یہی ہے۔ کیوں کہ مولانا نے دیکھا کہ یہ عہد و پیمان (وعدہ) کا بڑا پکا ہے، غیرت مند ہے۔ جب کام شروع کرے گا چھوڑے گا نہیں۔ اُس وقت کے دنیادار بھی اتنے پکے ہوتے تھے کہ اب دینداروں میں بھی وہ پکاپن نہیں ہے۔ تو پہلے لوگ قول کے پکے تھے، اگر کبھی نمازی ہو جاتے تو اس میں بھی پکے ہو جاتے تھے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۱۲۶؍ج۲)

خان صاحب کی پختگی کا وصف دیکھ کر ان کو اس ترکیب سے مولانا راہ پر لگا گئے تھے۔ یہ سب کچھ نرمی کی بدولت ہوا اگر سختی کرتے تو ہرگز یہ اثر نہ ہوتا۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۱۲۸)

عوام کو صرف زبان ہی سے تبلیغ کرنا چاہئے

بزرگوں کے ترک امر بالمعروف پر اپنے حال کو قیاس نہ کرو، تمہارے لئے وہی طریقہ لازم ہے کہ زبان سے نصیحت کرو۔ (التواصی بالحق: ص۱۷۴)

یہ دقائق ہر شخص نہیں سمجھ سکتا عوام کے لئے اصل طریقہ وہی ہے جو عام ہے۔ کہ زبان سے نصیحت کرو۔ (دعوت وتبلیغ ص۷۵)

فصل (۱)

اصلاح کا عمدہ طریقہ اور عملی تبلیغ کی ضرورت

اصلاح کا یہ طریقہ افضل ہے کہ جوکام دوسروں سے کرانا چاہتے ہو ان کو خود کرنے لگو۔(حسن العزیز:ص۱۷۷رج۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے چھوٹے چھوٹے اعمال کا بہت اہتمام کیا اور کوئی امر چھوڑا نہیں۔ بلکہ ہر حکم کو عملاً کر کے دکھلا دیا تا کہ سامع (مخاطب) پر زیادہ اثر ہو اور یہ اہتمام محض شفقت کی وجہ سے ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلا اجازت کے (اندر) حاضر ہوگیا تو آپ نے اس کو لوٹا دیا۔ اور ایک شخص کو حکم دیا کہ اس کو طریقہ بتلا دو، کہ اس طریقہ سے آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عملی تعلیم بھی سنت ہے۔

(وجہ اس کی یہ ہے کہ) عملی فساد میں اصلاح بھی عملی ہونی چاہئے۔ محض قولی اصلاح کافی نہیں، بلکہ عملی اصلاح کی ضرورت ہے۔ (حقوق وفرائض:ص۱۴۲)

www.alislahonline.com

عملی فساد میں قولی تبلیغ کافی نہیں، عملی تبلیغ ضروری ہے

فساد میں محض قولی اصلاح (زبان سے کہہ دینا) کافی نہیں بلکہ عملی اصلاح (یعنی عمل سے کر کے دکھلانا) بھی ضروری ہے۔

مجھے بیوہ عورتوں کے نکاح کے متعلق پہلے بڑا شبہ تھا۔ کہ علماء اس کی اس قدر کوشش کیوں کرتے ہیں۔ نکاح ثانی کوئی فرض واجب نہیں صرف سنت ہے۔ علماء صرف یہی کہہ دیں کہ سنت ہی سمجھنا واجب ہے۔ باقی عملاً اس کے درپے کیوں ہوتے ہیں۔ کئی سال تک

مجھے یہ شبہ رہا، بچپن کا زمانہ تھا۔ پھر الحمد للہ سمجھ میں آ گیا کہ چونکہ یہ فساد عملی ہے اس لئے اصلاح بھی عملی ہونی چاہئے۔ (حسن العزیز:ص۶۷۸رج۱)

عملی تبلیغ کا طریقہ اور حضرت تھانویؒ کا ایک واقعہ

ایک مرتبہ مجھے سفر کا اتفاق پڑا۔ ریل میں ایک رئیس صاحب ہمراہ تھے انہوں نے جب کھانا کھایا اتفاق سے ایک بوٹی گر پڑی۔ انہوں نے جوتہ سے تختہ کے نیچے سرکا دی۔ چونکہ میں قولاً (زبان سے) ان سے کچھ نہ کہہ سکتا تھا، اس لئے میں نے عملاً حکم شرعی بتلانا چاہا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے۔ اس لئے میں نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ اس بوٹی کو دھو کر مجھے دے دو میں کھاؤں گا۔ انہوں نے کہا اگر میں کھالوں؟ میں نے کہا یہ آپ کی ہمت ہے۔ چنانچہ انہوں نے کھالی۔ میرے اس طرز عمل کا ان پر بے حد اثر پڑا۔ اور دوسروں سے کہنے لگے واقعی میری سمجھ میں آ گیا اگر دس برس تک اس کے متعلق نصیحت کی جاتی تو دل میں نہ گھستی اور اس طریقہ سے ایک مرتبہ کا عمل عمر بھر کے لئے کارگر ہو گیا۔

صوفیاء پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ امر بالمعروف نہیں کرتے حالانکہ یہ اعتراض بالکل لغو ہے ان کے برابر کوئی بھی امر بالمعروف نہیں کر سکتا۔ وہ تو امر بالمعروف ایسا کرتے ہیں کہ اپنے اوپر جھیلتے ہیں یعنی وہ قولاً (زبان سے) امر بالمعروف کم کرتے ہیں زیادہ تر عملی تعلیم کرتے ہیں۔ کیوں کہ عملی تعلیم قولی تعلیم سے زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

(علوم العباد من علوم الرشاد ملحقہ حقوق وفرائض:ص۱۴۲رج۲، التبلیغ)

دوسرا واقعہ

ایک مرتبہ میں کالپی میں تھا ایک شخص نہایت صاف ستھرا لباس پہنے ہوئے جامع مسجد میں نماز پڑھنے آیا بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ یہ نومسلم ہے۔ پہلے بھنگی تھا۔ اب

مسلمان ہوگیا ہے، یہاں کے چودھری لوگ ساتھ کھانا کھلانا تو دور کی بات ہے اس کے ہاتھ کی چھوئی چیز بھی قبول نہیں کرتے، میرا وہاں پر جانا ایک جلسہ کی وجہ سے ہوا تھا اس جلسہ میں بڑے بڑے لوگ جمع تھے اور وہ نومسلم بھی تھا بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اس موقع پر ان لوگوں کو سمجھا دو کہ ایسا بچاؤ اور پرہیز مسلمان ہوجانے کے بعد نہیں کرنا چاہئے۔ اس میں اس کی دل شکنی ہے میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ دل شکنی نہیں اس میں تو دین شکنی (یعنی دین برباد ہونے) کا بھی اندیشہ ہے۔ مگر میرے سمجھانے اور زبان سے کہہ دینے سے کیا کام چلے گا ۔ یہ لوگ تو پرانی وضع (نئے فیشن اور پرانے عقائد) کے ہیں۔ (محض میرے کہنے کا) کیا اثر قبول کریں گے۔

میں نے کہا بہت اچھا.................ایک لوٹے میں پانی منگاؤ، غرض کہ پانی آیا میں نے اس نومسلم سے کہا اس کی ٹونٹی سے منہ لگا کر پانی پیو، اس نے پیا۔ اس کے ہاتھ سے لوٹا لے کر اس کا بچا ہوا جھوٹا پانی اسی طرح منہ لگا کر میں نے پیا۔ پھر میں نے اس مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ بھی پیو، اس وقت سوائے مان لینے اور پی لینے کے کسی کو کوئی عذر نہیں ملا۔ سب نے طوعاً وکرہاً پیا۔

اس کے بعد میں نے ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو اب اس نومسلم سے پرہیز نہ کرنا، کہنے لگے اب پرہیز کرنے کا ہمارا منہ ہی کیا رہا، آپ نے تدبیر ہی ایسی اختیار کی کہ ہمارا سارا دھرم ہی لے لیا، اب اطمینان رکھو اس کو تو ہم اپنے ساتھ کھلا بھی لیا کریں گے۔

فرمایا مجھے یاد ہے۔ میں نے پانی پی تو لیا......مگر اندر سے جی رکتا تھا (اللہ معاف کرے) اور یہ بات اسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ کسی کا جھوٹا پانی یا کھانا مجھ سے نہیں کھایا جاتا کچھ اندر سے رکاوٹ ہوتی ہے اگر اس کا سبب تکبر ہے تو حق تعالیٰ معاف فرمائیں، اور اگر اس کا سبب ضعف طبیعت ولطافت طبع ہے تو معذوری ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت جدید: ص۲۶)

www.alislahonline.com

ایک وزیر صاحب کا واقعہ

ریاستِ بھوپال میں منشی جمال الدین صاحب جو وزیر ریاست تھے ان کا واقعہ ہے ایک مرتبہ ان کے یہاں کوئی تقریب (شادی) تھی اس میں بڑے بڑے لوگ مدعو تھے۔ اہل محفل کو کھانا رکھا جا رہا تھا۔ کہ ایک بھنگی آیا۔ اور آ کر عرض کیا کہ میاں سلام میں میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں۔ خاں صاحب نے سب کام چھوڑ چھاڑ کر اسے مسلمان کیا، اور خادموں کو حکم دیا، کہ اس کو حمام (غسل خانہ) میں لے جا کر غسل کراؤ، اور ہمارے جوڑوں میں سے ایک جوڑا اس کو پہنا کر لاؤ۔ تمام حاضرین کو حیرت ہوئی خدمت گار نے غسل دلا کر جوڑا پہنا کر حاضر کر دیا۔

منشی صاحب نے حکم دیا کہ دستر خوان پر بٹھاؤ، دستر خوان پر بڑے بڑے لوگ تھے۔ یہ دیکھ کر لوگوں کے تیور بدل گئے۔ منشی صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ آپ کے ساتھ اس کو نہ کھلاؤں گا، اس کے ساتھ میں کھاؤں گا۔ یہ اس قدر پاک وصاف ہے کہ اس وقت پوری مجلس میں بھی کوئی ایسا پاک وصاف نہیں۔ یہ ابھی مسلمان ہوا ہے اس کے تمام گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ اس کے ساتھ کھانا کھانے کی دولت میں نے اپنے لئے تجویز کی ہے ۔ آپ حضرات کی قسمت ایسی کہاں کہ ایسے شخص کے ساتھ کھا کر شرف اور برکت حاصل کریں ۔ آپ لوگ گھبرائیں نہیں۔ میں اس کے ساتھ کھاؤں گا۔ غرض کہ اس نومسلم کے ساتھ اسی وقت بیٹھ کر کھانا کھا لیا۔ یہ کس قدر بے نفسی اور حق پرستی کی بات ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت جدید قسط: ص۲۶/ج۱)

فصل (۲)

باپ بیٹے کو تبلیغ کرنے کا طریقہ

قرآن پاک میں حکم ہے کہ والدین کا ادب کرو، اوران کی تعظیم کروحتی کہ اگر وہ کافر بھی ہوں تب بھی ان کے ساتھ شائستگی برتو، دیکھئے۔حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی، کیوں کہ وہ کافر تھے۔مگر کس خوبی سے فرماتے ہیں: ”یـا ابَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَالَا یَسۡمَعُ وَلَا یُبۡصِرُ وَلَا یُغۡنِیۡ عَنۡکَ شَیۡئًا“۔

اے میرے باپ! اے ابا جان پہلے ”یـا ابت“ فرمایا یہ لفظ ہی ایسا ہے جس سے باپ پگھل جاتا ہے۔کیوں کہ باپ کو اپنی طرف نسبت کرنے سے اس پر خاص اثر ہوتا ہے۔جیسے بیٹے کو کہو، اے میرے بیٹے! تو اس کا خاص اثر ہوتا ہے، اسی طرح یہ کہنا کہ اے میرے ابّا! اس کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے۔اس طرح کہنے کا وہ اثر ہے جو تلوار کا بھی نہیں۔اوّلا تو یہ لفظ ہی بڑا مؤثر ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ آپ ایسی چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ دیکھے، نہ سنے، اور نہ کچھ فائدہ ہی پہونچا سکے۔اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں۔دیکھئے کس خوبی سے تبلیغ کی۔ یہ نہیں کہ لٹھ سا ماردیں، بلکہ پہلے تو اس میں ان کے طریقہ کی مذمت بیان کی، پھر فرماتے ہیں کہ ”اِنِّیۡ قَدۡجَاءَ نِیۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَالَمۡ یَاءۡ تِکَ فَاتَّبِعۡنِیۡ اَهۡدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّا“۔

یہاں بھی مکرر وہی لفظ ہے۔”یَاابَتِ“ شاید کسی کو وہم ہو کہ ایک دفعہ ”یَاابَتِ“ کہہ چکے ہیں پھر بار بار، یـا ابت، یا ابت، دہرانے کی کیا ضرورت۔اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں کوئی لکچر تو دینا نہیں تھا وہاں تو دل سوزی کی ضرورت تھی اس لئے بار بار وہی لفظ استعمال کرنا چاہئے جس سے دل پگھل جائے تو فرماتے ہیں: ”یـا ابَتِ اِنِّیۡ قَدۡجَاءَ نِیۡ “ الخ اے میرے باپ۔اے ابا جان...... مجھے خدا نے ایسا علم دیا جو آپ کو نہیں۔آپ میرا اتباع کیجئے، میں آپ کو سیدھا راستہ بتلاؤں گا، جس میں کوئی کجی نہیں ہے۔جب سارے دلائل بیان کر چکے تو بطور تفریع (نتیجہ) کے فرماتے ہیں:

www.alislahonline.com

”یـا ابَتِ لَاتَعۡبُدِ الشَّیۡطٰنِ“ الآیه، پیارے ابا شیطان کی پرستش نہ کیجئے بظاہر تو وہ بت کو پوجتے تھے شیطان کی عبادت نہیں کرتے تھے مگر واقع میں وہ شیطان ہی تھا۔کیوں کہ بتوں کی عبادت کا امر وہی کرتا ہے اس لئے بجائے صنم (بت) کے شیطان فرمایا، جس میں اس پر تنبیہ تھی کہ بتوں کی عبادت درحقیقت شیطان کی عبادت ہے اور شیطان کو آپ بھی برا مانتے ہیں پھر آپ جس کو خود بھی برا مانتے ہیں، ایسے کی عبادت کیوں کرتے ہیں اس کو چھوڑ دیجئے ۔”یـا ابَتِ اِنِّیۡ اَخَافُ اَنۡ یَّمَسَّکَ عَذَابٌ“ الآیه، اے میرے ابّا جان! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کو عذاب نہ آپہونچے۔

غرض انہوں نے یہاں چار دفعہ ”یَاابَتِ! یَاابَتِ! یَاابَتِ! یَاابَتِ!“ (اے میرے ابّا۔ اے میرے باپ) کہا......راجح قول یہی ہے کہ آذر ابراہیم علیہ السلام کا باپ تھا اور یہ قول مرجوح ہے کہ چچا تھا۔اور باپ مجازاً کہہ دیا۔اگر باپ ہو تو دیکھئے کس قدر ادب سے پیش آئے۔

اور اگر چچا ہو تو اور زیادہ ادب ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے چچا کیساتھ وہ برتاؤ کیا جو کوئی اپنے باپ کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ بلکہ بجائے ادب کے اب تو یہ ہوتا ہے کہ اگر اپنے باپ سے کوئی بات مرضی کے خلاف ہو جائے تو اس کو بھی حقیر و ذلیل کرتے ہیں۔

بہر حال نصیحت اگر ادب و شفقت کے ساتھ ہو تو اس کا خاص اثر ہوتا ہے۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۱۱۴)

نواب اور امراء اور بڑے لوگوں کی اصلاح کا ایک طریقہ

ڈھاکہ میں شہر سے دور نواب صاحب کے باغ میں میں نے وعظ کہا تو وہاں زیادہ تر نواب کے خاندان کے لوگ ڈاڑھی منڈاتے تھے میں نے کہا صاحبو! یہ تو مجھے امید نہیں کہ تم میرے کہنے سے ڈاڑھی، منڈانا چھوڑ دو گے مگر اتنا تو کرلیا کرو، کہ ہر روز سوتے وقت یہ خیال کرلیا کرو، بلکہ زبان سے بھی یہ کلمات چپکے چپکے حق تعالیٰ سے عرض کرلیا کرو کہ اے اللہ! یہ کام بہت برا ہے۔اے اللہ! ہم بڑے نالائق ہیں اے اللہ! ہم بڑے خبیث ہیں۔غرض اپنے آپ کو خود ملامت کیا کرو اس سے بہت فائدہ ہوگا اور بہت جلد خود ہی ڈاڑھی رکھوا لوگے۔ (کلمۃ الحق: ص ۷۵)

فصل

اعمال یعنی نماز روزہ کی تبلیغ کا طریقہ

اعمال کی ترغیب اخلاق کے پیرایہ میں دینا چاہئے۔شروع ہی سے یہ نہ کہو، کہ نماز پڑھو، کیوں کہ اس سے وحشت ہوگی، آج کل تو مسلمان بھی نماز کے نام سے متوحش ہوتے ہیں، چنانچہ ایک صاحب نے اخبار میں لکھا تھا کہ نماز کو اسلام سے نکال دینا چاہئے کیوں کہ اس نے بہت سے کافروں کو اسلام سے روک رکھا ہے۔جب وہ یہ سنتے ہیں کہ مسلمان ہوکر پانچ وقت کی نماز پڑھنا پڑے گی تو وہ اسلام لانے کی ہمت نہیں کرتے۔یہ مسلمان صاحب ہیں جو اسلام کو کفر بنا کر کفار کو اس میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔بھلا جب اسلام سے نماز کو نکال دیا گیا تو وہ اسلام کہاں رہا۔کیوں کہ ایک فرض کا انکار بھی کفر ہے۔

یہ قصہ میں نے اس لئے بیان کیا تا کہ معلوم ہوجائے کہ دفعۃً (یکبارگی) نماز روزہ کا ذکر تبلیغ میں نہ کرنا چاہئے۔کیوں کہ اس سے مخاطب کو وحشت ہوگی۔بلکہ ابتداء میں اعمال کی ترغیب اخلاق کے پیرایہ میں دینا چاہئے۔(مثلاً اس طرح کہ)نفس کو پابند کرنا اور آزادی سے روکنا اور اس میں استقلال وپختگی کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ انسان اور جانور میں کیا فرق ہوگا، مردانگی اسی میں ہے کہ انسان اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو۔نفس کا تابع اور اس کا غلام نہ ہو، اور نفس کو تباہ کرنے والی سب سے بڑی چیز تکبر ہے۔انسان کو تواضع اور عاجزی اختیار کرنا چاہئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی سبب سے بڑی عظمت والے کی عظمت اس کے پیش نظر رہے۔اسلام نے اس کے لئے پانچ وقت کی نماز مقرر کی ہے جس کو باقاعدہ ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا نقش اس کے دل پر جم جاتا ہے۔کیوں کہ نماز میں ایسے ارکان ہیں جن سے انسان کی غایت درجہ ذلت ظاہر ہوتی ہے اور نفس پامال ہوجاتا ہے۔ (التواصی بالحق:ص۱۷۲)

www.alislahonline.com

تواضع کی عادت نماز سے خوب ہوتی ہے۔نفس کا خاصہ ہے کہ اگر اس کو کہیں ذلت نہ سکھلائی جائے تو اس میں فرعونیت (تکبر اور بڑائی) پیدا ہوجاتی ہے۔اور نماز میں شروع ہی سے ''اللہ اکبر'' کی تعلیم ہوتی ہے۔تو جس کے دل میں خدا کی عظمت ہوگی وہ اپنے کو چیونٹی سے بھی مغلوب اور ناتواں سمجھے گا۔کیوں کہ بڑوں کے سامنے ہوتے ہوئے چھوٹوں پر بھی حکومت نہیں رہتی۔

تو ''اللہ اکبر'' کی وہ تعلیم ہے کہ اس سے تکبر کی بالکل جڑ کٹ جاتی ہے۔

(ضرورۃ العلماء:ص۸۴،ج۱۱)

اسی طرح قوت بہیمیہ سے سینکڑوں فساد لڑائی جھگڑے دنیا میں ہوتے ہیں اور روزے سے قوت بہیمیہ ٹوٹتی ہے (یعنی) دوسری تباہ کرنے والی چیز نفسانی خواہشوں کی حرص ہے، مثلاً: کھانے پینے اور عورتوں سے مخالطت (میل ملاپ) کرنے کی حرص۔اس کو بھی دبانا اور معتدل کرنا (یعنی حد پر قائم رکھنا) چاہئے۔ورنہ آدمی انسانیت سے باہر ہوجاتا ہے۔اور جرائم پر اقدام کرنے لگتا ہے۔اسلام نے اس کا علاج روزہ کی صورت میں فرض کیا ہے جو سال میں ایک مہینہ کے اندر رکھا جاتا ہے۔ (التواصی بالحق:ص۱۷۲،ضرورۃ العلماء:ص۸۴)

زکوۃ وحج کی تبلیغ کا طریقہ

تیسری مہلک شی حب مال ہے۔جس شخص کے دل میں مال کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے وہ ہر طرح اپنا ہی بھلا چاہتا ہے گو دوسروں کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔چنانچہ بہت سے لوگ غریبوں کے حقوق دبا لیتے ہیں اور ان کے مال وجائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے ہیں اور اس کا ظلم اور برا ہونا ہر عقلمند پر ظاہر ہے۔اس لئے حب مال کا علاج لازم ہوا، اسلام نے اس کے لئے زکوٰۃ کو فرض کیا ہے جس سے مال کی حرص گھٹ جاتی ہے اور دنیا کی محبت سے دل پاک ہوجاتا ہے۔

زکوٰۃ لینے والے کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی زکوٰۃ دینے والے کے ساتھ محبت

ہوتی ہے دیکھو حاتم طائی سے سخاوت کی وجہ سے سب کو اس سے محبت ہے اور اتفاق کی جڑ محبت ہے تو دیکھو زکوٰۃ کو اتفاق میں کتنا بڑا دخل ہے۔

اسی طرح حج میں غور کیجئے کہ سارے دنیا کے آدمی ایک کام میں ایک زمانہ میں ایک مکان میں جمع ہوتے ہیں اور تمام سامانِ تکبر سے خالی ہوکر ایک عظیم الشان دربار میں حاضر ہوتے ہیں، جس کو اتحاد واتفاق میں بہت بڑا دخل ہے۔ چنانچہ وہاں بہت کم حادثے پیش آتے ہیں۔

اور تمام اعمال کا حاصل یہ ہے کہ نفس کو جانوروں کی طرح آزاد نہ چھوڑا جائے بلکہ اس کو پابند کیا جائے اور ناگوار امور کے استقلال وتحمل کا عادی کیا جائے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ”تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ“ کے عنوان سے بیان فرمایا ہے جس میں تمام اعمال کا مغز بتلادیا گیا ہے، تو اس طرح نصیحت کرنے سے مخاطب کو وحشت نہ ہوگی۔

(التواصی بالحق: ص۱۷۲، ضرورۃ العلماء: ص۸۴)

www.alislahonline.com

﴿باب ۱۲﴾

عقائد واعمال کی تبلیغ کا بیان

فصل (۱)

عقائد حقہ کی تبلیغ اور عقائد واعمال کی تبلیغ کا فرق

عقائد کی تبلیغ کی ابتداء تو دشوار ہے مگر بقا (باقی رہنا) سہل ہے اور تبلیغ اعمال میں ابتداء آسان ہے مگر بقاء دشوار ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ گو عقائد کی تبلیغ میں مخاطب کو ناگواری زیادہ ہوتی ہے۔ مگر جب وہ اپنے سابق عقائد کی غلطی سمجھ کر عقائد حقہ (درست عقائد) اختیار کرلیتا ہے تو اب اس کے لئے بار بار تبلیغ کی ضرورت نہیں رہتی۔ بخلاف اعمال کے کہ ان کی تبلیغ ابتداء (شروع) میں تو دشوار نہیں۔ نہ مخاطب کو اس میں ناگواری زیادہ ہوتی ہے مگر اس میں تبلیغ کی بار بار حاجت ہوتی ہے۔ کیوں کہ انسان اپنے اعمال فاسدہ کو ایک بار چھوڑ کر لذت نفسانی کی وجہ سے پھر اختیار کرلیتا ہے تو اس میں ابتدائی تبلیغ کافی نہیں ہوتی۔ بلکہ تبلیغ کو باقی رکھنے کی بھی حاجت رہتی ہے۔ (التواصی بالحق: ص۱۸۴)

عقائد میں تو ہر شخص اسی عقیدہ کا معتقد ہوتا ہے جس کو وہ حق سمجھتا ہے کوئی شخص اپنے نزدیک باطل عقیدہ کا معتقد نہیں ہوتا۔ کیوں کہ عقائد میں کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ نہ ان میں کچھ لذت ہوتی ہے۔ خواہ مخواہ لذت کی وجہ سے غلط اور باطل عقیدہ کا اعتقاد قائم کیا جائے۔ اور اعمال میں چونکہ لذت ہوتی ہے اس لئے انسان اعمال فاسدہ کا جان بوجھ کر بھی مرتکب ہوجاتا ہے۔ گو جانتا ہے کہ یہ عمل برا ہے مگر لذت کی وجہ سے اس کو اختیار کرتا ہے جیسا کہ بہت سے

لوگ زنا اور شراب خوری میں مبتلا ہیں اور اس کی برائی سے بھی واقف ہیں مگر عقائد میں یہ بات نہیں ہے کہ لذت کی وجہ سے کوئی جان بوجھ کر کوئی غلط عقیدہ کا معتقد ہو کیوں کہ وہ پھیکی (بے مزہ) چیز ہے اس میں نفسانی لذت کچھ نہیں۔اسی لئے عقائد میں ہر شخص اُسی بات کا معتقد ہوتا ہے جو اس کے نزدیک حق ہوتا ہے۔پس اب عقائد حقہ شرعیہ (درست عقائد) کی جب لوگوں کو تعلیم کی جائے گی۔تو گویا مخاطب فاسد العقائد (جس کا عقیدہ غلط ہو) اس کے خیال میں طاعات سے چھڑایا جاتا ہے اسی لئے عقائد کی تبلیغ لوگوں کو نا گوار ہوتی ہے۔

نیز عقائد کا فساد محسوس نہیں ہوتا۔صرف عقلی فساد ہوتا ہے اور اعمال کا فساد حسّی ہوتا ہے (یعنی) ان کے مفاسد کا مشاہدہ کرایا جاسکتا ہے اسی لئے مخاطب کو اپنے عقائد کا فساد جلدی معلوم نہیں ہوتا۔بلکہ جو ان کو غلط کہے اس کی بات نا گوار ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے عقائد کی تبلیغ عام طور پر لوگوں کو نا گوار ہوتی ہے اور یہی نا گواری سبب ہے اس بات کا کہ ہم لوگ کفار کو اسلام کی تبلیغ نہیں کرتے۔بلکہ آج کل عموماً ہر قسم کی تبلیغ اس لئے متروک ہے کہ مخاطب کو اس سے نا گواری ہوتی ہے اور عقائد کی تبلیغ میں یہ نا گواری زیادہ ہوتی ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ مخلوق کی نا گواری کو کون اپنے سر لے۔مگر یہ کوئی عذر نہیں۔اگر ہمارے اسلاف بھی اس کا خیال کرتے تو آج ہم میں سے کسی کو بھی کلمہ شہادت نصیب نہ ہوتا۔

(التواصی بالحق:ص۱۷۹)

عمل کی اہمیت اور اعمال میں تبلیغ کی ضرورت

لوگ عقائد کو ضروری سمجھتے ہیں اعمال کو ضروری نہیں سمجھتے۔چنانچہ تعریف میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے عقائد بہت اچھے ہیں۔اور اس تعریف کو کافی سمجھتے ہیں۔اور صحت عقائد کے بعد اس کے اعمال پر نظر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔اسی لئے اعمال کے متعلق امر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی نہیں کرتے۔بلکہ غضب یہ ہے کہ اعمال کی کوتاہی کو منکر

www.alislahonline.com

(برا) بھی نہیں سمجھتے۔ہم نے مانا کہ عقائد کا اچھا ہونا بڑی بات ہے اور یہ بھی اپنی جگہ پر قابل تعریف ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ اعمال کو غیر ضروری کیوں سمجھا جاتا ہے۔اور ان میں کوتاہی کرنے کو نقص (کمی وعیب) کیوں نہیں سمجھا جاتا۔اگر آپ یہ کہیں کہ اعمال فرع (یعنی بمنزلہ شاخ کے) ہیں۔تو میں کہتا ہوں کہ کیا فرع کے نقص سے شئی (اس چیز) میں نقص نہیں آتا؟ دیکھئے آپ امرود کا ایک درخت لگائیں جس کا بیج الٰہ آباد سے عمدہ امرودوں کا بڑے اہتمام سے انتخاب کر کے منگایا گیا تھا۔مگر آپ کے باغ میں آکر اس عمدہ بیج سے درخت تو بہت بڑا لگ گیا لیکن پھل ایک بھی نہ آیا۔تو کیا اس صورت میں آپ اپنے دوستوں کے سامنے خوش ہو کر اس درخت کی یوں تعریف کریں گے کہ یہ بڑا قیمتی درخت ہے۔اس کا بیج بہت عمدہ الٰہ آباد سے آیا ہے۔یا افسوس کے ساتھ یوں کہیں گے کہ اس کا بیج بڑے اہتمام سے منگایا گیا تھا۔مگر افسوس اس نے پھل نہیں دیا اور اگر اتفاق سے پھل بھی آیا مگر الٰہ آباد جیسا شیریں نہ ہوا بلکہ معمولی امرودوں سے بھی بدتر نکلا۔تو اس صورت میں آپ ہرگز بیج کی تعریف کر کے اپنا جی خوش نہ کریں گے۔بلکہ سخت رنج وافسوس کے ساتھ یہ کہیں گے کہ بڑی مشقت کے ساتھ میں نے الٰہ آباد سے عمدہ بیج منگایا تھا مگر ساری محنت ضائع ہو گئی پھل بالکل خراب نکلا۔

میرا مقصود اس مثال سے یہ ہے کہ آپ دنیوی امر میں محض اصل کی عمدگی کو تعریف کے لئے کافی نہیں سمجھتے، بلکہ اس کے ساتھ فرع کی عمدگی پر بھی نظر ہوتی ہے۔

پھر دین کے معاملہ میں کیا وجہ ہے کہ صرف عقائد یعنی اصول کی عمدگی پر نظر کی جاتی ہے اور اسی کو تعریف کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور اعمال کی عمدگی پر کیوں نہیں نظر جاتی؟ اور اس کے نقص (یعنی اس میں کمی ہونے) سے افسوس کیوں نہیں کیا جاتا؟ اور اس افسوس کا اثر آپ میں کیوں نہیں ظاہر ہوتا؟

دیکھئے! اگر ایک شخص کا چہرہ حسین ہے، مگر ہاتھ پیر بھدّے ہیں یا انگلیاں مڑی ہوئی ہیں تو ہر چند کہ حسن (خوبصورتی) میں چہرہ ہی کا حسن اصل ہے، مگر یہ نہیں کہ ہاتھ پیر کا اعتدال

مطلوب نہ ہو۔گوآپ کواس بات سے نفرت نہ ہوگی جتنی اس شخص سے ہوتی ہے جس کا چہرہ بھی بدشکل ہے۔مگر ظاہر ہے کہ جس شخص کے ہاتھ پیراور انگلیاں بھی حسین ہوں اور چہرہ بھی حسین ہواس کی طرف زیادہ میلان ہوگا۔اور پہلے شخص کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے جب آپ یہ کہیں گے کہ چہرہ،آنکھ،ناک بڑے خوبصورت ہیں،ساتھ ہی یہ بھی کہیں گے کہ مگر افسوس اس کا ہے کہ اس کی انگلیاں مڑی ہوئی ہیں۔اگر یہ نقص (عیب) نہ ہوتا تو بہت ہی حسین ہوتا۔

اب بتلایئے کہ اسی طرح حسن دین میں فساد اعمال کوآپ منکر (برا) کیوں نہیں سمجھتے؟ اور ایسے شخص سے آپ کا دل کیوں کرملتا ہے جوفروع دین (یعنی اعمال) میں ناقص ہے۔اس سے بلاتکلف دوستی کس طرح کی جاتی ہے؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:"مَنْ رَّاٰیٰ مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ فَمَنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَمَنْ لَمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانُ" (یعنی جو شخص تم سے کوئی امر منکر کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے یا ہاتھ سے یا دل سے۔امر منکر کا یہ مقتضاء ہے شرعاً

پھر یہ کیا غضب ہے کہ ہم لوگ امر منکر کو دیکھ کر نہ ہاتھ سے روکتے ہیں نہ زبان سے ،نہ دل سے نفرت کی جاتی ہے۔بلکہ اعمال میں کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ وہی بشاشت اور دوستی ہوتی ہے جیسے کامل ایمان والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔گویا آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے وکیل ومختار ہیں کہ جس چیز کو چاہیں معاف کردیں اور جس منکر سے چاہیں قطع نظر کرلیں۔

اصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے عقائد کی اہمیت کے سمجھنے میں غلطی کی ہے اور یہ سمجھ گئے کہ اہمیت عقائد کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بعد اصلاح اعمال کی ضرورت ہی نہیں اور یہ بالکل غلط ہے۔اس لئے خاص اس اعتبار سے اعمال زیادہ مہتم بالشان ہوگئے۔

(التواصی بالحق ملحقہ دعوت وتبلیغ:ص ۲۱۳،۲۱۴)

www.alislahonline.com

فصل (۲)

فساق واہل بدعت سے اختلاط اور منکر پر سکوت خود معصیت ہے

فرمایا:بعض لوگ وہ ہیں جو بظاہر خودتو نیک اعمال کرتے ہیں اور معاصی (گناہوں) سے بچتے ہیں۔مگر اس کے ساتھ ان لوگوں کے افعال غیر مشروع ومعاصی (ناجائز کاموں) میں بھی شریک رہتے ہیں۔جو خدا کے نافرمان ہیں۔محض اس خیال سے کہ یہ دنیا ہے اس میں رہتے ہوئے برادری،کنبہ (خاندان) کو کیسے چھوڑا جاسکتا ہے۔

اور بعض لوگ وہ ہیں جو شریک تو نہیں ہوتے مگر (موجود) ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی ان کو منکرات (غلط کام) کرنے والوں کے افعال سے نفرت بھی نہیں ہوتی۔ان میں شیر وشکر کی طرح ملے جلے رہتے ہیں۔یعنی روزانہ کھانے پینے میں ان سے کوئی پرہیز نہیں کرتے۔ حاصل یہ کہ اپنے برتاؤ سے ان پر اظہار نفرت نہیں کرتے۔ایسے لوگوں کے لئے یہ شرکت یا سکوت خود معصیت ہے۔ (الافاضات الیومیہ:ص ۱۷/ج ۲)

کفار وفساق اور اہل بدعت سے تعلقات رکھنے کی تین صورتیں

موالات،مدارات،مواسات،اور مداہنت کی تشریح

کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں۔

موالات یعنی دوستی، مدارات یعنی ظاہری خوش اخلاقی ،مواساۃ یعنی احسان ونفع رسانی۔

ان معاملات میں تفصیل یہ ہے کہ موالات (یعنی قلبی دوستی) تو کسی حالت میں جائز

نہیں۔

اور مدارات (یعنی خوش اخلاقی) تین حالتوں میں درست ہے،ایک دفع ضرر (یعنی نقصان سے بچنے) کے واسطے۔دوسرے اس کافر کی دینی مصلحت یعنی ہدایت کی توقع کے واسطے۔تیسرے اکرام ضعیف کے لئے۔اور اپنی مصلحت یا مالی منفعت یا جاہ کے لئے درست نہیں۔خصوصاً جب کہ دینی ضرر (نقصان) کا بھی خوف ہو تو بدرجہ اولیٰ یہ اختلاط حرام ہوگا۔

اور مواساۃ (یعنی احسان ونفع رسانی) کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ (یعنی جن کفار سے جنگ وقتال ہے ان کے ساتھ) ناجائز ہے اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز ہے۔
اور یہی حکم فساق اور اہل بدعت کا ہے۔

(بیان القرآن:ص ۱۱/ج ۳،آل عمران)

www.alislahonline.com

مدارات کی ضرورت اور مداہنت کی ممانعت

فرمایا:مدارت کا حاصل ہے جاہلوں کے ساتھ نرمی کرنا۔تاکہ وہ حق کی طرف آجائیں۔اور اہل شر کے ساتھ نرمی کرنا۔تاکہ ان کے شر سے حفاظت رہے اور یہ دونوں امر مطلوب ہیں۔اوّل (یعنی جاہلوں کے ساتھ نرمی کرنا) تو خود دین میں مقصود ہے۔اور ثانی (یعنی اہل شر وفتنہ کے ساتھ نرمی کرنا) مقصود (یعنی تبلیغ) میں معین (مددگار) ہے کیوں کہ کسی شریر کی ایذاء (تکلیف) میں مبتلا ہوجانے سے کبھی طاعت میں اور اکثر تبلیغ میں بھی خلل پڑتا ہے۔

اور مداہنت میں بددینوں کے ساتھ نرمی کرنا ہوتا ہے تاکہ ان سے مال وجاہ کا نفع حاصل کرے۔

(ملفوظات کمالات اشرفیہ مطبوعہ پاکستان:ص ۱۰۳،۱۰۴)

فصل (۳)

دینداروں اور نمازیوں کو بھی عمل کی دعوت دیتے رہنا چاہئے

خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے:" وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ " یعنی خود بھی نماز ادا کیجئے اور اپنے گھر والوں کو بھی حکم کیجئے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے کیا نماز نہیں پڑھتے تھے؟ ان جیسا تو نمازی بننا مشکل ہے لیکن اس کے ساتھ ہی جو آپ کو حکم ہوا ہے کہ اہل بیت (گھر والوں) کو نماز کا حکم کیجئے۔تو اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص (عمل) کرتا بھی رہے اسے بھی کہتے رہو،دیکھو جب بچہ قرآن شریف ختم کرتا ہے تو جو شفیق استاذ ہوتا ہے وہ اس سے کہتا رہتا ہے کہ بھائی اس کو بھول مت جانا بلکہ دو ایک منزل ہمیشہ پڑھتے رہنا۔شفیق استاد یہ نہیں کرتا کہ میں نے تو اب ختم کرادیا آگے وہ جانے۔اس کا کام جانے۔

یا تم نے اپنے کسی عزیز کو حساب سکھلا دیا ہو،تو اسے کہتے رہتے ہو کہ دیکھو روزانہ ایک دو سوال نکال لیا کرو نہیں تو بھول جاؤ گے اور پھر اس پر بس نہیں کرتے بلکہ روز یا دوسرے تیسرے دن اس سے پوچھتے رہتے ہیں کہ سوال نکالا تھا یا نہیں۔اگر کسی دن اس نے سستی کی تو ڈانٹتے ہو۔

اسی طرح اپنی اولاد اور اپنے بچے کو بیماری میں آپ نے سکھلا دیا کہ تم کو فلاں چیز (نقصان دہ) ہے مثلاً کھٹائی مت کھانا وہ یہ نقصانات کرے گی اور وہ سمجھ بھی گیا کہ یہ شئی مضر ہے۔مگر پھر بھی تم دوسرے تیسرے دن کہتے رہتے ہو کہ دیکھو کبھی کھٹائی نہ کھانا۔اب وہ کہتا ہے کہ میں نے سمجھ لیا ہے،سن لیا ہے پھر روزانہ کہنے کی ضرورت کیا؟ تو اس سے کہتے ہو کہ بھائی محبت کا تقاضہ ہوتا ہے اسی لئے کہتا ہوں،ایسا نہ ہو کہ کبھی غلطی اور دھوکہ سے کھا جاؤ،اور

نقصان کر جائے۔ تو اسی طرح حق سبحانہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کیجئے، باوجودیکہ حضرات ازواج مطہرات اس کی نہایت پابند تھیں اور ایسی کامل ولیات تھیں کہ ان کے فضائل قرآن پاک میں جابجا موجود ہیں۔ ایک مقام پر تو تصریح ہے کہ "یٰنِسَاءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ" کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ کیا اس طرح بے نمازیوں کے فضائل میں ایسا خطاب ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مگر پھر بھی حکم ہوتا ہے: "وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ" کہ اپنے گھر والوں سے نماز کے لئے کہتے رہو، کہنا مت چھوڑو۔

واقعی کہنے کی بڑی برکت ہوتی ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے متقی اور نیک لوگ بھی چند روز کے بعد کچی کاٹ جاتے ہیں (سست پڑ جاتے ہیں) کہنے سننے سے پھر تنبیہ ہوجاتی ہے۔ اور اسی لئے تو نیک صحبت کی تاکید آئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عمل میں اس سے پختگی ہوتی ہے، صحبت صالح کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ نمازی آدمی بے نمازیوں کی صحبت سے چند دنوں میں بے نمازی ہوجاتا ہے۔ پس یا تو اپنے بڑوں کی صحبت میں رہو۔ اگر بڑے میسر نہ ہوں تو چھوٹوں ہی کی صحبت میں رہو۔ بشرطیکہ وہ نیک اور صالح ہوں۔ بڑے کے پاس رہنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے حالات کو دیکھ کر شوق پیدا ہوگا۔ اگر کوئی لغزش ہوجائے۔ تو وہ روک ٹوک کرے گا۔ اور چھوٹوں کی صحبت سے یہ فائدہ ہوگا کہ ان کے اعمال صالحہ کو دیکھ کر شرم آئے گی۔ کہ ہائے اتنے چھوٹے چھوٹے بچے تو کیا کچھ کرتے ہیں، کس قدر خوفِ خدا ان میں ہے۔ کس پابندی سے احکام کو ادا کرتے ہیں اور ہم نہیں کرتے بڑے شرم کی بات ہے۔ غرض جس طرح بڑے سے نفع ہوتا ہے کبھی چھوٹے سے بھی نفع ہوتا ہے، یہی راز ہے صحبت کا کہ اس سے عمل میں پختگی ہوتی ہے۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۱۰۸)

www.alislahonline.com

﴿باب ۱۳﴾

کفار کو تبلیغ کرنے کا بیان

تکمیلِ اسلام وتبلیغ اسلام دونوں ہی کی دعوت دینا چاہیے

جب اسلام ہی دین کامل ہے تو جن لوگوں کے پاس یہ نعمت نہیں ہے ان کے پاس بھی اس کو پہونچانا چاہئے۔ کیوں کہ اول تو یہ بات مروّت وہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک نافع (سودمند) چیز سے خود ہی نفع اٹھایا جائے۔ اور دوسروں کو محروم رکھا جائے۔ دوسرے ہم کو شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی خوبیاں معلوم نہیں ان کے سامنے اس کے محاسن کو بیان کریں۔

تو اب دو قسم کے لوگ ہیں: ایک وہ جن کے پاس اسلام کی نعمت ہے مگر ادھوری ہے۔ ان کو تو پورا مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس شعبہ کا نام میں تکمیل اسلام رکھتا ہوں۔ دوسرے وہ جن کے پاس یہ نعمت نہیں ہے، ان کو اسلام پہنچانا چاہئے۔ اس شعبہ کا نام میں تبلیغ اسلام رکھتا ہوں۔ اس میں بہت زمانہ سے مسلمان کوتاہی کر رہے ہیں۔ اس فرض کو سب ہی نے بھلا دیا، حالانکہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا وہاں پڑھنا پڑھانا اور کتابوں کا درس کہاں تھا۔

ہماری یہ حالت ہے کہ بہت لوگ تو اس کو معمولی کام سمجھتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کی ضرورت ومرتبہ کو سمجھتے ہیں وہ بھی ایسی جگہ جا کر تبلیغ کرتے ہیں جہاں ان کی خاطر ومدارات ہوتی ہے۔ کفار میں جا کر کوئی تبلیغ نہیں کرتا۔ کیونکہ وہاں خاطر ومدارات کہاں۔ بلکہ بعض دفعہ تو برا بھلا سننا پڑتا ہے۔ اس وجہ سے لوگ کفار کو تبلیغ کرتے ہوئے رکتے ہیں۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۲۸۷)

کفار کو تبلیغ اسلام کرنے کی ضرورت اور اس کا طریقہ

اسلام کی خدمت قاعدے سے کرو، اس وقت تبلیغ اسلام کی سخت حاجت ہے اس کے لئے اٹھ کھڑے ہو..........اور چونکہ اس وقت ترغیب اسلام کی سخت ضرورت ہے اس لئے لازم ہے کہ اس میں سب حصہ لیں اور اسلام کی خوبیاں بیان کر کر کے لوگوں کو اسلام سے مانوس کریں۔

علماء سے پوچھیں ہمیں کیا کام کرنا چاہئے۔ اس کا طریقہ کیا ہے اپنی رائے سے کام تجویز نہ کرو مبلغین کی خرچ میں مدد کرو مگر اپنے انتخاب سے کسی کو مبلغ مت بناؤ، علماء سے پوچھو، کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۸۵)

اپنی بھی تکمیل کرو، اور تبلیغ بھی کرو۔ اور اس طرح کرو جیسے قرآن میں ہے، تو مسلم اور کافروں کو بھی سمجھاؤ کسی سے لڑو بھڑو مت، مناظرہ مروجہ مت کرو۔ کیوں کہ یہ آداب تبلیغ کے خلاف ہے، اور اس سے نفع بھی نہیں ہوتا۔ اس کا تجربہ ہو چکا ہے حتی کہ غیر قوموں نے بھی اس کا تجربہ کرلیا ہے وہ بھی اب مناظروں سے کنارہ کش ہونے لگے۔ بس اسلامی مضامین کان میں ڈالے جاؤ۔ بار بار اسلام کی خوبیاں سناتے رہو، یہی طرز قرآن میں ہے جگہ جگہ فرماتے ہیں: "صَرَّفْنَا الْاٰیَاتِ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ" یعنی بار بار مضامین کو دہراتے ہیں اگر ہم لوگ اس طرز کو کریں یعنی وقتاً فوقتاً احکام پہونچاتے رہیں تو انشاء اللہ بہت نفع ہوگا اور اگر نفع نہ بھی ہو تو ہمارا کیا بگڑا ہم نے اپنا فرض اتار دیا جو کام ہمارے ذمہ تھا وہ ادا کردیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرو، جنگ وجدال بحث ومباحثہ کی ضرورت نہیں، کیا اس کے محاسن کم ہیں جو ان کو چھوڑ کر جنگ وجدال میں مشغول ہوں، اس کے حسن ہی کے بیان کرنے سے فرصت نہیں مل سکتی، پھر لڑائی جھگڑے کی فرصت کب مل سکتی ہے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۸۰،۶۷)

www.alislahonline.com

غیر مسلموں میں کام کرنے کی ترتیب

اسلام میں دو چیزیں ہیں: اصول وفروع، عقائد کو اصول کہتے ہیں اور اعمال کو فروع۔ اور اس پر سب عقلاء کا اتفاق ہے کہ ہر مذہب کی خوبی کا مدار اس کے اصول کی پاکیزگی پر ہے۔ جس کے اصول پاکیزہ اور حق ہیں اس کے فروع بھی پاکیزہ ہوں گے، اس لئے مخالفین کے سامنے ہم کو سب سے پہلے اسلام کے اصول کی پاکیزگی ثابت کرنا چاہئے کیونکہ اصول عقلی ہوتے ہیں، ان پر عقلی دلائل قائم کر کے فریق مخالف پر حجت قائم کر سکتے ہیں۔ اور فروع کا عقلی ہونا لازم نہیں۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ ان کا ثبوت عقل سے ہو بلکہ بہت سے فروع سمع ونقل سے ثابت ہوتے ہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ فروع عقل کے خلاف نہ ہوں۔ سو بحمد اللہ اسلام کے اصول سب عقلی ہیں اور فروع عقل کے خلاف نہیں۔

پس سب سے پہلے کفار کے سامنے توحید ورسالت کو ثابت کیا جائے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرلیں گے تو اس کے بعد جس فرعی مسئلہ کی وہ دلیل مانگیں اس کے جواب میں اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فلاں ارشاد سے ثابت ہے خواہ صراحتہً یا دلالۃً۔ اس کے بعد اگر وہ یہ کہے کہ یہ حکم عقل کے خلاف ہے تو ہمارے ذمہ اس کو ثابت کرنا ہوگا کہ یہ حکم خلافِ عقل نہیں ہے کیوں کہ خلاف عقل محال ہوتا ہے یا قبیح، اور یہ حکم نہ محال ہے نہ اس میں کوئی قباحت ہے۔ (محاسن الاسلام: ص ۳۰۰)

کفار کو اسلام کی تبلیغ کرنے کا طریقہ

اگر کافر سے دفعتہً (یکبارگی) یہ کہا جائے کہ اسلام لے آؤ تو اس سے گھبرا جائے گا۔ پس حق تعالیٰ نے وعظ وتبلیغ کا طریقہ بتلایا ہے کہ نصیحت کے وقت پہلے مخاطب سے یوں کہو کہ آؤ ہم تم کو ایک سچی بات بتلائیں کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا ایک ہے اس کے وجود کو ماننا

چاہئے جب اس نے اس کو مان لیا تو اب یہ کہو کہ وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔اس کا علم ایسا ہے۔قدرت ایسی ہونا چاہئے۔اس کو شرکت ومساوات اور تمام عیوب سے پاک ہونا چاہئے۔ان باتوں کو سب مانیں گے۔

اس کے بعد اس سے کہو کہ پھر دیکھو کہ صانع عالم (دنیا کو پیدا کرنے والے) کی توحید اور تعظیم اس کی شان کے لائق کس مذہب میں ہے؟ یقیناً اسلام کے سوا کسی مذہب میں یہ بات نہیں۔اب اس سے کہو کہ تم کو اسلام لانا چاہئے۔کیوں کہ اسلام ہی میں ان باتوں کی بخوبی تعلیم دی گئی ہے اس طرح مخاطب کو ذرا بھی وحشت نہ ہوگی۔اور اگر دوسرے شخص کو شرعی اصطلاحوں میں نصیحت کروگے (مثلاً کافر سے یہ کہا جائے کہ اسلام لے آؤ) تو اس کو وحشت ہوگی۔(التواصی بالحق:ص۱۶۸)

www.alislahonline.com

موجودہ حالات میں مسلمانوں کو تبلیغ کی جائے یا غیر مسلموں کو کی جائے؟

ایک صاحب نے عرض کیا کہ یہ تو مسلم ہے کہ دینیات کی تبلیغ ضروری ہے لیکن یہ دریافت طلب ہے کہ اگر تبلیغ کی جائے تو غیر مسلموں کو (نہ کہ مسلمانوں کو) کیوں کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمان تو جیسے بھی ہیں وہ تو کبھی نہ کبھی جنت میں پہونچ ہی جائیں گے۔باقی رہے کفار، سو وہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔کبھی ان کو دوزخ سے خلاصی نہ ہوگی لہٰذا کفار کے لئے اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو حق کی (اسلام کی) تبلیغ کی جائے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اصل میں تو مسلموں اور غیر مسلموں دونوں ہی کو تبلیغ کی ضرورت ہے اور جیسے اصول (عقائد توحید رسالت) ضروری ہیں۔اسی طرح فروع (احکام ومسائل) پر بھی عمل ضروری ہے تو ضرورت دونوں میں مشترک ہے گو دونوں کی ضرورت کے

درجہ میں فرق ہے۔مگر اس سے فروع کا غیر ضروری ہونا ثابت نہیں ہوسکتا۔

البتہ اگر کوئی شخص دونوں کام نہ کرسکے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس مقام پر مسلمانوں کو تبلیغ کرنے میں اصلاح کی زیادہ امید ہے یا غیر مسلموں میں تبلیغ کرنے میں ان غیر مسلموں کا زیادہ نفع ہے؟ بس جس صورت میں مخاطبین کے نفع کی زیادہ امید ہو، اس صورت کو اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے۔اور نفع کی زیادہ امید کے موقع کی ترجیح میں خود اپنی رائے سے نہیں دے رہا بلکہ اس کا فیصلہ خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔چنانچہ سورۂ ''عبس''...... میں ان نابینا صحابی یعنی ابن ام مکتوم کے واقعہ میں ان دونوں موقعوں کا ذکر فرمایا۔اور ان دونوں موقعوں میں سے جس موقع میں نفع کی زیادہ امید تھی۔اس کو ترجیح دی گئی ہے۔

یعنی سورہ عبس میں ایک تو اس موقع کا ذکر ہے جو موقع کفار کی تبلیغ کا تھا۔کیونکہ کفار (غیر مسلموں) کے بعض سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کو اصول (توحید رسالت) کی تبلیغ کی ضرورت تھی تو گو وہ موقع اصول کی تبلیغ کا تھا۔مگر وہاں، نفع یقینی نہ تھا۔

اور دوسرا موقع ان نابینا صحابی کو تبلیغ کا تھا اور وہ یہ موقع فروع (مسائل) کی تبلیغ کا تھا۔مگر یہاں مخاطب کے نفع کا یقین تھا، اس لئے ان نابینا صحابی کی تبلیغ کو ان کفار کی تبلیغ پر ترجیح دی گئی۔

(الافاضات الیومیہ نہم جزءاوّل:ص۶۶،۶۷/ج۹)

﴿باب ۱۴﴾

دعوت وتبلیغ کا طریقہ اور حکمت کی تشریح

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ”اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ“ (یعنی اپنے رب کی طرف لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ بلاؤ، اور اچھے طریقے سے مجادلہ کرو) اس میں سبیل رب (یعنی اللہ کی طرف) بلانے کا حکم ہے۔

اب رہا یہ کہ اس دعوت کا طریقہ کیا ہے؟ سواس کے متعلق حق تعالیٰ نے تین چیزیں بتلائی ہیں۔ دعوت بالحکمۃ، دعوت بالموعظۃ الحسنۃ، اور ایک مجادلہ، یعنی ایک قسم تو دعوت کی یہ ہے کہ حکمت کے ساتھ کی جائے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ موعظہ حسنہ کے ساتھ دعوت کی جائے، اور ایک یہ کہ مجادلہ حسنہ کیا جائے۔ اس کی توجیہ مختلف ہوسکتی ہیں۔ جو بات میری سمجھ میں آتی ہے وہ عرض کرتا ہوں۔ کہ جب کسی کو...... سبیل رب (یعنی اللہ کی طرف) دعوت ہوگی۔

تو اس میں دو چیزیں ہوں گی۔ ایک تو داعی کا مطلب، اور ایک اس کی نقیض (مخالف شئی) ہوگی۔ اس لئے گفتگو میں دو چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ ایک تو اپنے دعویٰ کا اثبات اور دوسرے کے دعویٰ کا ابطال۔ تو حکمت یہ ہے کہ اپنے دعویٰ پر علمی دلائل قائم کئے جائیں۔

اور مجادلہ یہ ہے کہ مخالف کے مدعیٰ کو باطل کیا جائے، اصل مقصود تو یہ دونوں ہیں۔ باقی تیسری چیز ایک اور ہے اور وہ موعظہ حسنہ ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ساتھ شفقت بہت زیادہ ہے اس لئے موعظہ حسنہ کو بھی ایک طریقہ بتلادیا۔

(آداب التبلیغ: ص ۱۱۲)

www.alislahonline.com

موعظۃ حسنہ کی تشریح اور نصیحت کرنے والوں کی دو قسمیں

موعظۃ حسنہ کی حقیقت یہ ہے کہ نصیحت کرنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو ضابطہ کے ساتھ نصیحت کرنے والا۔ وہ تو اپنے ضابطہ کی خانہ پُری کردیتا ہے۔ دوسرا وہ ناصح جس کو مخاطب پر شفقت بھی ہے۔ مثلاً ایک تو منادی کا حکم سنانا ہے اور ایک باپ کا نصیحت کرنا، دونوں میں بڑا فرق ہے۔ منادی کا حکم تو ضابطہ کا ہے صرف حکم کا پہونچانا اس کا فرض منصبی ہے اب تم مانو یا نہ مانو اس کو اس سے کوئی بحث نہیں۔ اور باپ صرف سنانے پر قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ اس کی شفقت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ کسی صورت سے اس کو منوالوں۔ اس لئے وہ ایسی صورت اختیار کرتا ہے کہ بیٹا مان ہی لے۔

تو دیکھئے دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا کوئی شفیق نہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی خیر خواہ نہیں تو محض شفقت ہی کے مقتضیٰ سے اوّلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور ثانیاً آپ کی امت کو فرمایا ہے کہ دعوت میں صرف حکمت یعنی دلائل (اور محض حکم پہونچادینے) پر اکتفا نہ کرو بلکہ ساتھ ساتھ موعظۃ حسنہ بھی کرتے رہو۔

موعظۃ حسنہ سے ایسے اثر انداز مضامین مراد ہیں جس سے مخاطب میں نرمی پیدا ہو، دل پگھل جائے۔ اور اس کا مصداق ترغیب وترہیب ہے۔ یعنی جنت کے درجات کی ترغیب اور جہنم کے خطرات سے ترہیب کرنا۔ غرض اصل مقصود تو احکام کا سنانا ہے خواہ عقائد ہوں یا احکام، باقی مخاطب کو متاثر کرنے کے لئے ترغیب وترہیب کا بھی ایک درجہ ہے۔

(آداب التبلیغ: ص ۱۱۳)

مجادلۃ حسنہ کی حقیقت

”وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ“ یعنی ان سے مجادلہ کیجئے۔ اس میں دو احتمال

تھے۔ایک مجادلہ حسنہ کا،اور ایک مجادلہ سیئہ (یعنی برے طریقہ کا) اس لئے (آیت میں) احسن کی قید لگادی۔اور مجادلہ سیئہ سے ممانعت کردی رہا یہ کہ مجادلۃ میں تو احسن کی قید لگائی اور حکمت کے ساتھ حسنہ کی قید کیوں نہیں لگائی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں غیر حسنہ کا احتمال ہی نہیں کیوں کہ اپنے دعویٰ کی دلیل بیان کرنے میں کسی کو ناگواری نہیں ہوتی۔اور دوسرے کے دعویٰ کو رد کرنے میں اسے کبھی انقباض (اور تنفر) ہوتا ہے اس لئے وہاں قید نہیں لگائی۔اور یہاں قید لگائی، کہ اگر (کسی کا) رد ہو تو احسن طریقے سے ہو جس سے کسی کو رنج اور کلفت نہ ہو۔

سبحان اللہ! بندوں پر کس قدر شفقت ہے کہ مخالف کی اتنی رعایت کی کہ اس کا رد اگر ہو تو ایسے طریقہ سے ہو کہ اس پر حقیقت تو منکشف ہو جائے مگر برا بھلا کسی کو نہ کہا جائے۔

اور رد کرنے میں جو میں نے قید لگادی ہے کہ حقیقت ظاہر ہو جائے یہ اس لئے ہے کہ بعض دفعہ جواب ایسا گول مول ہوتا ہے کہ خصم (فریق مخالف) پر حقیقت ظاہر نہیں ہوتی۔ اور یہ حسن مجادلہ کے خلاف ہے، اس لئے چاہئے کہ کہے تو صاف صاف مگر احسن طریقہ سے۔ چنانچہ "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" کا یہی مطلب ہے کہ کھول کے صاف صاف بیان کردو، ورنہ جہالت سے نجات نہیں ہوتی۔

جو شخص گول مول بات کرتا ہے اس سے ہر شخص راضی تو رہتا ہے۔مگر اس کا اثر برا ہوتا ہے کہ مخاطب جہل مرکب میں مبتلا رہتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ بات صاف ہو مگر الفاظ سخت نہ ہوں۔"قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُ الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ" کا یہی مطلب ہے کہ سخت الفاظ سے بچو۔

(وعظ آداب التبلیغ ملحقہ دعوت وتبلیغ:ص ۱۱۶)

دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں ترغیب وترہیب کی ضرورت واہمیت

ترغیب وترہیب سے مخاطب کے دل میں احکام کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا

www.alislahonline.com

ہوگی۔پھر عمل کرنے کی توفیق ہو جائے گی۔کیوں کہ شروع شروع میں عمل تکلف سے ہوتا ہے ۔کیوں کہ طبیعت کے خلاف کام ہوتا ہے، اسلئے کوئی امر آمادہ کرنے والا اور ابھارنے والا ہونا چاہئے۔طبیعت کے خلاف تو دنیا کا بھی کوئی کام بغیر لالچ یا بغیر خوف کے نہیں ہوتا ہے پھر عادت ہو جاتی ہے۔اس وقت ترغیب وترہیب کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

مثلاً باپ اگر بیٹے کو کسی نقصان دہ چیز سے روکتا ہے تو اتنا کہہ دینا کہ "یہ چیز مت کھانا" حاکمانہ حق ادا کرنے کے لئے کافی ہے آگے اسے اختیار ہے چاہے پرہیز کرے یا بھاڑ میں جائے۔مگر باپ اتنی بات پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ شفقت کی وجہ سے کہتا ہے کہ بیٹا یہ چیز مضر ہے۔دست آور ہے اسے مت کھانا، یہ پیٹ میں درد پیدا کردے گی۔اس کے کھانے سے پھنسیاں نکل آئیں گی، تو اتنا لگنا لپٹنا شفیق ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ اس کو خوف دلانے کی کیا ضرورت پڑی تھی۔اور اسی طرح کبھی لالچ دلانے سے کام لیتا ہے اگر یہ دوا پی لوگے تو تم کو یہ دوں گا وہ دوں گا۔خود میرا ایک واقعہ ہے کہ بچپن میں ایک دفعہ بیمار ہوا۔حکیم صاحب نے دوائی تجویز کی مگر میں پیتا نہ تھا۔تو والد صاحب نے کہا کہ اگر دوائی پی لوگے تو تم کو ایک روپیہ دوں گا ۔بس روپیہ کی لالچ میں پی گیا۔

تو اس واسطے ضرورت ہے ترغیب وترہیب کی کیوں کہ ایسے آدمی بہت کم نکلیں گے جو بلا ترغیب وترہیب کے امتثال امر (اللہ کی اطاعت) کرلیں۔سبحان اللہ! حق تعالیٰ کی کتنی بڑی شفقت ہے کہ حضور کو اور امت کو یہ ترکیب بتلائی کہ آپ اس طریقہ سے (دعوت کا) کام کیجئے، کس قدر رحمت ہے کہ دشوار عمل کو آسان کردیا۔ (آداب التبلیغ:ص۱۱۴)

ترغیب وترہیب کی حقیقت اور اس کا طریقہ

ترغیب وترہیب بھی ایک حیثیت سے احکام ہی میں سے ہیں۔مثلاً جنت اور دوزخ کا مضمون عقیدہ کے درجہ میں تو احکام ہی میں داخل ہے اور عقائد میں سے ہے۔مگر

دوسری حیثیت سے ترغیب وترہیب ہے یعنی جہاں احکام سنانا اور جنت ودوزخ کا معتقد بنانا مقصود نہ ہو وہاں ترغیب وترہیب ہے۔

مثلاً کسی سے کہا کہ اگر نماز پڑھو گے تو ایسی جنت ملے گی جس کی یہ شان ہے اور جس کے یہ حالات ہیں۔اس کے اندر ایسی ایسی آسائشیں ہیں، اور اگر نہیں پڑھو گے تو دوزخ میں جاؤ گے، جس کے یہ یہ (ہولناک) واقعات ہیں۔تو یہ مضمون ترغیب وترہیب کی حیثیت سے محض مرقّق (دل کو نرم کرنے والا) ہے۔ (آداب التبلیغ:ص۱۱۳)

عام وعظ وتبلیغ میں مسائل نہیں بیان کرنا چاہئے

عوام کو تو ثواب وعذاب ہی کی باتیں یعنی فضائل بتانا چاہئے اور مسائل پوچھ پوچھ کر عمل کرلیا کریں۔وعظ میں فقہی مسائل بیان کرنے کی علماء کی عادت بالکل نہیں حالانکہ بظاہر ضروری معلوم ہوتا ہے۔اور مجھے پہلے یہ خیال ہوا کرتا تھا کہ پرانے علماء اپنے وعظ میں ترغیب وترہیب کے مضامین کے علاوہ مسائل فقہیہ نہیں بیان کرتے تھے اس کی کیا وجہ تھی۔

ایک مرتبہ میں نے لکھنؤ میں تین چار مسئلے سونے چاندی کے زیور کی خرید وفروخت کے متعلق اپنے وعظ میں بیان کئے جب لوگ وہاں سے منتشر ہوئے تو انہوں نے ان مسائل کا اعادہ کیا اور پورا ضبط نہ رہنے کی وجہ سے ایک مسئلہ کو دوسرے میں مخلوط کرکے آپس میں اختلاف کیا پھر معاملہ میرے سامنے تک آیا تب مجھے خیال ہوا کہ واقعی یہی وجہ تھی علماء کے وعظوں میں مسائل فقہیہ نہ بیان کرنے کی کہ لوگ ان میں خلط ملط اور گڑبڑ کرلیتے ہیں۔

اسلئے مناسب یہی ہے کہ جب لوگوں کو کوئی معاملہ پیش آئے تو وہ علماء کے سامنے بیان کریں اور اس وقت ان کو اس کے متعلق جواب دیا جائے۔پہلے سے بتانا ٹھیک نہیں کہ یوں ہو تو یوں کرنا اور اس طرح ہو تو یہ حکم ہے۔اس سے آدمی گڑبڑی میں پڑجاتے ہیں۔

(حسن العزیز:ص۱۸۲؍ج۲،ص۹۰؍ج۱،الفصل اللوصل:ص۲۰۷)

www.alislahonline.com

فصل

دعوت وتبلیغ میں نرمی وآسانی اور مخاطب کے موقع محل کی رعایت ضروری ہے

فرمایا ہمیشہ وعظ (تبلیغ) میں میری عادت رہی ہے کہ کتنی ہی بڑی بات اور لوگوں کے مذاق کے خلاف ہو مگر عنوان نہایت نرم اور حتی الامکان ایسا رکھتا ہوں کہ دل قبول کرلے۔ لوگوں کو وحشت نہ ہو،نفرت نہ ہو،دل آزار الفاظ سے ہمیشہ اجتناب کرتا ہوں۔مخالفین کے جواب میں ہمیشہ یہی معمول رہا ہے۔اور نفع اسی سے ہوتا ہے۔(مجالس حکیم الامت:ص۲۱۲)

(مبلغین اور کام کرنے والوں کو) میں مشورہ دیتا ہوں کہ اہل تربیت کبھی سخت تعلیم نہ کریں۔اگر کسی جگہ سختی کی ضرورت بھی ہو تو عنوان اس کا نرم ہونا چاہئے۔اس میں راز وہی ہے کہ طالب (یعنی مخاطب) کو وحشت نہ ہو جائے۔اور اس کو گراں (دشوار) سمجھ کر اصل کام سے بھی نہ رہ جائے۔اتنی تنگی نہیں ہونی چاہئے کہ وہ اس کو تکلیف مالا یطاق (یعنی ناقابل عمل) سمجھ لے۔میں بعض دفعہ دوستوں کو مستحبات کی تاکید نہیں کرتا۔اس وجہ سے کہ وہ کہیں تنگ ہوکر ضروریات سے بھی نہ رہ جائیں۔

اس واسطے میں کہتا ہوں۔موقع اور محل اور مخاطب کے حالات کی رعایت کرنا نہایت ضروری ہے۔بعض لوگ سختی کرتے ہیں اور طالبین کو مشکلات میں ڈالتے ہیں۔میں مخاطب کی بہت زیادہ رعایت کرتا ہوں۔حتی کہ بعض وقت کسی کے ساتھ بہت نرمی کی جاتی ہے اور کسی فعل پر روک ٹوک نہیں کی جاتی اور ظاہراً مداہنت معلوم ہوتی ہے (حالانکہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے)۔ (التبلیغ:ص۲۱؍ج۷)

جاہلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کرنے میں ضروری احتیاط

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ دست یا تہی دست نہیں بنایا تھا، آپ کا فقر وفاقہ اختیاری تھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہانت کی صورت سے بھی بچایا۔

اسی واسطے محققین نے مشورہ دیا ہے کہ کم فہم عوام جاہلوں کے مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فاقے وغیرہ کا بیان نہ کرے بلکہ ایسے عوام کے سامنے وہی مضامین بیان کرنا چاہئے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وشوکت ظاہر ہوتی ہو، ان کے سامنے فقر وفاقہ کے مضامین نہ بیان کرنا چاہئے کیوں کہ اس میں احتمال ہے کہ ان کے قلوب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت نکل جائے۔

مگر جہاں سمجھ دار لوگ ہوں تو وہاں بیان کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ضرور بیان کرنا چاہئے۔ البتہ جہاں کے لوگ کم فہم ہوں وہاں ہرگز نہ بیان کرنا چاہئے۔

جیسے پورپ کے کسی دیہات میں وہاں کے لوگوں سے پوچھا گیا کہ تم کون قوم ہو؟ کہا مسلمان، کس کی امت میں ہو؟ کہا ایک راجہ پچھاں میں گجرو ہے (یعنی گزرا ہے) ہم وا کی (یعنی اس کی) امت میں ہیں ان لوگوں کو یہ بھی خبر نہ تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش کیا ہے اسم گرامی کیا ہے۔ اجمالاً اتنا جانتے تھے کہ پچھاں میں راجہ ہوئے ہیں۔ اگر ان نادانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر وفاقہ کی حالت بیان کی جائے تو جو عظمت راجہ ہونے کے خیال سے ہے وہ بھی جاتی رہے گی اس لئے قوی احتمال ہے کہ اس قسم کے لوگ برائے نام بھی اسلام سے منحرف ہو جائیں (یعنی پھر جائیں)۔ (روح الجوار ملحقہ برکات رمضان: ص ۲۴۲)

www.alislahonline.com

اہل بدعت کے مجمع اور قیام میلاد کی مجلس میں پھنس جائے تو کیا کرنا چاہئے؟

اگر کسی ایسے مولد (جلسہ ومجمع) میں پھنس جائیں جہاں قیام ہوتا ہو تو یہ (مبلغ صاحب) اس مجلس میں اس مجمع کی مخالفت نہ کریں بلکہ قیام کرلیا کریں۔ کیوں کہ ایسے مجمع میں ایک دو کا قیام نہ کرنا فساد کا موجب (ذریعہ) ہے۔ ہاں جہاں ہر طرح اپنا اختیار ہو وہاں تمام قیود کو حذف کر دیا جائے۔ ایسے موقع میں خاموش رہنا گناہ ہے۔ (انفاس عیسیٰ: ص ۳۶۰)

صورۃً یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ مجلس میں موجود ہو اور قیام نہ کرے۔ یا تو آدمی جائے نہیں۔ اور اگر جائے اور پھر قیام نہ کرے یہ صورت اچھی نہیں ایسے موقع پر قیام کرے (ورنہ فتنہ کا احتمال ہوتا ہے)۔ (حسن العزیز سوم: ص ۱۴۵، ۳۸۵)

جہاں میلاد کے علاوہ تبلیغِ دین کی کوئی شکل نہ ہو وہاں میلاد کرنا ضروری ہے

اگر کسی جگہ بدعت ہی لوگوں کے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہو جائے تو وہاں بدعت کو غنیمت سمجھنا چاہئے جب تک کہ ان کی پوری اصلاح نہ ہو جائے، جیسے میلاد شریف بہیئۃ معروفہ اور جگہ تو بدعت ہے مگر (بعض علاقوں کے)۔ کالج میں جائز بلکہ واجب ہے کیوں کہ اس بہانہ سے وہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف اور آپ کے فضائل ومعجزات سن تو لیتے ہیں۔ تو اچھا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت ان کے دلوں میں قائم رہے۔ (انفاس عیسیٰ: ص ۳۶۸)

شرعی دلیل

یہ قاعدہ شرعیہ عقلیہ ہے کہ جس جگہ دو قسم کے ضرر جمع ہوں ایک اشد (سخت) اور دوسرا اہون (ہلکا) ہوتو اہون کو اختیار کرنا چاہئے۔اور ہے تو یہ بھی برا مگر بہ نسبت دوسرے مفسدہ کے پھر بھی اخف ہے۔

میں اس کی ایک نظیر بیان کرتا ہوں۔بعض دیہات کی نسبت معلوم ہوا کہ وہاں بہت سے مسلمان آریہ ہونے والے ہیں۔چنانچہ بہت سے علماء وہاں گئے ہوئے تھے وہاں ایک شخص تھا ''ادھار سنگھ'' میں نے ان سے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم آریہ بنو گے، کہنے لگا آریہ کا ہے کو بنت ہم تو تاجیہ (تعزیہ) بناوت ہیں۔میں نے کہا تعزیہ خوب بنایا کرو اس کو مت چھوڑنا۔میں نے اس کو بدعت کی اجازت نہیں دی بلکہ کفر سے بچانا چاہا۔اور اہون المفسدتین کو اختیار کرلیا۔کیوں کہ آریہ بننا کفر ہے اور یہ بدعت ہے جو اخف ہے (اس سے کمتر ہے)

(اسی طرح) میں نے ایک جگہ بیان کیا تھا کہ رشوت لینا گناہ ہے، خیر اگر کم ہمتی سے ضرورت ہی کہتے ہوتو، لو مگر برا تو سمجھو اور اکل حلال کی فکر کرو۔

(حسن العزیز: ص۱۵۹/ج۳، کمالات اشرفیہ: ص۱۱۵، امداد الفتاویٰ: ص۴۳۰/۴، افادات اشرفیہ: ص۳۳)

www.alislahonline.com

باب ۱۵

دعوت وتبلیغ میں کوشش کرنے کا مطلب

(دعوت وتبلیغ میں) کوشش کے یہ معنی نہیں کہ اس کا ثمرہ ضرور مرتب ہوجائے۔مثلاً ہم مرتدین کو تبلیغ کریں تو وہ ارتداد سے بچ ہی جائیں، بلکہ کوشش کے معنی یہ ہیں کہ جو کام تمہارے قبضہ میں ہے وہ کر ڈالو۔ان کو سمجھاؤ بجھاؤ۔اسلام کے محاسن بتلاؤ۔بس اس طرح کوشش کرو۔اگر خدانخواستہ پھر بھی ناکامی ہوتو رنج مت کرو کیونکہ تم اپنے فرض سے سبکدوش ہوچکے۔

خلاصہ یہ کہ کوشش کے اعتبار سے تین حالتیں ہیں، ایک تو یہ کہ کوشش ہی نہ کرے۔ ایک یہ کہ ایسی کوشش کرے کہ اگر ناکامی ہوتو گھل گھل کر جان دیدے۔یہ دونوں درجے غیر محمود اور ناپسندیدہ ہیں۔

(وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم کو) دوسرے کے فعل پر تو قدرت نہیں اور اس پر رنجیدہ ہونے کا یہ مطلب ہوا کہ یہ ہمارے قبضہ کی بات تھی مگر نہیں ہوئی۔

اور دوسرے یہ کہ، یہ بتاؤ کہ دین کس کا ہے؟ خدا کا۔تو اس کی حفاظت کا تو وعدہ خدا کا ہے۔پھر تمہارے رنج کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ناکامی کی یہی رفتار رہی، تو خدانخواستہ ایک دن اسلام مٹ جائے گا اور وعدہ صحیح نہ رہے گا۔تو یہ منشاء ہی غلط ہے۔اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم کو "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ" (ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) پر اعتماد نہیں رہا۔یاد رکھو، یہ کبھی نہیں مٹ سکتا، کیونکہ اس کے محافظ تو خود وہ ہیں۔جو تمہارے بھی محافظ ہیں۔

(ضرورت تبلیغ: ص۳۱۰)

تبلیغ کا نہایت اہم ضروری ادب

ثمرات عاجلہ کے انتظار اور کوشش میں غلو کی ممانعت

اب تبلیغ کا ایک باریک ادب اور رہ گیا وہ یہ کہ تبلیغ کر کے اس کے نتیجہ کے ظاہر ہونے اور ثمرہ کے حاصل ہونے کی فکر میں نہ پڑنا چاہئے ۔بعض دفعہ اس سے بہت برا اثر ہوتا ہے ۔اور بالخصوص یہ شفیق مبلغ کو پیش آتا ہے تبلیغ تو شفقت سے ہونا چاہئے ۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تبلیغ کے بعد بھی شفقت کی وجہ سے اس کی فکر میں لگے رہو۔اس میں ایک دھوکہ ہوتا ہے ۔جس کو لوگ کمال سمجھتے ہیں اور واقع میں وہ نقص ہے ۔اس سے تبلیغ کے اندر نقصان ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ جب شفقت زیادہ ہوتی ہے تو فوری نتیجہ پر نظر ہوتی ہے مگر اس نتیجہ کو شروع سے سوچ لیتے ہیں کہ اس کا یہ اثر ہوگا حالانکہ اصل نتیجہ رضاء حق ہے اور وہ مذکورہ طریقہ پر تبلیغ کرنے سے فوراً مرتب ہو جاتا ہے اور فوری ثمرہ بھی اگر ہوتا ہے تو اسی کی برکت سے مرتب ہوتا ہے ۔مگر ہم لوگوں کے اندر عجلت (جلد بازی) زیادہ ہے ۔ہم چاہتے ہیں کہ (تبلیغ کا) جلد اثر ہو جائے ۔گو اس میں نیت دین ہی کی ہوتی ہے ۔مثلاً کسی کو نماز سکھاتے ہیں تو اس کا فوری ثمرہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی آنکھ سے اس کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیں ۔اسی طرح تبلیغ اسلام میں یہ چاہتے ہیں کہ ہماری تحریک کے ساتھ ہی بہت سے (غیر مسلم) مسلمان نظر آنے لگیں ......اور اس میں بعض وقت یہ نیت ہوتی ہے کہ اس سے اہل حق کا مجمع زیادہ ہوگا اور حق بڑھے گا تو حق کو قوت ہوگی ۔اور جب اہل حق کو قوت ہوگی تو اہل باطل مغلوب ہوں گے ......مگر یہ سب ثمرات عاجلہ ہیں ۔جن پر بعض مبلغین کی نظر ہوتی ہے ۔پھر اگر ان (فوری) ثمرات کا ترتب نہیں ہوتا تو رنج اور ملال ہوتا ہے اور بعض وقت مایوسی تک کی نوبت آ جاتی ہے ۔اور مخاطب پر غصہ پیدا ہونے لگتا ہے ۔اور سامنے یا پیٹھ پیچھے برا بھلا کہتے

www.alislahonline.com

ہیں کہ جا نالائق تجھے اس قدر سمجھایا، اتنی کوشش کی ،مگر تو نے سمجھا ہی نہیں ، میرے اوقات کو ضائع کیا، ساری محنت ہی رائیگاں گئی ۔اور اگر اس پر قدرت ہوتی ہے، تو کبھی اس کو سزا دے دیتے ہیں اور وہ بھی اعتدال سے زیادہ ۔اور بعض وقت دل تنگ ہو کر بیٹھ جاتے ہیں کہ جا بھاڑ میں پڑ ۔اور کام چھوڑ بیٹھتے ہیں ، یہ اثر ہوا ثمرات عاجلہ پر نظر کرنے سے ۔

بظاہر تو جب مبلغ کو رنجیدہ اور غمگین دیکھا جاتا ہے اس وقت اس کا بڑا ہی کمال سمجھا جاتا ہے اور وہ اعلیٰ درجہ کا مبلغ شمار کیا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا کمال ہوگا کہ ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہے ۔اور دوسروں سے بھی کہہ رہے ہیں کہ بھائی اس کے لئے دعاء کرو کہ اس کی اصلاح ہو جائے مثلاً اگر اپنا بیٹا نماز نہیں پڑھتا تو اُس کو سمجھاتے ہیں ، کڑھتے ہیں ، دل سے دعا کرتے ہیں ، اوروں سے بھی دعا کرواتے ہیں ، کسی سے کہتے ہیں کہ ایک تعویذ ہی دے دو ۔یہ سب افعال گو محمود ہیں ، مگر جب غلو ہو جاتا ہے تو اس کا اثر برا ہوتا ہے ۔کیونکہ اس کا انجام مایوسی ، اور مایوسی کا انجام تعطل (بیکاری اور کام چھوڑ بیٹھنا) ہوتا ہے ۔تو جس کو آپ نے تبلیغ کا فرد کامل سمجھا تھا ۔اب وہ تعطّل اور ترک تبلیغ کا ذریعہ ہو گیا اور تبلیغ سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔سو خوب یاد رکھو شفقت کا جو درجہ ایسا ہو گا وہ کامل نہیں بلکہ ناقص ہے ۔

اس ادب کا حاصل یہ ہوا کہ ثمرات (اور کامیابی) کے مرتب نہ ہونے سے غمگین نہ ہونا چاہئے ۔البتہ ایک طبعی غم ہوتا ہے اس کا تو مضائقہ نہیں بلکہ اس میں ثواب ہوگا ۔اور یہ طریقہ کہ اس میں غلو اور مبالغہ ہو جائے ۔کہ ثمرہ مرتب نہ ہونے سے ہمت ہی توڑ دے اور روتے روتے آنکھیں پھوڑ دے یہ برا ہے ۔نصوص کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنے رنج وغم کی اجازت بھی نہیں ۔(آداب التبلیغ :ص ۱۱۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جی چاہتا تھا کہ کفار کو وہ ہی معجزہ دکھلایا جائے جس کو وہ چاہتے

ہیں،اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا:

"فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقاً فِی الْاَرْضِ " (الآیہ)

آیت کا حاصل یہ ہے کہ ہم تو ایسا معجزہ نہیں دکھلاتے ۔اگر آپ کا جی چاہتا ہے تو زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر لے آیئے ۔ہم بھی دیکھیں،آپ کہاں سے لائیں گے۔

کس قدر خشک اور مایوس کن جواب ہے۔تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ کام کرنے والے کو ثمرہ عاجلہ (یعنی فوری کامیابی) سے غمگین نہ ہونا چاہیئے۔اور اس کے عدم ترتب (یعنی کامیابی نہ ہونے) سے غمگین نہ ہونا چاہیئے اور ایک طبعی غم ہوتا ہے اس میں تو آدمی معذور ہوتا ہے، بلکہ ماجور (مستحق ثواب) ہوتا ہے۔اور ایک غم میں مبالغہ ہوتا ہے۔یعنی یہ سوچ سوچ کر غمگین ہونا اس کی اجازت نہیں۔

میں ان دونوں کے جمع کرنے کا طریقہ بتلاتا ہوں۔وہ یہ کہ (تبلیغی جدوجہد) سعی میں نیت تو فقط خدا کی رضامندی کی ہو۔یہ نیت ہی نہ ہو کہ وہ مسلمان ہی ہو جائے۔ہاں دعا کرتے رہیں کہ یا اللہ! اس کو مسلمان بنا دیجئے اور اس کے دل کے اندر اپنا خوف پیدا کر دیجئے دعاء تو یہ کرے۔اور عمل وہ کرے کہ اپنے کام میں رضائے حق کو مدنظر رکھے، اپنا کام صرف تبلیغ کو سمجھے۔خواہ ثمرہ (کامیابی) مرتب ہو یا نہ ہو۔وہ خدا کے اختیار میں ہے ذوق گواہی دیتا ہے کہ یہ طریقہ بالکل شافی کافی ہے،اس سے تکلیف بھی نہ ہوگی۔غم وملال بھی نہ ہوگا۔

اور چونکہ دعاء میں عرض ومعروض ثمرہ ہی کے متعلق ہوگی تو اس میں یہ نیت بھی ایک درجہ میں ہو جائے گی کہ ثمرہ مرتب ہو جائے۔

ثمرہ مرتب ہونے کے لئے بس اتنی نیت کافی ہے اس سے زیادہ مناسب نہیں۔اور نیت بھی اس طریقہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے تو امید ہے کہ پوری ہوگی۔ قلوب ان کے ہاتھ میں ہیں انشاء اللہ وہ قلوب کو پھیر دیں گے۔اور اگر اس دعاء کے بعد بھی

کامیابی نہ ہو تو نہ ہونے دو۔اس کی پرواہ مت کرو۔نیز دعاء میں بھی یہ قصد نہ کرو کہ یہ ثمرہ ضرور مرتب ہو ہی جائے۔

مطلب یہ کہ دعاء تو اسی نیت سے کرے کہ مراد پوری ہو جائے لیکن یہ بھی دل میں رکھے کہ اگر نہ ہو تو اس پر بھی راضی اور خوش رہوں گا مثلاً تندرستی کے لئے دعاء کرتا ہے کہ یا اللہ! ہمیں تندرست کر دے،تو یہ نیت نہ کرے کہ اگر آپ کا جی چاہے تو کر دیجئے اور مرضی نہ ہو تو نہ کیجئے۔اس لئے کہ دعاء کے اندر "اِنْ شِئْتَ" (اگر آپ چاہیں) کہنے کی ممانعت ہے (دعاء تو جزم اور یقین کے ساتھ کرے) لیکن اس کے ساتھ ہی یہ سمجھے کہ اگر قبول نہ ہو تو بھی میں راضی رہوں گا۔اور میرے لئے وہی بہتر ہوگا۔اور اسی میں خیریت ہوگی۔

(آداب التبلیغ:ص ۱۳۰)

www.alislahonline.com

تبلیغ میں کامیابی وناکامی پر ہم کو توجہ نہیں کرنا چاہیئے

کامیابی وناکامی پر ہمیں توجہ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ ہم سے اس کی پوچھ نہ ہوگی ۔جناب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی چاہتے تھے کہ دنیا میں ایک بھی کافر نہ رہے۔اور حق تعالیٰ نے آپ کو خاص طور پر اسی کام کے لئے بھیجا بھی تھا۔"اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا" (بیشک ہم نے آپ کو بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے) مگر اس کے باوجود صاف فرمادیا گیا کہ آپ سے یہ سوال نہ ہوگا کہ تمہارے زمانہ کے کچھ لوگ دوزخی کیوں ہوئے۔ایک جگہ فرمایا ہے۔"لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ" شاید آپ ان کفار کے پیچھے اپنی جان کھپادیں گے۔اور ایک جگہ فرمایا:"وَلَا یَحْزُنْکَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْکُفْرِ" حاصل یہ کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر غمگین نہ ہوں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے گو یہ آپ کا فرض منصبی نہ تھا کہ آپ اس قدر بلیغ کوشش فرمائیں،مگر آپ اپنی طبعی رحمت وشفقت کے تقاضے سے یہ چاہتے تھے کہ ایک بھی

دوزخی نہ رہے۔اور جب اس میں کامیابی نہیں ہوتی تھی تو آپ کو صدمہ ہوتا تھا۔اس صدمہ کے دفعہ کرنے کے لئے یہ ارشاد ہوا ہے کہ آپ اس کی کچھ فکر نہ کریں اور نہ آپ اپنی جان کھپائیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

"وَلَوْشَاءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّهُمْ جَمِیْعًا اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ"۔

اگر آپ کا رب چاہتا تو سب کو ہدایت ہوجاتی۔کیا آپ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرسکتے ہیں؟ استفہام انکار کے لئے ہے یعنی آپ کا کام کوشش کرنا ہے۔اور کوشش پر پھر خدا جسے توفیق دے گا ایمان لے آئے گا، آپ مجبور کیوں کرتے ہیں۔کوئی شخص بغیر خدا کے حکم کے مومن نہیں ہوسکتا۔

(ضرورت تبلیغ:ص۳۰۹)

عنایت خداوندی

اب شاید یہ کہو گے کہ پھر ہمیں کوشش کرنے کو کیوں کہا گیا۔سو اس لئے کہا گیا تا کہ تم کو اجروثواب ملے۔دین سے تمہارا تعلق ظاہر ہو، محبت کے آثار نمایاں ہوں۔یہ تو ان کی کمال عنایت ورحمت ہے کہ انہوں نے تمہارے ثواب کے لئے ایک بہانہ بتلا دیا ہے۔باقی ثمرہ (اور ہدایت) تو انہیں کا تصرف ہے۔بس تمہاری نیک نامی کے واسطے بظاہر تمہارے متعلق یہ کام کردیا ہے کہ ذرا سی کوشش کرکے مقبول (اور مستحق ثواب) ہوجاؤ گے۔ورنہ اصل کام (یعنی ہدایت دینا) تو وہ خود کرتے ہیں، وہی (دین کے) محافظ ہیں۔اسلئے غم کبھی نہیں کرنا چاہئے۔

(ضرورت تبلیغ:ص۳۱۰)

www.alislahonline.com

فصل (۱)

تبلیغ میں کامیابی کی صورت میں شکر کی ضرورت

اور زیادہ خوشی کی ممانعت

(تبلیغ میں) کامیابی کے متعلق کہتا ہوں کہ اگر خوش قسمتی سے کامیاب ہوجاؤ، تو نازمت کرو...... ہماری ہر حالت اعتدال سے باہر ہے نہ ناکامی میں حدود پر رہتے ہیں نہ کامیابی ہیں۔سنئے قرآن مجید میں مطلق کامیابی کے متعلق دو ارشاد ہیں۔

"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا"۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے فضل پر خوش ہونا چاہئے اور ایک جگہ یہ ارشاد ہے۔"لَاتَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ" بہت مت خوش ہو خدا پسند نہیں کرتا۔زیادہ خوش ہونے والوں کو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش نہ ہونا چاہئے پس ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے مگر دراصل اس میں تعارض نہیں بلکہ یہ دونوں حالتیں جدا جدا ہیں۔جن کے متعلق تنبیہ کی گئی ہے۔ایک خوشی اضطراری ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ تمہاری روپئے کی ایک تھیلی کھوگئی، جس سے آپ بہت پریشان ہیں، ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے، کہیں پتہ نہیں چلتا کہ اچانک کسی نے ہاتھ میں لاکردے دی، ایک خوشی تو اس وقت ہوگی، یہ اضطراری اور غیر اختیاری خوشی ہے۔

اور ایک صورت یہ ہے کہ تھیلی گم ہوجانے پر نوکروں کو خوب مارا پیٹا اب خدا جانے وہ ان کو ملی یا نہیں مگر بیچاروں نے ڈر کے مارے لاکردے دی، ایک خوشی اس پر ہوگی، یہ اختیاری خوشی ہوگی۔اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے، پہلی خوشی جو آپ کو ہوگی وہ اترانے کی نہ

ہوگی، بلکہ شکر کی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ کھوئی ہوئی چیز مل گئی۔اور دوسری خوشی اترانے اور ناز تکبر کی ہوگی کہ دیکھا ہم نے کیسی اچھی تدبیر کی؟ ورنہ یہ تھیلی کیسے ملتی......تو ان دونوں میں پہلی خوشی محمود ہے اور دوسری مذموم۔

اسی طرح تبلیغ میں کامیابی پر اضطراری خوشی کا تو مضائقہ نہیں باقی اپنی تدبیروں اور کوششوں کو سوچ سوچ کر خوش ہونا کہ ہم نے یوں کیا تو کیسا اچھا اس کا اثر ہوا، یہ مذموم ہے۔

ہم کو کوشش کرنا چاہئے اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کرنا چاہئے اور ناکامی پر مغموم (بددل ورنجیدہ) نہ ہونا چاہئے۔اور کامیابی پر اترانا نہیں چاہئے کام شروع کردو اس کے سب راستے کھل جائیں گے۔

بس کام شروع کردو اور یہ سمجھو کہ نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے اسی کے فضل سے سب کچھ ہوگا۔پھر اگر کوشش کی اور تمہاری کوشش سے لوگ ارتداد سے بچ گئے (ہدایت یافتہ ہوگئے) تو ناز مت کرنا بلکہ شکر کرنا۔

غرض یہ دونوں درجے مطلوب نہیں یعنی ایک یہ کہ کوشش ہی نہ کرے دوسرا یہ کہ کوشش پر کامیابی لازمی طور پر مرتب سمجھے (جیسے بعض لوگ) خود بھی کام نہیں کرتے، اور کام کرنے والوں کو یہ الزام دیتے ہیں کہ میاں تم نے کیسا کام کیا کہ کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ (ضرورت تبلیغ:ص۳۱۴)

تبلیغ میں زیادہ کاوش اور ناکامی پر زیادہ رنج کرنے کی ممانعت

بڑی خرابی اس کاوش میں یہ ہے کہ اس غم کی وجہ سے طبیعت سست ہوجاتی ہے اور اس سے رفتہ رفتہ کوشش کرنے سے معطل اور بے کار ہوجاتا ہے تو غم کا جو منشاء تھا یعنی ناکامی وہ اور اچھی طرح واقع ہوتی ہے۔

اور شریعت کا مقتضی یہ ہے کہ مسلمان سست نہ ہونے پائیں۔اس لئے زیادہ رنج مناسب نہیں۔اور گو رنج کو منع کرنے سے ظاہر میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ تو شفقت کی کمی کی تعلیم

www.alislahonline.com

معلوم ہوتی ہے۔مگر اس کا راز یہ ہے کہ جب ایسی چیزوں کا غم کروگے جو تمہارے قبضہ میں نہیں ہیں تو خواہ مخواہ سست ہوجاؤ گے۔اور اس سے اصل کام میں خلل واقع ہوگا۔تو خلل کو گوارہ کرنا یہ واقعی شفقت کی کمی ہے۔اور کام جاری رکھنا تو عین شفقت ہے۔ (ضرورت تبلیغ:ص۳۱۱)

نصیحت میں مبالغہ کرنا اور بار بار کہنا پسندیدہ اور انبیاء کی سنت ہے

انبیاء علیہم السلام کے حالات دیکھئے وہ کیا کرتے تھے۔فرماتے ہیں:"اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ" کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ لوگ ایمان لے آئیں۔

ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکراہ (یعنی جبر وزبردستی) تلوار سے نہیں کیا تھا۔بلکہ نصیحت سے اکراہ فرماتے تھے۔یعنی ان کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔اور نصیحت کرنے میں مبالغہ فرماتے تھے، اس مبالغہ فی النصیحت کو اللہ تعالیٰ نے برا نہیں بتلایا۔بلکہ مبالغہ کے بعد ناصح (ومبلغ) کی طبیعت پر رنج کا اثر ہوتا ہے۔اس سے آپ کو بچانا مقصود ہے۔کیونکہ فطری بات ہے کہ نصیحت کی ناکامی بلکہ ہر چیز کی ناکامی کا قلب پر ایک اثر ضرور ہوتا ہے، اور جب رنج ہوتا ہے تو بعض اوقات اس کام ہی سے رہ جاتا ہے، چنانچہ اسی لئے ارشاد ہے:"وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ" فرمایا۔یعنی اتنی مشقت نہ کرو جس پر ثمرہ مرتب نہ ہونے سے رنج ہوجائے۔بلکہ مقصود کو دیکھنا چاہئے۔سو یہ مقصود اصلی نہیں کہ مخاطب ہمارے کہنے سے مسلمان ہی ہوجائے۔گو ایک درجہ میں یہ بھی مقصود ہے، مگر خود اس کی بھی حقیقی غرض پر خیال کرنا چاہئے وہ کیا ہے؟ وہ رضائے حق ہے اور وہ ناکامی میں بھی حاصل ہے۔اس لئے ایسی ناکامی پر بھی راضی رہے۔اس کو بھی کامیابی ہی سمجھئے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۱۲۹)

تبلیغ کرنے میں زیادہ پیچھے نہیں پڑنا چاہئے

اصل مقصود تو تبلیغی جدوجہد سے رضاء حق ہے نہ کہ ثمرہ۔(کامیابی) اور اس کے ساتھ ہی

ثمرہ (کامیابی) کے لئے دعاء کی بھی اجازت ہے۔ مگر مبالغہ کے ساتھ اس کے پیچھے مت پڑو، کہ ہو ہی جائے۔ اور نہ ہو تو رنج کر کے بیٹھ جاؤ چنانچہ: "فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى اور لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ" میں اس کی تعلیم ہے کہ آپ تبلیغ کرنے کے زیادہ پیچھے نہ پڑیئے۔ وہ قبول کریں یا نہ کریں۔ اس سے بحث نہ ہونا چاہئے آپ اس کے درپے نہ ہوں۔ آپ کا کام رضاء حق حاصل کرنا ہے نہ کہ ثمرات۔ نہ وہ اختیاری ہیں اور نہ ان کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اسی لئے ہم کو کسی کو مسلمان بنانے کا حکم نہیں۔ کیوں کہ وہ دوسرے کے اختیار میں ہے اور ظاہر ہے کہ قادر بقدرت الغیر (یعنی دوسرے کی قدرت سے خود کوئی) کیسے قادر ہو سکتا ہے۔ اختیار تو دوسروں کا اور اس سے کام لیں آپ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لئے ایسے امور کے پیچھے پڑنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ (آداب التبلیغ: ص ۱۳۱)

نصیحت میں کسی کے پیچھے پڑ جانے کی خرابی

ایک تجربہ کی بات عرض کرتا ہوں جو نہایت نافع اور مؤثر ہے۔ وہ یہ کہ کسی کے درپے نہ ہونا چاہئے (یعنی پیچھے نہ پڑنا چاہئے) اس میں کئی خرابیاں ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ لوگوں کو غرض کا شبہ ہو جاتا ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس صورت میں فریق بندی ہو جاتی ہے۔ پھر کوئی کام نہیں ہو پاتا

(۳) تیسرے یہ کہ شروع میں تو نیت کے اندر خلوص ہوتا ہے، پھر جب بات کی پچ ہو جاتی ہے تو نفسانیت بھی آجاتی ہے۔ پھر ثواب بھی نہیں ہوتا اس پر لوگوں کی نظر کم ہو جاتی ہے۔ یہ ہے باریک بات، اور حکم خداوندی بھی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى، وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى"۔

ترجمہ: جو شخص دین سے بے پروائی کرتا ہے آپ اس کی تو فکر میں پڑتے ہیں حالانکہ آپ پر کوئی الزام نہیں کہ وہ نہ سنورے، استغناء کے وصف سے آپ کو اس سے تنفر دلانا ہے۔

(الافاضات الیومیہ: ص ۲۹۷، ۸، ۲، ہشتم جزء: ۲)

www.alislahonline.com

فصل (۲)

مبلغین کو اہم ضروری ہدایت، بحث مباحثہ سے اجتناب

مسلمانوں کو اللہ کے نام پر یہ کام شروع کرنا چاہئے۔ اور ان لوگوں کی باتوں پر توجہ نہ کرنا چاہئے (جو کام کی مخالفت کرتے ہیں) تبلیغ میں بحث مباحثہ یا ہلڑ کی، ضرورت نہیں، سکون وقار سے کام کرو۔ جہاں مباحثہ کی دوسری طرف سے تحریک ہو۔ وہاں کرو (بشرطیکہ مفسدہ عظیمہ کا خطرہ نہ ہو) خود نہ چھیڑو، بلکہ صاف کہہ دو کہ ہم اپنا کام کریں تم اپنا کام کرو، جس کا مذہب حق ہوگا اس کی حقانیت خود واضح ہو جائے گی۔ واللہ اسلام کی تعلیم وہ ہے اس کی سادہ تعلیم کے مقابلہ میں کوئی تعلیم ٹھیر نہیں سکتی۔ (محاسن اسلام: ص ۲۹۷)

تبلیغ میں اگر اختلاف ومزاحمت کی نوبت آجائے

ساری دنیا تو مہذب نہیں جو اس طریقہ کو مان لیں، دنیا میں سب قسم کے لوگ ہیں۔ اگر مبلغ سے کوئی لڑنے لگے مار پیٹ ہونے لگے تو کیا کریں؟ اس کے لئے فرماتے ہیں: "وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ" سبحان اللہ دیکھئے اس میں کیسی بلاغت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب نہیں بنایا جس میں بتلا دیا کہ آپ کو تو تبلیغ میں اس کی نوبت ہی نہ آئے گی کہ آپ سے تبلیغ میں کوئی لڑے۔ یا آپ اس کا بدلہ لیں۔ آپ کے ساتھ حق تعالیٰ کی اعانت خاصہ ہے۔ ہاں اگر تابعین اور ان کے غلاموں کو یہ بات پیش آجائے تو ممکن ہے اس لئے تمہیں مخاطب بنا کر کہتے ہیں کہ جتنی تکلیف کسی سے تمہیں ہوا تنی ہی اس کو دیدو، زیادتی نہ کرنا، آگے فرماتے ہیں: "وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ" سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے مخاطب کی رعایت کی، اگر تم سے کوئی لڑے بھڑے تو تم بھی اس کے چار جوتے لگا دو، اب یہ سن کر

جب ذرا جی ٹھنڈا ہوگیا تو آگے فرماتے ہیں کہ اگر صبر کرو تو وہ بہت ہی اچھا ہے، پھر آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر صبر کا خطاب ہے "وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کہ آپ تو ضرور صبر کریں، یہ دوسرا "اصبر" ہے جس کا حضور سے خطاب ہو رہا ہے یعنی آپ کو خود رنج ہوتا تھا ان کے برا بھلا کہنے سے وَاصبِر میں تو اس پر صبر کرنا مراد ہے اور "لَئِنْ صَبَرْتُمْ" میں لڑائی بھڑائی نہ کرنا اور بدلہ نہ لینا مراد ہے۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص ۷۵)

تبلیغ میں صبر اور بحث مباحثہ سے اجتناب کی ضرورت

"تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" میں مبلغ کو تنبیہ ہے کہ جب تم دوسروں کو صبر کی (یعنی اعمال میں استقلال کی) نصیحت کرتے ہو، ذرا خود بھی تبلیغ میں صبر واستقلال سے کام لینا۔ کیوں کہ تبلیغ میں بعض ناگواریاں بھی پیش آتی ہیں۔ اگر صبر واستقلال سے کام نہ لیا تو تبلیغ دشوار ہو جائے گی۔ (التواصی بالحق: ص ۱۷۸)

صحابہ کی حالت

کفار کی گستاخیوں پر مسلمانوں کو بے حد غیظ وغصہ آتا تھا۔ وہ نامعقول یہ حرکت کرتے تھے کہ اپنے اشعار میں مسلمانوں کی بیویوں کا نام لے لے کر عشق کا اظہار کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا گستاخی ہوگی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ایک اور بھی گستاخی کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو بجائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذمّم کہتے تھے (نعوذ باللہ) کیوں کہ جس طرح محمد کے معنی "بہت زیادہ قابل تعریف، اچھے اخلاق والا" کے ہیں اسی طرح مذمم کے معنی اس کے مقابلہ میں ہیں (یعنی بہت زیادہ برا، قابل مذمت) خیال تو کیجئے کہ مسلمانوں کو کس قدر ناگوار ہوتا ہوگا کہ جان لینے اور جان دینے کو تیار ہو جاتے ہوں گے۔ مگر اتنی بڑی گستاخی اور ایسا سخت غصہ دلانے والی حرکت پر حق تعالیٰ کی تعلیم سنئے! فرماتے ہیں۔

www.alislahonline.com

"لَتُبْلَوُنَّ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ"۔ (سورہ آل عمران، پ۴)

"لَتُبْلَوُنَّ الخ" یعنی جان و مال میں تمہاری آزمائشیں ہوں گی۔ "وَلَتَسْمَعُنَّ" اور مشرکین اور اہل کتاب سے اذیت (تکلیف) کی باتیں سنو گے۔ اس کی تفسیر میں مفسرین نے یہی واقعہ لکھا ہے کہ وہ اپنے اشعار میں مسلمانوں کی بیویوں کا نام لے لے کر اظہار عشق کرتے تھے۔ اتنی بڑی غیظ وغضب سننے کے بعد فرماتے ہیں: "اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا" الخ کہ اگر تم صبر کرو اور بچو (یعنی جہالت کی باتوں سے) تو یہ بڑی عزیمت کی بات ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "وَقُلْ لِعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" میرے بندوں سے فرما دیجئے کہ وہ نرم بات کہا کریں۔

"اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ" شیطان درمیان میں جھڑپ کرانا چاہتا ہے جب جھڑپ اور لڑائی ہوگی تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں طرف سے عداوت بڑھ جائے گی۔

اب حدیث سنئے کہ سب سے بڑھ کر شرارت اور گستاخی کفار کی یہ تھی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مذمم سے بدل لیا تھا۔ اور مذمم کی سخت ہجو (برائی) کیا کرتے تھے۔ آپ خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ ایسے سخت الفاظ سن کر مسلمانوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ پھر مسلمان بھی ہمارے آپ کی طرح نہیں بلکہ اس وقت کے مسلمان۔ مگر قربان جائیے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے ایسی سخت بات کو مسلمانوں کے دلوں سے کیسا ہلکا کیا ہے فرماتے ہیں: "اُنْظُرُوْا كَيْفَ صَرَفَ اللّٰهُ عَنِّيْ شَتْمَ قُرَيْشٍ" یعنی دیکھو شتم قریش کو (یعنی قریش کے برا بھلا کہنے کو) خدا نے مجھ سے کیسے ہٹالیا "يَشْتُمُوْنَ مُذَمَّمًا وَيَلْعَنُوْنَ مُذَمَّمًا وَاَنَا مُحَمَّدٌ" کہ وہ شتم ولعنت کرتے ہیں مذمم پر اور میں تو محمد ہوں، تو خدا نے مجھے گستاخی سے کیسے بچالیا کیوں کہ انہوں نے جو برائی کی وہ مذمم (یعنی برے آدمی کی برائی) کی

اور میں تو محمد ہوں اگرچہ مذمم سے ان کی مراد اور نیت تو ان کم بختوں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی گستاخی کی تھی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے غیظ وغضب کو ہلکا کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ میاں یوں دل کو سمجھالیا کرو کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نام مبارک ہے ہی نہیں۔

بہر حال وہ حق تعالیٰ کی تعلیم تھی اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے۔

(اس سے معلوم ہوا کہ) یہ امور تو ایسے واجب الرعایت ہیں کہ اگر کسی جاہل سے بھی سابقہ پڑ جائے تو اس کے جواب میں بھی جہالت کی ممانعت ہے چنانچہ ارشاد ہے : ”وَاِذَاخَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا“۔

ترجمہ: اورخطاب کرتے ہیں ان سے جاہل تو وہ کہہ دیتے ہیں سلام......یعنی جاہلوں کی جہالت کا بھی جواب جہالت سے نہیں دیتے......تو یہاں جہالت کی بات کا جواب بھی ”قَالُوْا سَلَامًا“ ہے۔یعنی جہالت کے طریقہ پر جواب نہیں دیتے۔(الدعوت الی اللہ:ص ۱۶،۱۷،۱۸)

دعوت وتبلیغ کا ضروری دستورالعمل اور نہایت اہم قاعدہ

دعوت الی اللہ میں بعض دفعہ کفار یا فجار تکلیف پہنچاتے ہیں اس کے متعلق ایک دستورالعمل تعلیم فرماتے ہیں اور اس سے پہلے تمہید کے طور پر ایک قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں :”وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ“۔

یعنی یہ قاعدہ یادرکھو کہ بھلائی اور برائی برابر نہیں ہوتی۔اس سے یہ بھی سمجھ لو کہ اچھا برتاؤ اور برابر تاؤ برابر نہیں ہوتا، پس تم کو دعوت میں عمدہ برتاؤ اختیار کرنا چاہئے وہ کیا ہے؟”اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ“ یعنی مخالفت کے برے برتاؤ کو اپنے اچھے برتاؤ سے دفع کرو، بدی کا علاج بھلائی سے کرو، اگر وہ سختی کریں تو تم نرمی کرو، ان کے ساتھ خشونت (سخت مزاجی) سے پیش نہ آؤ۔

آگے اس کا ایک دنیوی فائدہ بتلاتے ہیں:”فَاِذَالَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ“ یعنی پھر دیکھ لینا کہ تم میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کہ

www.alislahonline.com

کوئی دلی دوست ہوتا ہے ”كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ“ میں لفظ تشبیہ سے اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ بعض لوگ نرمی کرنے سے بالکل ہی دوست ہو جاتے ہیں۔اور بعض لوگ اگر دوست نہیں ہوتے لیکن ان کی عداوت ضرور گھٹ جاتی ہے اور برائی میں کمی آجاتی ہے۔اور اس امر میں وہ دوست کے مشابہ ہو جاتا ہے۔گو دلی دوست نہ ہو۔مگر اس میں ایک شرط ہے سلامتی طبیعت۔

یعنی یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر مخاطب کی طبیعت میں سلامتی ہوگی تو اس برتاؤ کا اثر ضرور ہوگا۔اور یہ قید دلیل عقلی سے پائی گئی ہے۔پس اب یہ اشکال نہ رہا کہ بعض دفعہ ہم دشمن سے کتنی ہی نرمی کرتے ہیں مگر عداوت بڑھتی ہی جاتی ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے کرنا ہر ایک کو آسان نہیں، بلکہ یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا مستقل مزاج اور صاحب نصیب ہے یعنی جو اخلاقی اعتبار سے مستقل اور آخرت کے ثواب کے اعتبار سے صاحب نصیب ہے۔

اس میں طریقہ بھی بتلادیا کہ اپنے اندر استقلال کا مادہ پیدا کرو اور آخرت کے حصہ کو دل میں جگہ دو پھر یہ سب کچھ آسان ہو جائے گا۔

آگے فرماتے ہیں:”وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْبِاللّٰهِ“ کہ اگر کسی وقت شیطان کی طرف سے غصہ کا وسوسہ آنے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے۔اس میں غصہ کا علاج بتلایا گیا ہے کہ غصہ کے وقت زبان سے اعوذ باللہ پڑھنا چاہئے اور دل سے اس کے مضمون پر غور کرنا چاہئے کہ جیسے ہم دوسرے پر غصہ کرتے ہیں اور اس وقت بظاہر اس پر زبردست ہیں ایسے ہی ہمارے اوپر بھی ایک زبردست ہے جس کی پناہ کی ہم کو ضرورت ہے اس کے بعد ایک مراقبہ کی تعلیم ہے جس کے عمل کرنے سے غصہ وغیرہ کا دفعہ کرنا بہت سہل ہو جائے گا”اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ“ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو خوب سنتے اور تمہارے اعمال واحوال کو خوب جانتے ہیں اس لئے جو بات کرو اور جو کام کرو سنبھل کر کرو، غصہ میں جلدی سے کچھ کام نہ کرو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام ہو جائے تو گرفت ہو۔

(الاستقامت ملحقہ دعوت وتبلیغ:ص ۴۵۴،۴۵۵)

﴿باب ۱۶﴾

مبلغین کی اصلاحات اور ضروری ہدایات

اخلاص کی حقیقت اور اہمیت

اخلاص کا لفظ سب نے سنا ہوگا مگر اس کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کسی کو فکر نہیں، ہم لوگ بھی اپنی حالت کو غور کر کے نہیں دیکھتے کہ ہم میں کیا کمی ہے۔ اخلاص اتنی ضروری شئی ہے کہ عبادت تک اس کے بغیر معتبر نہیں جب عبادت کیساتھ بھی اخلاص کا ہونا ضروری ہے تو اس سے اخلاص کی عظمت شان اور زیادہ ہوگئی، عبادت جیسی چیز بھی اس کے بغیر ہیچ ہے۔

(دعوات عبدیت وعظ الدین الخالص: ص۵۷/ج۲)

اخلاص کے معنی لغت میں خالص کرنے کے ہیں اور شریعت میں اس کے معنی وہی ہیں جو شریعت کے آنے سے پہلے تھے، خالص گھی وہ ہے جس میں کوئی دوسری چیز نہ ملی ہوئی ہو۔ عبادت میں اخلاص کے معنی یہ ہوئے کہ عبادت کو غیر عبادت سے خالی کیا جائے۔ یعنی کوئی ایسی غرض اس میں نہ ملی ہو جس کا حاصل کرنا شرعاً مطلوب نہ ہو۔ (التبلیغ: ص۱۳۲/ج۲)

خلوص کی ضرورت اور نام ونمود کی مذمت

کام میں برکت تو خلوص سے ہوتی ہے مگر آج کل نیت میں خلوص ہی نہیں ہوتا بلکہ دین کا جو کام بھی کرتے ہیں اس میں دنیا کی پخ لگی ہوئی ہوتی ہے اپنے گھر میں وعظ کہلواتے ہیں (اجتماع کرواتے ہیں) شہرت کے لئے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں صاحب کے یہاں وعظ (اور اجتماع) ہوا تھا۔

www.alislahonline.com

غرض ہم لوگوں میں بڑی کوتاہی یہ ہے کہ ہمارے اندر خلوص نہیں ہے حالانکہ ہمارے بزرگوں نے جو کچھ بھی کامیابی حاصل کی ہے خلوص ہی کی بدولت حاصل کی ہے۔ لوگ بزرگ کی ریس کرتے ہیں کہ ان کی تو شہرت وعزت ہوتی ہے اور ہماری نہ شہرت ہے نہ کسی کے دل میں وقعت ہے نہ عزت ہے، ارے ہو کیسے، ان میں خلوص ہے اور تم اس سے دور ہو۔ خدا کی قسم اگر خلوص سے کام ہو، تو شہرت خود بخود ہو جائے۔

(خدا کا نظام ہے کہ) جو مٹتا ہے وہ روشن ہو جاتا ہے اور جو شہرت چاہتا ہے اسے ذلت گھیر لیتی ہے۔ اور بزرگوں نے جو کام بھی کیا خلوص سے کیا۔ اس لئے ان کے ہاتھوں کام بھی پورا ہوا اور شہرت اور نیک نامی بھی ہوئی مگر ان کو شہرت کا قصد تو کیا وسوسہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ اور ہم تو شروع ہی سے شہرت چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔

ارے کیا شہرت کے طالب بنے ہو مقصود اصلی تو خدا کو راضی کرنا ہے وہ حاصل ہونا چاہئے۔ بس جو کام بھی کرو، رضائے حق کو پیش نظر رکھ کر کرو۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۱۲۲)

بخدا ہم کو نام ونمود نے خراب کر رکھا ہے اسی لئے ہمارے اندر خلوص نہیں۔ ہمارے ہر کام میں اغراض فاسدہ بھری ہوئی ہیں۔ ہمارے پہلے بزرگ تو دنیا کے کام بھی دین کی وجہ سے کرتے تھے۔ اور اب دین کا کام بھی دنیا سے خالی نہیں، ہر کام میں شہرت، نمود (دکھلاوا) اور عزت کا خیال ہے۔ جب ہم میں خلوص نہیں تو برکت بھی نہ ہوگی۔ کام میں برکت تو خلوص سے ہوتی ہے مگر آج کل نیت میں خلوص ہی نہیں ہوتا، بلکہ دین کا جو کام بھی کرتے ہیں اس میں دنیا کی پخ لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اپنے گھر میں وعظ کہلواتے ہیں (اجتماع یا، جوڑ کرواتے ہیں) شہرت کے لئے تاکہ لوگ کہیں کہ فلاں صاحب کے یہاں وعظ، ہوا تھا۔

(بغیر خلوص کے جب کام ہوتا ہے تو) شروع شروع میں ایک دفعہ تو خوب آب وتاب اور عزت وشہرت ہو جاتی ہے۔ پھر یہ حالت ہوتی ہے کہ یا تو کوئی اس کا نام نہیں لیتا، یا لیتا ہے تو دو گالی پہلے دیتا ہے اور دو آخر میں، اور درمیان میں نام لیتا ہے۔

صاحبو! اخلاص حاصل کرو اس سے بلا قصد شہرت بھی ہوگی اور عزت بھی۔

(دیکھو) نام کا کعبہ تو اور لوگوں نے بھی بنایا تھا جو ظاہری زیب وزینت میں اس سے کہیں زیادہ تھا۔ مگر اس کا کہیں نام ونشان بھی نہیں رہا، چنانچہ ایک کعبہ تو حضور ﷺ سے پہلے یمن میں بنا تھا۔ جس کے بانیوں نے اس سچے کعبہ کو اس کی بے رونقی کے سبب اس کو ڈھانے کا ارادہ کیا تھا جس پر غیبی عذاب سے تباہ ہوئے، اور اس سچے کعبہ پر بہت سی آفتیں نازل ہوئیں مگر پھر بھی اس میں وہی آب وتاب ہے، اور اُس مصنوعی کعبہ کو کوئی جانتا بھی نہیں۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۱۲۰، ۱۱۶)

اخلاص کی علامت اور مخلص وغیر مخلص کی پہچان

علامہ شعرانیؒ نے اخلاص کی ایک علامت لکھی ہے وہ یہ کہ جو کام تم کر رہے ہو اگر کوئی دوسرا اس کام کا کرنے والا تم سے اچھا اس بستی میں آجائے (یا پیدا ہو جائے) اور وہ کام ایسا ہو جو علی العین (یعنی ہر ایک پر) واجب نہ ہو، جیسے مسجد ومدرسہ کا اہتمام یا وعظ کہنا وغیرہ وغیرہ تو تم کو اس کے آنے کی خوشی ہو، رنج نہ ہو بلکہ تم خود لوگوں کو اس کے پاس بھیجو کہ وہاں جاؤ، وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ اور سارا کام خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کر کے خود ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ۔ اور دل میں خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے ایسے آدمی کو بھیج دیا جس نے تمہارا بوجھ بٹا لیا۔

اگر یہ حالت ہو تب تو واقعی تم مخلص ہو مگر اب تو کسی عالم کی بستی میں کوئی دوسرا عالم چلا آئے جس کی طرف عوام کا رجوع ہونے لگے تو جلتے مرتے ہیں اور دل سے یہ چاہتے ہیں کہ اس شخص سے کوئی ایسی بات ظاہر ہو جس سے عوام بدگمان ہو جائیں اور اس کو چھوڑ دیں، اور سمجھتے ہیں کہ بس تمام لوگوں کو ہماری ہی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ کسی اور کی طرف رخ بھی نہ کرنا چاہئے۔ اس حالت میں تم ہرگز مخلص نہیں ہو بلکہ اخلاص سے مفلس ہو۔

(التبلیغ ترجیح الآخرۃ: ص۲۴۸، ج۲)

نام ونمود شہرت یافتہ مبلغ خطرہ میں ہے

حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی کو ایسی حالت میں دیکھو کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہے کہ بہت کام کرتا ہے اس کو شمار میں نہ لاؤ، اور جس کو اعتدال کے ساتھ کام کرتا ہوا دیکھو اس سے امید رکھو کہ انشاء اللہ یہ کامیاب ہوگا۔

شریعت کی تو یہ تعلیم ہے مگر آج کل ایسا مزاج بدلا ہے کہ اظہار واشتہار اور ٹیپ وٹاپ کے بغیر کام کرنا ہی نہیں جانتے۔

صاحبو! کیا یہ ریا نہیں اور کیا ریا وغیرہ سے ممانعت نہیں؟ اور وہ ممانعت کس کے لئے ہے؟ کیا یہ احکام کفار کے واسطے ہیں؟ بلکہ مسلمانوں ہی کو ریا سے منع کیا گیا ہے کیوں کہ کفار فروع کے مخاطب نہیں ہیں۔

یاد رکھو! جوش سے کام نہیں چلتا، بلکہ ہوش سے کام چلتا ہے۔ جوش اور ہنگامہ کی ضرورت نہیں ہوش سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ (التواصی بالحق: ص۱۹۹)

اخلاص سے متعلق حضرت علیؓ کی حکایت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکایت ہے کہ آپ ایک کافر کے قتل کرنے کے واسطے اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے اس نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اتر پڑے اور اس کو چھوڑ دیا۔ اس نے پوچھا کہ آپ باوجود اس کے کہ مجھ پر غالب ہو گئے تھے اور میں پوری طرح آپ کے قبضہ میں آگیا تھا۔ پھر گستاخی بھی سخت کی ان سب کے باوجود پھر کیا وجہ پیش آئی کہ الگ ہو گئے۔ اور قتل نہیں کیا؟ فرمایا کہ تیرے تھوکنے سے پہلے تو میری نیت اللہ کے واسطے تجھ کو مارنے کی تھی اور جب تو نے تھوکا تو غصہ آگیا اور نفس نے کہا کہ جلدی اس گستاخ کا کام تمام

www.alislahonline.com

کردو،تواب نفس کی آمیزش (ملاوٹ) ہوگئی اگر قتل کرتا تو خالص اللہ کے واسطے نہ ہوتا،اس لئے میں نے چھوڑ دیا وہ یہ دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔یہ حکایت خلوص کی مناسبت سے بیان کی گئی۔

(وعظ ذمّ ہویٰ ملحقہ آداب انسانیت:ص ۳۸)

حضرت ابوالحسن نوریؒ کی حکایت

حضرت ابوالحسن نوریؒ کی حکایت ہے کہ ایک بار ایک موقع پر چلے جارہے تھے۔چلتے چلتے دریا کے کنارے پر پہونچے۔دیکھا کہ شراب کے مٹکے کشتیوں سے اتر رہے ہیں۔پوچھا کہ ان میں کیا ہے؟ کشتی والے نے کہا کہ شراب ہے۔خلیفہ وقت معتضد باللہ کے لئے آئی ہے اور وہ دس مٹکے تھے شیخ کو غصہ آیا اور کشتی والے کی لکڑی مانگ کر نو مٹکے یکے بعد دیگرے توڑ ڈالے،اور ایک مٹکا چھوڑ دیا،چوں کہ یہ شراب خلیفہ کے لئے لائی گئی تھی،اس لئے ان کا براہِ راست خلیفہ کے یہاں چالان کردیا گیا۔معتضد نہایت ہیبت ناک صورت میں بیٹھ کر اجلاس کیا کرتا تھا۔لوہے کی ٹوپی اوڑھتا تھا۔اور لوہے کی زرہ اور لوہے کا گُرز ہاتھ میں ہوتا تھا اور لوہے کی کرسی پر بیٹھتا تھا۔معتضد نے نہایت کڑی اور ہولناک آواز سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو کچھ میں نے کیا ہے آپ کو بھی معلوم ہے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں،ورنہ میں یہاں تک نہ لایا جاتا۔معتضد یہ جواب سن کر برہم ہوا۔اور پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ کیا تم محتسب (نگراں) ہو؟ شیخ نے فرمایا کہ ہاں محتسب ہوں،خلیفہ نے پوچھا کہ تم کو کس نے محتسب بنایا ہے؟ فرمایا کہ جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا ہے۔خلیفہ نے پوچھا کہ کوئی دلیل ہے؟ فرمایا:"یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآاَصَابَکَ"۔

ترجمہ: قائم کرو نماز کو،اور حکم کرو نیک باتوں کا،اور لوگوں کو بری باتوں سے روکو،اور اس سے جو تجھ کو تکلیف پہونچے اس پر صبر کرو۔

www.alislahonline.com

معتضد یہ بے باکی کی باتیں سن کر متاثر ہوا۔اور کہا کہ ہم نے تم کو آج سے محتسب (نگراں) بنایا۔مگر ایک بات بتاؤ کہ ایک مٹکہ تم نے کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا کہ جب میں نے نو مٹکے توڑ ڈالے تو نفس میں خیال آیا کہ اے ابوالحسن تو نے بڑی ہمت کا کام کیا کہ خلیفہ وقت سے بھی نہ ڈرا،میں نے اسی وقت ہاتھ روک لیا کیوں کہ اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے توڑے تھے۔اگر اب توڑوں گا تو وہ نفس کے لئے ہوگا۔اس لئے دسواں مٹکہ چھوڑ دیا۔(ذم ہویٰ۔آداب انسانیت:ص ۳۰)

ایک حدیث پاک کا مفہوم اور غیر مخلص کا انجام

بعض کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی صورت (یعنی ظاہری اعتبار سے وہ) دنیا ہے اور وہ آخرت میں دخل رکھتی ہیں تو واقع میں وہ دنیا نہیں۔اسی طرح اس کے مقابل آخرت کا وہ کام جو آخرت (دین) کی صورت میں ہو اور حقیقت میں دنیا کے لئے ہو تو وہ آخرت (اور دین) نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ ایک شہید کو بلائیں گے اس سے پوچھیں گے کہ تم نے ہمارے لئے کیا کام کیا؟ وہ کہے گا اے مرے رب میں نے آپ کے راستہ میں جہاد کیا تھا۔یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ارشاد ہوگا۔

"لَابَلْ اِنَّمَا قَاتَلْتَ لِیُقَالَ اِنَّکَ لَجَرِیٌٔ فَقَدْ قِیْلَ فَیُؤْمَرُ بِہٖ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ"۔

نہیں تم نے جہاد اس لئے نہیں کیا تھا،بلکہ اس لئے کیا تا کہ لوگ یوں کہیں،کہ بھئی بڑا بہادر ہے،تو یہ کہا جاچکا یعنی جس کے لئے تم نے جہاد کیا وہ تم کو حاصل ہوچکا پس اس کا فیصلہ کردیا جائے گا۔اور وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اسی طرح ایک سخی کو بلائیں گے اور اس کا بھی یہی حشر ہوگا کہ ہمارے لئے تم نے

سخاوت نہیں کی بلکہ اس لئے تم نے سخاوت کی: "لِيُقَالَ اِنَّكَ جَوَّادٌ فَقَدْ قِيْلَ" تاکہ لوگ یہ کہیں کہ بڑا سخی ہے، تو بہت تعریف ہوچکی۔

اسی طرح ایک عالم کو بلائیں گے اور سوال ہوگا کہ تم نے کیا کیا۔ عرض کرے گا کہ میں نے آپ کی رضاء کے لئے وعظ کہا۔ اور یہ کیا وہ کیا۔ ارشاد ہوگا نہیں، اس لئے یہ کام نہیں کیا بلکہ اس لئے "لِيُقَالَ اِنَّكَ لَعَالِمٌ" کہ یہ کہا جائے کہ یہ بڑے عالم ہیں تو آپ کی بھی بہت تعریف ہوچکی اب یہاں کیا رکھا ہے۔

تو دیکھئے۔ شہادت، سخاوت، علم دین کی خدمت، جو اس طریقہ سے ہو۔ (جس کا ذکر حدیث میں گذرا یعنی ریا کے ساتھ ہو) وہ بھی دنیا ہی ہے۔ اگرچہ صورت اس کی آخرت (اور دین) کی ہے۔ چنانچہ ایک خرچ کرنا کفار کا تھا کہ اپنے نزدیک نیک کام سمجھ کر خرچ کرتے تھے مگر پھر بھی ان کی مذمت کی گئی، کیوں کہ وہ محض دین کی صورت تھی اور حقیقت میں وہ دین میں خرچ کرنا نہ تھا۔

چنانچہ ارشاد ہے: "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" یعنی کفار اپنے اموال اس لئے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو خدا کے راستہ سے باز رکھیں اور ایک خرچ اہل ایمان کا تھا "لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا" تاکہ خدا ہی کا نام بلند ہو۔

تو دیکھئے حالانکہ اہل ایمان اور اہل کفر دونوں خرچ کرتے ہیں اور دونوں کا مقصد بھی اپنے عقیدہ کے مطابق اعانت دین ہی ہوتا ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فعل ایک ہی ہیں مگر چونکہ یہ دین (اسلام) مقبول ہے اس لئے اس کے لئے خرچ کرنا بھی دین ہے اور وہ دین باطل ہے۔ اس لئے اس کے لئے خرچ کرنا دنیا محض ہے گو صورۃً اشتراک ہے مگر حقیقۃً بڑا فرق ہے اور اسی فرق کی وجہ سے ایک دنیا ہے اور ایک دین۔

اسی طرح ہر عمل کی یہی کیفیت ہے کہ محض دین کی صورت ہونے سے وہ دین نہیں بن سکتا، اور نہ صورۃً دنیا ہونے سے دینا بنتا ہے۔ بس اس کی بڑی ضرورت ہے کہ غور کر کے

www.alislahonline.com

دیکھا جائے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں آیا وہ دین کے لئے خلوص اور نیک نیتی سے کر رہے ہیں یا ایسا نہیں؟ اگر خلوص سے کر رہے ہیں تو وہ مقبول ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ (ضرورت تبلیغ: ص۲۹۶)

نفس کا دھوکہ اور اخلاص پیدا کرنے کا طریقہ

دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو دین کو دنیا کے واسطے کرتے ہیں، جس کا مذموم ہونا ظاہر ہے۔ اور ایک وہ لوگ ہیں جو دین کا کام اس لئے چھوڑ بیٹھے ہیں کہ آخرت کی نیت تو ہے ہی نہیں پھر بلا نیت کے کر کے کیا کریں گے۔ چنانچہ یہی سمجھ کر بہت سے لوگوں نے نماز چھوڑ دی کہ جیسی مطلوب ہے ویسی تو ہو ہی نہیں سکتی تو پڑھنے سے کیا فائدہ۔ بعض لوگوں نے روزہ چھوڑ دیا کہ جیسا ہونا چاہئے ویسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر رکھنے سے کیا فائدہ۔

صاحبو! یہ بڑی غلطی ہے حقیقی روزہ نماز حاصل کرنے کی تدبیر بھی یہی ہے کہ پہلے روزہ کی صورت کو اختیار کرو، گو مخلص نہ ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کی ضد (یعنی غلطی اور فاسد نیت) بھی نہ ہو۔ خلو کا درجہ ہو۔ (یعنی خالی الذہن ہوں) اسی سے خلوص ہو جاتا ہے۔ اور کرتے کرتے نیت بھی درست ہو جاتی ہے۔

اور یہ نفس کا حیلہ و بہانہ ہے کہ جب کامل عمل نہیں ہوتا تو ناقص کیوں کریں۔ سبحان اللہ! کیا دنیا کے جتنے کام کامل ہوتے ہیں وہ پہلے ہی دن سے کام ہو جاتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ ایک مدت کے بعد عمدہ کام کرنا آتا ہے۔ یہی حال آخرت کے اعمال میں بھی ہے کہ کرتے کرتے ہی کمال حاصل ہو جائے گا۔ پس ناقص عمل بھی بیکار نہیں۔ بلکہ یہ ذریعہ ہے کامل کا۔

پس اعمال صالحہ میں خلوص کا قصد تو کرو لیکن اگر آج حاصل نہ ہو تو عمل نہ چھوڑ بیٹھو، بلکہ کئے جاؤ۔ اور قصد بھی برابر رکھو انشاء اللہ ایک دن ضرور حاصل ہو جائے گا۔

(ضرورت تبلیغ: ص۲۹۷)

﴿باب ۱۷﴾

داعی کی دوقسمیں عامل غیر عامل

داعی دوقسم کے ہوتے ہیں: ایک صاحب عمل، ایک غیر صاحب عمل۔ اول کی دعوت تو احسن ہے۔ ثانی (یعنی بے عمل داعی) کی دعوت غیر احسن ہے۔ کیوں کہ دعوت کا مقصد یہ ہے کہ وہ دعوت دوسرے شخص کے رجوع الی الخیر (یعنی نیک کام کی طرف لگنے) کا سبب ہے تو دعوت الی اللہ کو جو اچھا کہا گیا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ یہ سبب ہے لوگوں کے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا۔ دوسرے اس وجہ سے کہ وہ خود بھی ایک طاعت ہے اور دونوں درجوں میں اس کا احسن (اچھا) ہونا مشروط ہے۔ عمل صالح کے ساتھ (اور عمل صالح خود بھی ایک طاعت ہے) اور ایک طاعت کرنے سے دوسری طاعت میں نور بڑھتا ہے۔ جس سے اس کی نورانیت قوی ہوجاتی ہے۔ جیسے ایک چراغ کی روشنی ہلکی ہوتی ہے اور دوسرا چراغ بھی جلا دیا جائے تو اس پہلے چراغ کو روشنی اور نورانیت میں اضافہ ہوجائے گا۔ سو طاعت میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک طاعت دوسری طاعت کے نور کو بڑھاتی اور قوت کرتی ہے۔

اسی طرح اس طاعت یعنی دعوت الی اللہ کا نور بھی دوسری طاعت یعنی عمل صالح سے قوی ہوتا ہے۔

اور (جب) دعوت الی اللہ کا مقصد مخاطب کا اللہ کی طرف متوجہ ہوجانا ہے تو عمل صالح کو اس غایت کے اعتبار سے احسنیت میں یہ داخل ہے۔ کہ مشاہدہ ہے کہ اگر ناصح (مبلغ) خود عمل نہ کرے تو اس کی نصیحت میں اثر نہیں ہوتا، اور جو خود عمل کرتا ہے اس کی نصیحت میں اثر ہوتا ہے اور اس کا ایک طبعی سبب ہے۔ وہ یہ کہ اگر ناصح کا خود اس پر عمل نہ ہو تو مخاطب کو یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ عمل ضروری ہوتا تو یہ ناصح (نصیحت کرنے والا) خود کیوں نہ

www.alislahonline.com

کرتا، معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیر ضروری ہے۔

عمل وہ چیز ہے کہ (اس کی وجہ سے) نصیحت کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔

(الدعوت الی اللہ: ص ۲۹)

ایک واقعہ

ایک جگہ میں گیا وہاں ایک اسکول بھی تھا۔ جس میں مسلمانوں کے بچے پڑھتے تھے ۔ اور اس کا ماسٹر ہندو تھا۔ وہاں لوگوں نے مجھ سے ماسٹر کی بڑی تعریف کی، کہ روزانہ پانچ وقت نماز پڑھوانے کے لئے لڑکوں کو مسجد لے جاتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کا نماز پڑھوانا کچھ مفید نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ روزانہ پانچ وقت بچوں کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہوگا کہ اگر نماز ضروری چیز ہے تو ماسٹر صاحب خود کیوں نہیں پڑھتے ۔ اس لئے ضرورت ہے کہ نماز پڑھوانے والا مسلمان ہونا چاہئے۔

اور حقیقت میں یہی ہوتا ہے کہ باعمل علماء کا جو اثر ہوتا ہے وہ بے عمل علماء کا نہیں ہوتا۔ (الدعوت الی اللہ: ص ۲۹)

عمل صالح کی ضرورت اور نااہل کو تبلیغ کرنے کی مذمت

داعی میں دعوت کے ساتھ عمل صالح۔ اور عمل صالح کے ساتھ تواضع وافتقار بھی ہونا ضروری ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں اور دیکھ کر سخت شرم اور افسوس ہوتا ہے کہ اسلامی کام اکثر ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جن پر عمل صالح تو کیا صادق آتا آمن (ایمان کامل ہونا) بھی مشکل سے صادق آتا ہے۔ یعنی مدعی تو ہیں خدمت اسلام کے اور کفر کے کلمے بکتے ہیں، علماء کی توہین کرتے ہیں، علماء کی تضحیک کرتے ہیں۔ (ہنسی اڑاتے ہیں) دین کا استخفاف کرتے ہیں۔ (کمتر سمجھتے ہیں) اور پھر اسلام کی خدمت کے مدعی بنتے ہیں، دین کے حامی بنتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے کاموں میں فلاح (کامیابی نہیں)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ کہ قیامت کب آئے گی۔ آپ نے فرمایا جب کام غیر اہل کے سپرد ہوگا۔ میں خادمانِ اسلام کو خدمت چھوڑنے کے لئے نہیں کہتا بلکہ یہ کہتا ہوں کہ وہ خود بھی عمل صالح کے پابند ہوجائیں مگر ریا سے نہیں کہ مجمع کو دکھانے کے لئے نماز پڑھ لی۔ (الدعوت الی اللہ: ص ۶۵)

مبلغین کو اپنی حالت درست کرنے اور خود عمل کرنیکی ضرورت

چند کوتاہیاں اور بھی ہوتی ہیں ایک یہ کہ بسا اوقات جو مبلغ ہوتے ہیں۔ خود ان کی حالت درست نہیں ہوتی۔ اور اس سے بھی بڑے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ جب استاد ہی ناقص ہوگا تو شاگرد تو اور بھی ناقص ہوگا۔ تو سب سے پہلے مبلغ کو اپنے عمل کی اصلاح ضروری ہے تاکہ ان پر اچھا اثر پڑے۔

ایک بڑھیا اپنے لڑکے کو ایک بزرگ کی خدمت میں لائی اور عرض کیا۔ کہ حضرت یہ گُڑ بہت کھاتا ہے اسے نصیحت فرمادیجئے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ کل لانا دوسرے دن بڑھیا اس لڑکے کو لائی۔ ان بزرگ نے نصیحت فرمادی کہ میاں گڑ بہت مت کھایا کرو۔ نقصان کرتا ہے۔ اس کے بعد اس لڑکے نے گُڑ کھانا چھوڑ دیا۔ خدّام نے پوچھا کہ حضرت ایک دن کی تاخیر میں کیا مصلحت تھی؟ فرمایا مجھے بھی گُڑ کھانے کی عادت تھی اب میں نے وہ عادت چھوڑ دی، اگر اس وقت کہتا تو اثر نہ ہوتا اب میرے لہجہ میں قوت، اور زبان میں برکت، اور قلب میں طاقت پیدا ہوگئی۔

آپ تجربہ کر لیجئے کہ بدعمل ناصح (مبلغ) کا لہجہ نرم (دبے الفاظ میں) ہوتا ہے نہ برکت ہوتی ہے نہ قوت ہوتی ہے، اس سے اثر بھی نہیں ہوتا۔ اگر کوئی بدعمل بتکلف اپنے لہجہ میں قوت پیدا کرے تو اس کی بے شرمی ہے۔ (التبشیر: ص ۴۰۲)

www.alislahonline.com

"یَسِّرُوْا" (یعنی آسانی کرو اس میں) یہ بھی داخل ہے کہ اپنی اصلاح پوری طرح کرلو کہ دوسروں کو دیکھنے سے اصلاح ہوجائے۔ میں جو صحبت کی ترغیب دیتا ہوں اس میں یہی راز ہے کہ دیکھنے سے اصلاح ہوجاتی ہے۔ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ (التبشیر: ص ۴۰۲)

تبلیغ کرنے والوں کو اپنی اصلاح کی ضرورت

بعض لوگ تو دوسروں کی اصلاح میں ایسے کھپ جاتے ہیں کہ اپنی بالکل خبر نہیں رہتی، اور اس وقت کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں۔ اور وجہ اس کی صرف نام ونمود (شہرت) ہے۔ آج کل وہ لوگ جن کا نماز روزہ تک ٹھیک نہیں، عقائد خراب ہیں۔ حلال وحرام کی تمیز نہیں مصلح قوم بنے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب واقعہ ہے کہ ان کو وضو کے لئے پانی نہیں ملا تو سب سے آگے بڑھ کر آپ نے تیمّم کیا (اس طرح کہ) مٹی لے کر کلائی تک ملی۔ حالانکہ تیمّم میں پہلے منہ پر ہاتھ ملا جاتا ہے۔ غرض احکام سے اتنی ناواقفی کہ تیمّم تک کی بھی خبر نہیں اور پھر قوم کے رہبر کہلاتے ہیں افسوس ایسے لوگ مقتداء اور ہادی بنتے ہیں۔

غرض آج کل ایسے لوگ تبلیغ اور اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے ہیں، جن کی حالت یہ ہے۔ تو بات کیا ہے۔ کہ اس سے شہرت ہوتی ہے کہ فلاں صاحب رات دن تبلیغ میں رہتے ہیں۔ اور اپنی اصلاح کی اس لئے فکر نہیں کہ اس میں تکلیف بہت ہوتی ہے (اس میں نفس سے کشتی لڑنا پڑتی ہے) اس میں زبان پر بھی بار پڑتا ہے کیونکہ جی چاہتا ہے کسی کی غیبت کریں پھر وعید یاد آتی ہے تو چھوڑنا پڑتا ہے کسی حسین عورت کو دیکھ لیا کسی حسین امرد پر نظر پڑگئی، جی چاہتا ہے اس سے نظر نہ پھیریں۔ بار بار تقاضہ ہوتا ہے کہ اسے دیکھتے ہی رہیں۔ ادھر یہ آیت یاد آتی ہے۔ "قُلْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْنَ مِنْ اَبْصَارِهِمْ" (آپ فرمادیجئے کہ اے مسلمانوں! اپنی نگاہیں نیچی رکھو) ادھر نفس کا تقاضہ ہے کہ دیکھتا رہے۔ ادھر یہ وعید یاد آتی ہے تو قلب پر آرہ چلتا ہے۔ ہر لمحہ نئی موت آتی ہے۔ سو یہ مصیبتیں ہیں اپنی اصلاح میں۔ ادور دوسرے کی

اصلاح کیا مشکل ہے۔صرف زبان چلانا پڑتی ہے جو بالکل آسان ہے،اس لئے لوگوں کو اپنی اصلاح کی فکر نہیں۔صاحبو! پہلے اپنی اصلاح کرو۔ (الاتمام لنعمۃ الاسلام:ص۱۳۴)

اپنی اصلاح کے بجائے دوسروں کے پیچھے پڑنا

اب میں ایک اور مشغلہ کا بیان کرتا ہوں۔جو اسی عیب گوئی،عیب جوئی کا شعبہ ہے اور جس میں بہت سے پڑھے لکھے آدمی بھی پڑے ہوئے ہیں اور اس کے مفاسد پر تو کیا نظر اس کو اچھا کام سمجھے ہوئے ہیں وہ یہ کہ اپنی فکر چھوڑ کر دوسروں کی اصلاح کے در پے ہوتے ہیں۔ظاہراً یہ ایک نیک عمل معلوم ہوتا ہے۔لیکن اس میں ایک شیطانی دھوکہ ہے۔جس کا بیان یہ ہے کہ بعض لوگ غیبت اور عیب جوئی وغیرہ سے احتراز کرنا چاہتے ہیں اور شیطان ان کو بہت ترکیبوں سے اس میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور جب کوئی داؤں نہیں چلتا تو یہ سمجھاتا ہے کہ دوسرے کی اصلاح کرو۔اس دام میں آکر دوسروں کے عیوب پر نظر ڈالنے کی عادت ہو جاتی ہے اور دل میں یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ ہم عیب جوئی (اور غیبت) تھوڑی کرتے ہیں بلکہ اس کی اصلاح کے در پے ہیں۔جہاں کہیں بیٹھتے ہیں ان عیبوں کو ذکر کرتے ہیں اور اچھی طرح غیبت کر لیتے ہیں۔ہاں آخر میں دل کو تسلی دینے کیلئے اور اپنی برأت قائم رکھنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ بھائی خدا اس کے حال پر رحم کرے یہ یہ عیب اس میں ہیں۔ان کو دیکھ کر بڑا دل دکھتا ہے،ہم بطور غیبت کے نہیں کہتے بلکہ ہم کو ان سے تعلق ہے۔یہ برائیاں دیکھ کر ہم کو رحم آتا ہے۔خدا کرے یہ برائیاں کسی طرح چھوٹ جائیں۔

سبحان اللہ! بڑے خیر خواہ ہیں،سر سے پیر تک تو اس کا گوشت کھالیا (یعنی غیبت کی) مجمعوں میں ان کو ذلیل کیا اور ایک کلمہ سے بری ہو گئے۔یہ سب نفس کی چالیں ہیں۔اس سے آپ کو دو نقصان پہونچتے ہیں۔ایک اپنی اصلاح سے غفلت،دوسرے غیبت وغیرہ،گناہ میں پڑنا۔

(دعوات عبدیت:ص۶۴،ج۱۷)

www.alislahonline.com

دینداروں کا حال

جو لوگ سمجھدار اور دیندار ہیں وہ بھی دوسروں کے گناہوں کو شمار کرتے ہیں۔دوسروں کے عیوب پر ہم لوگوں کی نظر ہوتی ہے۔کبھی کسی کو نہ دیکھا ہوگا کہ اپنے اعمال کو عذاب کا سبب بتلایا ہو،حالانکہ زیادہ ضرورت اسی کی ہے۔رات دن ہمارا سبق یہ ہے کہ ہم ایسے اور ہم ویسے اور دوسرا ایسا اور ویسا ہے۔

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ اے عزیز تیری ایسی مثال ہے کہ تیرے بدن پر سانپ اور بچھو لپٹ رہے ہیں اور ایک دوسرے شخص پر مکھی بیٹھی ہوئی ہے اور تو اس کو مکھی بیٹھنے پر ملامت کر رہا ہے لیکن اپنے سانپ بچھو کی خبر نہیں لیتا۔

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اپنی آنکھ میں شہتیر بھی نظر نہیں آتا اور دوسرے کی آنکھ کے تنکے کا تذکرہ کر رہے ہیں۔حالانکہ اول تو یہ دونوں مستقل عیب ہیں۔کیوں کہ اپنے عیبوں کا نہ دیکھنا یہ بھی گناہ ہے۔اور دوسرے کے عیوب کو بے ضرورت دیکھنا یہ بھی گناہ ہے۔اور بے ضرورت کے یہ معنی ہیں کہ اس میں کوئی شرعی ضرورت نہ ہو۔

(دعوات عبدیت نسیان النفس:ص۷۸،ج۱۲)

ہماری بدحالی

ہم لوگوں کی مجلسوں میں رات دن تمام مخلوق کی غیبتیں،شکایتیں ہوتی رہتی ہیں۔کیا ان سب باتوں سے سوائے بدنام کرنے کے اور کچھ مقصود ہوتا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔یہ لوگ ایک تو غیبت کے گناہ میں مبتلا ہوئے۔دوسرے ایک لایعنی فعل کے مرتکب ہوئے۔

عیب گوئی اور عیب جوئی سے اگر یہ مقصود ہے کہ اس شخص سے یہ عیب جاتا رہے اور اس کی اصلاح ہو تو کیا وجہ ہے کہ کبھی اس کے آثار کیوں نہیں پائے گئے کیا کبھی کسی شخص نے

صاحب عیب کو خطاب کر کے نہایت شفقت کے ساتھ (تنہائی میں) اس کے عیوب پر مطلع کیا ہے؟ اور اگر نہیں کیا تو کیا محض چار آدمیوں میں کسی کے عیب کا تذکرہ کر دینا اصلاح کہلائے گا؟ ہرگز نہیں۔

حضرت رابعہ بصریؒ شیطان کو بھی برا نہ کہتی تھیں، اور فرمایا کرتی تھیں کہ جتنی دیر اس فضول کام میں صرف کی جائے۔ اتنی دیر تک اگر محبوب کے ذکر میں مشغول رہیں تو کس قدر فائدہ ہے۔ (دعوات عبدیت: ص۹۲ ر ج۱۲)

ہمدردی وخیر خواہی کا مقتضی

آپ کا کوئی نالائق بیٹا ہو اور برے کاموں میں مبتلا ہو۔ آپ کو تنگ کرتا ہو۔ اس کے عیب آپ کی زبان پر ہر جگہ نہیں آئیں گے۔ بلکہ ان کے زبان پر آنے سے آپ کا دل دکھے گا۔ اور حتی الامکان آپ یہ چاہیں گے کہ یہ عیب کسی پر ظاہر نہ ہو اور اس کو مناسب طریقے سے تنہائی میں آپ سمجھائیں گے کہ یہ حرکتیں چھوڑ دو۔ یہ کبھی نہ ہوگا کہ آپ ان عیبوں کو جگہ جگہ گاتے پھریں۔

اصلاح اس کو کہتے ہیں کہ اگر آپ کو اس شخص کی اصلاح کرنی ہے، جس کی غیبت میں آپ مبتلا ہیں تو دوسرے کے سامنے اس کے عیب ظاہر کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کو تنہائی میں سمجھائیے۔ اور اس طرح سمجھائیے جیسے اپنے بیٹے کو سمجھاتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ آپ کے دس جگہ ان عیبوں کے مجمع میں ذکر کرنے سے جو اثر ہوتا ہے اس سے زیادہ ایک جگہ علیحدگی میں سمجھانے سے ہوگا۔

اور اگر اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ اس کو تنہائی میں سمجھائیں۔ بلکہ مجمعوں میں اس کے عیب ظاہر کرنے میں لطف آتا ہے، تو سمجھ لو کہ یہ وہی شیطان کا دھوکہ ہے جو زہر آلود مٹھائی کا کام دے گا۔ (دعوات عبدیت: ص۶۴ ر ج۱۷)

www.alislahonline.com

فصل (۱)

دعوت وتبلیغ میں مبلغ کے لئے بڑا مفسدہ

(دعوت وتبلیغ) میں ایک اور مفسدہ عارض ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ وعظ (تبلیغ) اور عمل کی ساتھ ہی اس میں کبر وعجب ہو جاتا ہے کہ میں بڑا صاحب کمال کہ اللہ میاں کے تمام حقوق ادا کرتا ہوں حق تعالیٰ اس کے علاج کے لئے آگے تواضع کی تعلیم فرماتے ہیں: ”وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ“ یعنی اس نے یوں بھی کہا کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کیجئے۔ پھر آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس سے کیا مراد ہے۔ وہ ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ شخص یہ بھی کہتا ہے کہ ”میں تو تابعداری کرنے والا ہوں‘ غلامی کرنے والا ہوں (کہو اسلام اور مسلمان کے یہی معنی ہیں) تو یہ تواضع کی تعلیم ہوئی۔

تو آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ دعوت الی اللہ میں عمل صالح سے جس میں دعویٰ بھی نہیں پیدا ہوتا اس سے اچھا کسی کا قول نہیں۔

حقیقت میں بندہ کو دعویٰ کا حق ہی کیا ہے مگر ہماری حقیقت ناشناسی ہے کہ ہم اپنی عبدیت کی صفت بھول گئے، آقا نے کہا پانی پلاؤ تو غلام نے یہ سمجھا کہ میں نے پانی پلایا تو بڑا احسان کیا اور یہ نہ سمجھا کہ میں تو غلام ہی ہوں۔ اس صفت کے بھول جانے سے ہمیں ہر چیز پر فخر ہے۔ نماز پر فخر، وعظ (تبلیغ) پر فخر، اگر یہ نہ سمجھتا کہ میں تو غلام ہوں انہیں کے حکم سے اور انہیں کی توفیق سے کر رہا ہوں۔ اگر وہ ہمیں توفیق نہ دیتے تو کہاں سے کچھ کرتے۔ پس ”اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ“ کے معنی یہ ہیں کہ میں تو فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ اور حقیقت میں ہم کرتے ہی کیا ہیں یہ تو ان کی عنایت ہے کہ انہوں نے سارا کام خود کرا کر ہماری طرف منسوب کر دیا۔ (الدعوت الی اللہ: ص۳۹)

پھر "اِنَّنِیْ مُسْلِمٌ" نہیں فرمایا کہ اس میں تفرد کا شبہ ہوتا۔ کیوں کہ بڑے کا تو غلام بننا بھی تو فخر ہے تو اس صورت میں پھر عجب کا شائبہ رہ جاتا ہے۔ کہ یہ شخص سمجھتا کہ تنہا میں ہی فرمابردار ہوں......تو "اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" نے صیغہ کے اعتبار سے اس طرف اشارہ کردیا کہ کام کرنے والے تو بہت ہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں ایک ہی ہوں۔ کبھی نخرہ پیدا ہوتا ہے کہ میں نہیں کروں گا۔ تو کام رک جائے گا۔ یہ لفظ بھی بتلا رہا ہے کہ وہاں بہت سے غلام ہیں۔ اگر ایک غلام نے فرمابرداری نہ کی تو اس نے اپنا ہی کچھ کھویا۔

(الدعوت الی اللہ: ص۴۳)

کام کرنا مقبول ہونے کی دلیل نہیں

اللہ تعالیٰ جس سے چاہیں اپنے دین کا کام لے لیتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ جس سے کام لیا جائے وہ عنداللہ مقبول ہی ہو۔ دیکھو چمار سے کام لیا جاتا ہے مگر اس سے چمار کا کوئی درجہ نہیں بڑھ جاتا۔ وہ اپنی جگہ چمار ہی رہتا ہے۔

(مجالس حکیم الامت: ص۲۸۶)

www.alislahonline.com

فصل (۲)

دوسروں کی تحقیر سے احترازاور حسن ظن کی ضرورت

خدا جانے ہمیں تقدس (اور اپنی دینداری) پر کیوں ناز ہے۔ ہماری تو حقیقت ہی کیا ہے۔ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے: "وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ" اگر ہم چاہیں تو سارا علم سلب کردیں۔

ہمیں اپنے تھوڑے سے علم اور تھوڑے سے تقدس پر اس قدر ناز ہے کہ جہاں ذرا تسبیح ہلائی اور بزرگ ہوگئے۔ اب ساری دنیا سے جھگڑتے پھرتے ہیں......آپ کو کیا خبر ہے کہ آپ کا سارا تقدس دھرا رہ جائے اور جن سے آپ جھگڑتے پھرتے ہیں ان کی آناً فاناً منزل تک رسائی ہو جائے۔

ابھی کیا خبر کہ مرتے وقت ہم کس حال میں ہوں گے ابھی تو کشتی منجدھار میں ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے (کہ انجام کیا ہوگا) یہ فکر تو ایسی ہے کہ اس کے بعد نہ کسی کو کافر بنانے کی فکر اور نہ کسی کو فاسق کہنے کی فکر ہوتی ہے۔ میں اصلاح کو منع نہیں کرتا۔ مگر کسی کو حقیر نہ سمجھو کیوں کہ یہ تو تکبیر ہے خدا جانے انجام کیا ہوگا۔ شیطان کو دیکھو کہ آٹھ لاکھ برس تک عبادت کرتا رہا۔ مگر ایک بات سے انکار کر کے مردود ہوگیا۔

میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ "وہاں تو ذرا میں پکڑ ہے اور ذرا میں نواز دیتے ہیں"۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت ہے کہ ذرا میں پکڑ لیتے ہیں۔ اس سے توبہ کرنا چاہئے۔ وہاں "سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ" ہے (یعنی رحمت غضب پر سبقت کئے ہوئے ہے) ہاں یہ بالکل صحیح ہے کہ ذرا میں نواز دیتے ہیں، باقی یہ نہیں ہوتا کہ ذرا میں پکڑ لیں۔ شیطان جو راندہ درگاہ ہوا تو کوئی تھوڑی بات نہ تھی جس کی وجہ سے راندہ درگاہ

ہوا۔اس کو حکم ہوا کہ سجدہ کرو، تو کہتا ہے کہ نہیں کرتے ۔اگر آپ کا کوئی نوکر اس طرح انکار کرے تو بتایئے آپ کو کس قدر طیش ہوگا اور وہ نالائق حجت بھی کرتا ہے کہ "خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ" کہ میں آدم کو سجدہ کیسے کروں، مجھے تو آگ سے پیدا کیا ہے اور انہیں خاک سے تو اس کی رائے میں یوں ہونا چاہئے تھا۔کہ آدم اسے سجدہ کرتے۔تو گویا حجت کے ساتھ انکار کرتا ہے۔گویا خدا کے امر کو بیوقوفی سمجھتا ہے۔پھر یہ کتنی بڑی بات ہے کہ حکیم مطلق ایک حکم کرے اور یہ اس کو حماقت سمجھ کر اس کے عمل سے انکار کردے۔

شیطان کہتا ہے کہ میں نے لوح محفوظ میں لکھا دیکھا تھا کہ آدم مخلوق ہوں گے پھر ان کے لئے سجدہ کا حکم ہوگا۔اور ایک شخص سجدہ سے انکار کر کے ملعون ہوگا۔مجھے ہر شخص پر شبہ تھا کہ شاید یہ ملعون ہوگا مگر خود اپنے اوپر شبہ نہ ہوا۔کیونکہ اپنی عادت کی وجہ سے اپنے ساتھ حسن ظن بڑھا ہوا تھا۔اور بڑا ناز تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حکم ہوجائے کہ سوائے ایک شخص کے کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا تو میرا گمان نہ فرعون پر ہوگا، نہ ہامان پر، نہ قارون پر، نہ نمرود پر ہوگا، بلکہ مجھے یہی خوف ہوگا کہ کہیں وہ ایک میں ہی نہ ہوں، اسی طرح اگر یہ حکم ہوجائے، سوائے ایک کے کوئی جنت میں نہ جائے گا۔تو مجھے یہ احتمال ہوگا کہ شاید وہ ایک میں ہی ہوں۔

الغرض: اپنے ظاہری تقدس پر نظر کر کے کبھی کسی کو حقیر نہ سمجھو۔تمہیں کیا خبر ہے اگر خدا چاہے ذراسی دیر میں (گناہوں کی) ناپاکی کو دھو کر پاک وصاف بنادے خواہ کتنا ہی بڑا کافر ہو۔حضرت مولانا قاسم صاحبؒ نے ایک بنئے کو خواب میں دیکھا کہ جنت میں ہے ۔پوچھا کہ تم یہاں کہاں؟ کہا کہ مرتے وقت (یعنی مرنے سے کچھ پہلے) کلمہ پڑھ لیا تھا ۔اب کیا کسی کو حقیر سمجھتے ہو۔

(التبشیر :ص۳۸۰،۳۸۳)

www.alislahonline.com

ایک حکایت

ایک عابد نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور ان کے ساتھ ہولیا۔اور ایک گنہگار فاسق فاجر اپنے دروازہ پر کھڑا رہا۔عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر بہت جی چاہتا تھا کہ ان سے ملے ۔مگر اپنی بدکاری پر نظر کرتے ہوئے ہمت نہ پڑتی تھی کہ آپ کے پاس آئے ۔اپنے کو بہت روکا آخر نہ رہا گیا۔اور وہ بھی ساتھ ہوگیا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اخلاق سے پیش آئے اور اس جاہل عابد کمبخت متکبر نے اس کو بہت لتھاڑا کہ تو ہمارے ساتھ کیسے ہوگیا اور دعاء کی کہ اے اللہ مجھ کو آخرت میں بھی اس کے ساتھ جمع نہ فرمائیو۔اور اس گنہگار نے اپنی مغفرت کی دعاء کی، فوراً وحی آئی کہ دونوں کی دعاء قبول ہوئی۔اس نے "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ" کہا تھا اس کو ہم نے جنتی بنادیا ۔اور اس نے یہ دعاء کی تھی کہ میرا اور اس کا آخرت میں ساتھ نہ ہو۔ہم نے اس کی بھی دعاء قبول کی، کہ دوزخ میں جائے گا، تا کہ اس کا ساتھ نہ ہو۔

(الاتمام لنعمۃ الاسلام: ص۱۳۸)

فصل (۳)

ترک لایعنی اور فضولیات سے احتراز

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ" (یعنی لایعنی امور کا ترک کردینا آدمی کے حسن اخلاق میں سے ہے)

اور لایعنی عبث ولغو کو کہتے ہیں، یعنی جو چیز نہ نافع ہو نہ مضر (نقصان دہ) وہ لایعنی ہے۔اسی کے ترک کو حضور نے حسن اسلام فرمایا ہے۔اور یہ نہیں فرمایا "مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تُرْکُہٗ مَایَضُرُّہٗ" کہ مضر (نقصان دہ چیزوں) کا ترک کردینا حسن اسلام سے ہے ۔مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے "مَایَضُرُّہٗ کے مَالَایَعْنِیْ" فرما کر یہ بتلادیا کہ جو کام عبث، ولغو و بیکار ہے وہ واقع میں مضر ہے۔

www.alislahonline.com

تو گویا ترک نافع (نفع کو چھوڑنے) کی دو صورتیں ہوئیں ایک ارتکاب مضر، اور ایک خلو عن الشغل المفید (یعنی ایک تو نقصان والے کام کو کرنا، دوسرے مفید کام سے خالی ہونا یعنی ایسا کام کرنا جس میں کوئی فائدہ نہ ہو)۔

اور یہ دوسری قسم اپنے انجام کے اعتبار سے پہلی ہی قسم میں داخل ہوجاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ صرف مضر چیز کا ترک کردینا کافی نہیں ہے بلکہ نافع (نفع والے کام میں مشغول ہونا بھی ضروری ہے۔کیونکہ مشغلہ ہی ایک ایسی چیز ہے جو دوسرے مشغلہ سے روک سکتا ہے۔ورنہ بغیر مشغلہ کے مضر (نقصان) سے رکا رہنا مشکل ہوگا کیوں کہ چند روز تک تو نفس صبر کرتا ہے۔اس کے بعد پھر کسی نہ کسی مشغلہ کی طرف متوجہ کردیتا ہے اور وہ اکثر مضر ہی ہوتا ہے۔چنانچہ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ تم نفس کو مشغول کرلو، قبل اس کے کہ وہ تم کو مشغول کرلے، یعنی اگر تم نے نفس کو کسی کام میں نہ لگایا تو وہ خود تمہارے لئے کوئی دھندا نکال لے گا

۔وہ دھندا کیا ہے اوّلاً وساوس، خطرات، پھر معاصی، ومنکرات، اور نفس کی یہ ادھیڑ بُن اسی وقت تک ہوتی ہے جب تک کہ وہ کچھ نہیں کرتا ورنہ کام میں لگ جانے کے بعد خطرات نہیں آتے۔

دیکھئے ایک کارڈ لکھتے وقت کیا حال ہوتا ہے۔اس وقت تک کوئی بھی خطرہ (وسوسہ) نہیں آئے گا، تو اس کا راز کیا ہے؟ راز یہی ہے کہ نفس کسی وقت بے کار نہیں رہتا۔اگر اس کے لئے کوئی مشغلہ نہ تجویز کیا جائے تو وہ خود اپنے لئے کوئی شغل تجویز کرلیتا ہے۔پس کارڈ لکھتے وقت چونکہ آپ نے نفس کو ایک کام میں لگادیا ہے اس لئے کسی اور چیز کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی۔اور نماز وغیرہ میں جو وساوس آتے ہیں تو اکثر اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ ہم لوگ نفس کو شغل صلوٰۃ میں نہیں لگاتے۔ورنہ وساوس ہرگز نہ آئیں، یا بہت کم آئیں۔

غرض یہ نفس جب بغیر کسی کام کے چھوڑا جاتا ہے تو یہ خود اپنا کوئی مشغلہ تجویز کرلیتا ہے اور ظاہر ہے کہ نفس جو مشغلہ اپنے لئے خود تجویز کرے گا وہ شر ہی ہوگا کیوں کہ نفس کا اصلی میلان شر ہی کی جانب ہے...... چونکہ اس میں غلبہ شر کا ہے اس لئے وہ جو بھی مشغلہ تجویز کرے گا وہ اکثر برا ہی ہوگا۔اور وہم ضر ہی کو تجویز کرے گا۔اسی واسطے مالایعنی (فضولیات) کے چھوڑنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن اسلام فرمایا، کیوں کہ مضر کو تو ہر شخص مضر سمجھتا ہی ہے۔خطرہ صرف لایعنی (بے فائدہ مشغلہ) میں ہے۔پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ ہے کہ مضر کو چھوڑنے کے بعد لایعنی (فضولیات) سے بھی بچے۔

(ضرورت تبلیغ: ص ۲۶۱، ۲۶۴)

بعض مبلغین کی بری عادت

جو کم عقل لوگ لڑتے پھرتے ہیں وہ اپنے بزرگوں کو گالیاں کھلواتے ہیں کیونکہ دو ہی حالتیں ہیں۔یا تو وہ اپنے بزرگوں کی تعریف کرے گا۔یہ بھی مجھے پسند نہیں، یہ استخوان

فروشی ہے کہ خواہ مخواہ اپنے بزرگوں کی تعریف کراتے پھریں۔ جسے غرض ہوگی خود آ کے دیکھ لے گا۔ تمہیں کیا ضرورت ترغیب دینے کی دوسری حالت یہ کہ یا وہ گالیاں دے گا۔لوگ کیا کرتے ہیں کہ ایک مسئلہ کسی کے سامنے بیان کیا۔اس نے ابھی تک تو انہیں کو برا بھلا کہا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے کہہ دیا کہ فلاں بزرگ فرماتے تھے بس ان بزرگ پر گالیاں پڑنا شروع ہوگئیں۔ بھلا اس کی کیا ضرورت کہ ایک مخالف کے سامنے اپنے شیخ کا ذکر کرے اور گالیاں کھلوائے۔

اس طرح اصلاح نہیں ہوتی بلکہ اور عناد بڑھتا ہے۔اور مادہ فاسدہ میں ترقی ہوتی ہے۔

(التبشیر :ص۳۹۶)

www.alislahonline.com

روزمرّہ کا مراقبہ

ہر مسلمان روزمرہ عشاء کی نماز کے بعد سونے سے پہلے گناہوں کو سوچ کر یاد کرے۔اور پھر ان نعمتوں کو یاد کرے جو حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر ہیں۔اور ان دونوں کو یاد کر کے اپنے کو ملامت کرے کہ جس مالک کی اس قدر نعمتیں ہیں، اس کی ایک دن میں مجھ سے اس قدر نافرمانیاں ہوئیں۔اس کے بعد دل سے ان سب گناہوں سے توبہ استغفار کر کے سوئے۔روزانہ بلا ناغہ یہ عمل کرے۔

(تجدید تعلیم وتبلیغ :ص۱۹۵)

باب ۱۸

اتباع علماء اور علماء سے مل کر کام کرنے کی ضرورت

اس وقت جو شخص اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہے اور خدا کو راضی کرنا چاہے۔اس کے لئے اتباع علماء کے سواء کوئی صورت نہیں۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے۔گو حضورؐ کی وفات بھی حیات ہی ہے۔مگر حیات صوریہ کے مقابلہ میں اس کو وفات کہنا ضروری صحیح ہے۔البتہ اللہ تعالیٰ حیٌّ لا یموت ہے۔مگر اللہ تعالیٰ سے انبیاء کے علاوہ بلا واسطہ کوئی مستفید نہیں ہوسکتا۔اور ہم تو صحابہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بلا واسطہ مستفید نہیں ہو سکتے۔تو اب بجز اتباع علماء کے ہمارے لئے دین پر چلنے کی کوئی صورت نہیں رہی۔

مگر افسوس ہے کہ بہت سے لوگوں کو آج کل اتباع علماء سے عار آتا ہے۔بعض لوگوں کو اتباع ائمہ سے بھی عار آتی ہے۔(اتباع علماء:ص۳۴۸)

آج کل عوام کی یہ حالت ہے کہ علماء کو اوّل تو آگے کرتے ہی نہیں۔

صاحبو! اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو علماء کی اتباع کرو ان کو متبوع بناؤ۔تابع نہ بناؤ۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ ان میں انتخاب کرلو، جو نا قابل ہوں ان کا اتباع نہ کرو اور جو قابل ہوں ان کو مقتدا بناؤ۔ کیوں کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے آدمی عالم نہیں ہوجاتا۔ بلکہ علم دوسری چیز کا نام ہے۔یعنی صحبت الی اللہ۔ (التواصی بالحق:ص۱۹۲)

عالم حقانی کی شان

یاد رکھو! جو عالم حقانی ہوگا وہ دین کے معاملہ میں کسی کی رعایت ہرگز نہ کرے گا نہ کسی کی موافقت ومخالفت کی پرواہ کرے گا۔وہ خدا کی رضاء کے سامنے تمام دنیا پر لات مار دے گا

۔اگر سارا عالم بھی ان کے خلاف ہو جائے تب بھی وہ شریعت سے تجاوز نہ کرے گا۔ چاہے اس میں اس کی عزت ہو یا ذلت ہو۔ (التواصی بالحق:ص۱۹۳)

علماء کی ماتحتی میں کام کرنیکی ضرورت

جو علماء احکام کے جاننے والے ہیں، اور بے غرض ہیں ان کو مقتدا بناؤ، ان کو تابع نہ بناؤ۔ تبلیغ کے کام میں ان کو آگے کرو، تم ساتھ ساتھ رہو، اور ان کے مشورہ سے ہر کام کرو، پھر کبھی تو وہ خود (تبلیغ میں) جائیں گے اور کبھی وہ خود نہ جائیں گے۔ بلکہ تم کو بھیجیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو غزوہ میں خود تشریف لے جاتے تھے اور کبھی ایک شخص کو سردار (امیر) بنا کر چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھیجتے تھے۔ یہ نظیر ہے (شریعت کے مطابق) کام کرنے کی۔ (التواصی بالحق:ص۱۹۵)

یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ علماء خود ہی تبلیغ کے لئے جائیں۔ جیسا کہ عوام نے سمجھ رکھا ہے کہ علماء کے ذمہ ہے کہ وہ تمام ملک کا اور تمام دیہاتوں کا دورہ کریں۔ سو یاد رکھو! اس طرح کام نہیں ہوسکتا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ“۔ (پ۱۰، سورہ توبہ)

یعنی جہاد کے لئے سب مسلمانوں کو نہیں جانا چاہئے بلکہ ایک جماعت جائے تاکہ باقی لوگ دین کا علم حاصل کریں۔ شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک ہی طرف نہ جھکیں۔ بلکہ ایک بڑے فرقہ (بڑی جماعت) میں سے چھوٹی سی جماعت اس کام کے لئے جائے۔ باقی لوگ فقہ اور دین حاصل کریں۔ (التواصی بالحق:ص۱۹۵)

علماء مبلغین ومصلحین کی سختی برداشت کرنا

مجھے عوام سے شکایت ہے کہ اگر علماء ان کے ساتھ سختی کرتے ہیں تو ان کو اس سے

www.alislahonline.com

ناگواری کیوں ہوتی ہے۔ آخر وہ اطباء (ڈاکٹر) کے نخرے بھی اٹھاتے ہیں اور ان کی سختی کو ہر طرح برداشت کرتے ہیں کیوں؟ محض اس لئے کہ صحت مطلوب ہے اور مطلوب کو حاصل کرنے کے لئے سختی اور دشواری سب کچھ گوارہ ہوا کرتی ہے۔ پھر کیا دین کی صحت آپ کو مطلوب نہیں؟ اگر مطلوب ہے تو اطباء باطن (علماء مشائخ) کی سختی اور دشواری بھی ناگواری نہ ہونی چاہئے۔

صاحبو! اگر کسی کی اشرفی (سونے کا پیسہ) کھو گئی ہو۔ اور ایک آدمی کے پاس اس کا پتہ ملے اور تم اس سے مانگنے جاؤ، اور وہ زور سے اس کو تم پر دے مارے کہ جا لے جا۔ تو اس سختی کی وجہ سے اس اشرفی کو آپ یہ کہہ کر دوبارہ پھینک دیں گے کہ اس طرح دینے سے ہم نہیں لیں گے؟۔ پھر اگر کوئی اچھی بات بتلا دے۔ گو سختی ہی سے کہتا ہو۔ اس پر آپ ناک منہ کیوں چڑھاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اشرفی تو مطلوب ہے، دین نہیں مطلوب۔

صاحبو! اگر آپ کسی حاکم کے پاس جائیں اور وہ بات چیت میں سختی کرے مگر فیصلہ اس کے موافق کر دے تو تم اس کی تعریف کرو گے یا شکایت؟

مشاہدہ ہے کہ اس صورت میں حاکم کی بہت تعریف کی جاتی ہے اور اس کی سختی میں حکمتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حاکم نے ہمارے ساتھ ابتداء میں سختی کا برتاؤ اس لئے کیا۔ تاکہ کوئی طرفداری کی رعایت کا وہم نہ ہو۔

اے اللہ! ایک دنیادار حاکم کے افعال میں تو حکمت ہو، اور خادمان دین کے افعال میں حکمت نہ ہو۔ یہ کیسی بے انصافی ہے۔ پھر اگر کوئی پیر (مصلح مبلغ) تمہارے ساتھ سختی کرے مگر اس کے ہاتھ سے تمہارے کام بن جائے تو ہزار بار مبارک ہو۔

اس کی ایسی مثال ہے جیسے باپ اپنے بچے پر سختی کرتا ہے کہ یہاں نہ بیٹھو فلاں فلاں آدمیوں سے نہ ملو، یہ چیز نہ کھاؤ، وقت پر پڑھنے جاؤ۔ اور وہ کبھی اس کے خلاف کرتا ہے تو بیٹے کو سزا دیتا ہے۔ مگر اس میں کوئی بھی باپ کو ظالم نہیں کہتا بلکہ اس سختی کو بیٹے کے حق میں شفقت

ورحمت سمجھتے ہیں۔پھر مشائخ کی سختی کو بھی شفقت پر کیوں نہیں محمول کیا جاتا؟

(الغرض) علماء اگر سختی کریں تو آپ کو شکایت اور ناگواری کا حق نہیں۔کیوں کہ تم دنیا کے واسطے اس سے بھی زیادہ سختی کو خوشی سے برداشت کرتے ہو۔پھر دین کے واسطے کیوں نہیں برداشت کرتے؟ ہاں اگر تم دنیا کے واسطے بھی کسی حاکم اور طبیب اور وکیل وغیرہ کی سختی کو برداشت نہیں کیا کرتے تو پھر تمہاری شکایت کسی درجہ میں صحیح ہوتی۔

(العبد امر بانی ملحقہ حقوق وفرائض:ص۷۹،۸۰)

علماء کا ادب

علماء کا ادب بہت ضروری ہے۔حدیث میں ہے:"مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا وَلَمْ یُبَجِّلْ عَالِمَنَا فَلَیْسَ مِنَّا"۔

ترجمہ: یعنی جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے،اور بڑے کی تعظیم نہ کرے اور عالم کا ادب نہ کرے،وہ ہم میں سے نہیں یہ کس قدر سخت وعید ہے۔(التبلیغ:ص۱۴۰رج۱۲)

علماء کا ادب اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ وارثان رسول ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حق تعالی کا ارشاد ہے:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ...... لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا...... وَاِذَا کَانُوْا مَعَهٗ عَلٰی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ"۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش قدمی نہ کرو۔اور آپ کے سامنے زور سے چلا چلا کر باتیں نہ کرو،اور رسول کو اس طرح نہ پکارو جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہو،بلکہ ادب سے بات کرو۔اور آپ کے پاس مجمع میں بیٹھے ہوئے ہو،تو بغیر

www.alislahonline.com

اجازت کے وہاں سے نہ اٹھو۔

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حقوق بیان کئے گئے ہیں۔حضور کے بعد آپ کے خلفاء اور وارثانِ علم کے بھی وہی حقوق ہیں۔کیوں کہ تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں۔بلکہ جس حدیث میں تبجیل (تعظیم) علماء کی تاکید ہے وہ ان احکام کے عموم پر دال ہے۔اسی واسطے سلف نے وارثانِ رسول کا وہی ادب کیا ہے۔جو ان آیات میں حضور کے لئے مذکور ہے۔ (التبلیغ کوثر العلوم:ص۱۴۱رج۱۲)

علماء نے تصریح کی ہے کہ جو حضرات دین کی بزرگی رکھتے ہیں ان کے ساتھ بھی ادب برتنا چاہئے۔گو سوء ادب (بے ادبی) کا وبال اس درجہ کا نہ ہو۔لیکن تاذی بلاضرورت (تکلیف دینا) حرام ہے۔ (بیان القرآن:ص۱۴۱رج۱۱،حجرات)

علماء پر بے جا الزام

دنیا میں جو کچھ بھی ہوتا ہے سب کا الزام علماء پر ہے۔سلطنت اسلام پر کوئی بلا آئے تو علماء کی بدولت۔ہندوستان کے مسلمانوں پر کوئی وبال آئے تو علماء کی بدولت،مسلمانوں میں افلاس آئے تو علماء کی بدولت،کہ یہ سود کو حلال نہیں کرتے،نومسلم مرتد ہوں تو اس کا الزام بھی مولویوں پر کہ انہوں نے تبلیغ نہیں کی۔ان نومسلموں کی خبر نہیں لی......سارا الزام مولویوں ہی کو دیا جاتا ہے کہ سلطنت اسلام کا زوال بھی انہیں کی غفلت کی وجہ سے ہوا۔اور فتنہ ارتداد بھی انہیں کی غفلت سے ہوا آگے یہ بھی کہہ دینا کہ کسی کو دست آئیں تو اس میں بھی علماء کا قصور نکال دینا۔اور کسی کو دق (ٹی بی) ہو تو اس میں بھی علماء کی خطاء کہہ دینا۔کسی جگہ طاعون اور ہیضہ ہو،تو اس میں بھی علماء کی خطاء بتلا دینا،کیا یہی انصاف ہے؟

مجھے اس سے انکار نہیں کہ علماء نے بھی اس معاملہ میں کوتاہی کی ہے مگر یہ میں تسلیم نہیں کرتا کہ سارا الزام انہی کو دیا جائے۔اور سارا قصور انہی کا بتلایا جائے آخر آپ کے ذمہ کچھ

تھا یا نہیں؟

میں بتلا چکا ہوں کہ تبلیغ صرف مولویوں کے ذمہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔ البتہ تبلیغ عام بطور وعظ کے علماء کے ساتھ خاص ہے باقی تبلیغ خاص انفرادی طور پر ہر شخص کے ذمہ ہے۔

اور تبلیغ عام جو علماء کے ساتھ خاص ہے تو اس میں بھی عام مسلمانوں کے ذمہ یہ کام ہے کہ وہ علماء کے لئے اس کے اسباب مہیا کریں۔مثلاً چندہ کر کے سفر خرچ ان کو دیا جائے تا کہ جہاں تبلیغ کی ضرورت ہو، وہاں جائیں اور سفر خرچ لے کر ریل وغیرہ کے کرایہ سے بے فکر ہو جائیں۔کیوں کہ علماء کے پاس تبلیغ کے لئے زبان تو ہے مگر کرایہ وغیرہ کے لئے روپیہ تو نہیں ہے۔اور ان کے ذمہ یہ کام بھی نہیں ہے کہ وہ آپ سے بھیک مانگتے پھریں کہ ہم کو روپیہ دو تا کہ تبلیغ کے لئے سفر کریں۔

یہ کام عام مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے کہ وہ خود چندہ جمع کر کے علماء کو آگے کریں اور ان سے عرض کریں کہ یہ روپیہ ہے اور یہ کام ہے جس طرح آپ کہیں اس طرح کام شروع کیا جائے۔(التواصی بالحق:ص۱۹۲)

ایک صاحب مجھ سے ملے اور کہنے لگے، ارے صاحب! یہ ساری خطاء مولویوں کی ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کی کبھی خبر نہ لی۔

میں نے کہا کہ پہلے تو تمہاری خطاء ہے کہ تم نے سرمایہ جمع کر کے ان کو نہیں دیا۔آخر مولوی کام کریں تو بیچارے کہاں سے کریں۔اس میں سرمایہ ہی تو بلی کا میاؤں۔

لیکن عوام کے ساتھ اس میں تھوڑا سا قصور مبلغین کا ہے۔وہ یہ کہ جہاں سرمایہ کا انتظام بھی ہوا ہے وہاں بے دریغ روپیہ اڑا ڈالتے ہیں۔مثلاً خود اپنے پیسے سے چاہے تھرڈ کلاس میں بھی سفر نہ کریں گے۔مگر چندہ کا پیسہ ایسا مفت کا ہے کہ اب سیکنڈ (اور فرسٹ کلاس) سے کم میں نہیں بیٹھ سکتے۔

www.alislahonline.com

بہر حال ان سب کوتاہیوں سے احتیاط کر کے سرمایہ ضرور جمع کرو۔سرمایہ ہی اصلی چیز ہے اس کے بغیر ساری تجویزیں بیکار ہیں۔ (ضرورت تبلیغ:ص۳۲۱)

مولویوں اور اہل علم پر تبلیغ نہ کرنے کا اعتراض اور اس کا تحقیق جائزہ

ایک اعتراض مولویوں (اور اہل علم) پر یہ کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ مخدوم بنے ہوئے گھروں، اور مدرسوں، اور مسجدوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔اور قوم کی تباہی پر ان کو رحم نہیں آتا۔ اور گھروں سے نکل کر گمراہیوں کی دستگیری (ان کی ہدایت کی فکر) نہیں کرتے۔لوگ بگڑتے چلے جاتے ہیں۔کوئی اسلام کو چھوڑ رہا ہے، کوئی احکام سے بالکل بے خبر ہے لیکن ان کو کچھ پرواہ نہیں۔حتیٰ کہ بعض لوگ تو بلانے سے بھی نہیں آتے۔اور آرام میں خلل نہیں ڈالتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو کوئی ضروری شغل نہ ہوتو (اعتراض کی) گنجائش بھی ہے۔لیکن جو اسلام کی دوسری خدمات کر رہے ہیں (مثلاً مدرسہ میں تدریس وتصنیف وتالیف اور فتویٰ نویسی وغیرہ جو کہ تبلیغ ہی کے شعبے ہیں۔اور یہ کام بھی ضروری اور فرض ہیں) تو جب وہ بھی ضروری کاموں میں لگ رہے ہیں تو پھر اس شبہ (واعتراض) کی گنجائش کہاں ہے؟

دوسرے جس طرح علماء کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان گمراہوں کے گھر پہونچ کر ہدایت واصلاح کریں۔خود ان گمراہوں کو یہ رائے کیوں نہیں دی جاتی کہ فلاں جگہ علماء موجود ہیں تم ان سے اپنی اصلاح کرلو۔

تیسرے کیا اسلام کی یہ خدمت صرف علماء ہی کے ذمہ ہے دوسرے دنیا دار مالدار مسلمانوں کے ذمہ نہیں؟

ان کو یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ علماء کو معاش سے فراغ نہیں۔آپس میں کافی سرمایہ یعنی روپیہ جمع کر کے علماء کی ایک جماعت کو خاص اسی کام کے لئے مقرر کریں، اور ان کی کافی مدد

کر کے معاش سے ان کو بے نیاز کریں، پھر وہ علماء معاش سے بے نیاز ہو کر اس خدمت کو انجام دیں۔ جس طرح مشنری (عیسائیوں کے علماء تبلیغی تنظیم وتحریک کے تحت) بڑی بڑی تنخواہیں پا رہے ہیں اور جگہ جگہ لکچر دیتے اور رسائل تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔ اور ہمارے معترضین حضرات کو جو یہ اعتراض علماء پر سوجھا ہے وہ انہیں مشنریوں کی کوششوں کو دیکھ کر سوجھا ہے چونکہ مشنری لوگ ایسا کر رہے ہیں اور علماء کو ایسا کرتے کم دیکھا ہے اس لئے اعتراض کر دیا۔

لیکن علماء پر اعتراض دینے (اور اعتراض کرنے) سے پہلے ہم یہ بھی تو دیکھ لیں کہ آیا ہمارے دنیادار ان کے دنیاداروں کے برابر بھی مالی اعانت کرتے ہیں یا نہیں؟۔

(حقوق العلم: ص۵۱)

www.alislahonline.com

علماء کے ذمہ گھر گھر جا کر تبلیغ کرنے کا اعتراض غلط ہے

فرمایا بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ علماء ہمارے پاس آ کر ہمیں ہدایت (یعنی تبلیغ) کریں میں نے اس کا جواب دیا کہ جب تبلیغ کی ضرورت نہیں رہی تو اب علماء کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ لوگ گھروں پر جا کر ان کو ہدایت کریں۔ نیز اس میں ان کی حاجت مندی کا شبہ ہو سکتا ہے۔

بس مناسب یہی ہے کہ علماء اپنے مکان (مرکز) پر رہیں اور لوگ ان سے دینی باتیں دریافت کریں۔

سول سرجن (ڈاکٹر) پر کبھی آپ نے یہ اعتراض نہ کیا کہ سول سرجن صاحب شفیق نہیں۔ ہمارے پاس گھروں میں آ کر علاج نہیں کرتا۔ پھر علماء پر اس قسم کا کیوں اعتراض کرتے ہو۔

(حسن العزیز: ص۳۲۲، ج۴)

باب ۱۹

دعوت کی دو قسمیں، دعوت خاصہ، دعوت عامہ

دعوت کے بھی مختلف درجے ہیں، چنانچہ ایک درجہ یہ ہے۔

”یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا“۔

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچاؤ، اس درجہ کا حاصل اپنے خاص متعلقین کی اصلاح ہے۔

اور دوسرا درجہ یہ ہے: ”وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ“۔

کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا چاہئے جس کا کام صرف یہی ہو کہ لوگوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرے۔

اس درجہ کا حاصل عام تبلیغ ہے۔

اور ایک جگہ ہے: ”وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ“ اس میں بھی اہل وعیال کی تخصیص نہیں۔ (ضرورت تبلیغ: ص۳۰۲)

جو جس درجہ کا اہل ہو ویسا ہی اہتمام کرے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص سب درجوں کا اہتمام کرے۔ اس کا پتہ اس آیت سے چلتا ہے۔

”وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ“ الآیہ، یعنی تمہارے اندر ایسی جماعت ہونا چاہئے جو دعوت الی الخیر کرے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک خاص جماعت کا کام ہے ساری امت کا کام نہیں ہے۔ اور دعوت الی الخیر اور دعوت الی اللہ کے ایک ہی معنی ہیں سو اس میں تو صرف ایک خاص

جماعت کا کام فرمایا گیا ہے۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔

"قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ"۔

کہ فرمادیجئے! کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت پر ہو کر اور جتنے میرے متبع ہیں۔

دیکھئے یہاں پر مطلقاً "وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ" ہے یعنی جتنے میرے متبع ہیں سب حق کی طرف بلاتے ہیں۔ اس میں عموم ہے۔ اس عموم اور خصوص سے معلوم ہوا کہ دعوت کے درجات ومراتب ہیں، ایک درجہ کا پہلی آیت میں ذکر ہے اور ایک درجہ کا دوسری آیت ہیں۔

اور وہ درجات دو ہیں۔ ایک دعوت عامہ ایک دعوت خاصہ۔

(الدعوت الی اللہ: ص۵۴)

امت کے ہر طبقہ کو دعوت وتبلیغ کرنیکے طریقے

تقسیم کار اور اسکی صورتیں

ایک جماعت تو سارے کام چھوڑ کر صرف تبلیغ ہی کے واسطے مقرر ہونا چاہئے اس کا ذکر "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ" میں ہے "یعنی اے مسلمانو! تمہارے اندر ایک ایسی جماعت ہونا چاہئے۔ جو خیر کی طرف بلائے۔

یہاں دعوت کو ایک جماعت کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔

اور ایک جماعت دوسرے کاموں کے واسطے ہوگی۔ فرصت وموقع کے وقت میں امر بالمعروف بھی کیا کرے اس کا ذکر دوسری آیت میں ہے۔ "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"

اے مسلمانو! تم بہترین امت ہو، جو لوگوں کی ہدایت کے لئے ظاہر کئے گئے ہو، تم نیک کاموں کا حکم کرتے ہو، برے کاموں سے روکتے ہو۔

یہاں امر بالمعروف کو سب کے لئے عام کیا گیا ہے۔

اس کو اہل تمدن تقسیم خدمت کہتے ہیں اور کوئی قوم بغیر تقسیم خدمات کے ترقی نہیں کر سکتی۔

پس علماء کے ذمہ تو تبلیغ اس شان سے ہے کہ وہ اپنے سارے اوقات میں یہی کام کریں اور دوسرے آدمی جستہ جستہ اوقات میں کبھی یہ کام کیا کریں۔ کیوں کہ حق تعالیٰ نے تواصی بالحق وتواصی بالصبر (یعنی دعوت وتبلیغ) کو خسارہ سے بچنے کی شرط قرار دیا ہے اور خسارہ سے بچنا سب کے ذمہ فرض ہے۔ (تواصی بالحق: ص۱۶۵)

www.alislahonline.com

دعوت خاصہ ودعوت عامہ کا حکم

دعوت خاصہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے اور وہ وہ ہے۔ جس میں خطاب خاص ہو، اپنے اہل وعیال کو، دوست واحباب کو، اور جہاں جہاں قدرت ہو، اور خود اپنے نفس کو بھی۔

چنانچہ حدیث میں ہے "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ" کہ تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے قیامت میں پوچھا جائے گا۔ کہ رعیت (اپنے ماتحتوں) کے ساتھ کیا کیا۔ یہ دعوت خاصہ ہے۔ قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے۔

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا" اے ایمان والو۔ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ سے بچاؤ یہ بھی دعوت خاصہ ہے۔

سو اس کا تو ہر شخص کو اپنے گھر میں اور تعلقات کے موقع میں اہتمام کرنا چاہئے۔

اور ایک دعوت عامہ ہے جس میں خطاب عام ہو۔ یہ کام صرف مقتداؤں کا ہے جیسا کہ "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ" سے معلوم ہورہا ہے۔ (الدعوت الی اللہ: ص۵۵)

خطاب خاص وخطاب عام کی تفصیل

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی دو قسمیں ہیں، ایک خطاب خاص، ایک خطاب عام۔ امر بالمعروف خاص تو آپ کے ذمہ ہے یہ کسی فرد بشر سے ساقط نہیں ہوتا۔

اور امر بالمعروف عام یعنی وعظ کہنا یہ سب کے ذمہ فرض نہیں بلکہ یہ صرف علماء پر واجب ہے۔

اور امر بالمعروف خاص کا مدار قدرت پر ہے یعنی جس کو جس کسی پر جتنی قدرت ہے اس کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو امر بالمعروف کرے۔ (اور جن لوگوں پر قدرت ہے وہ یہ لوگ ہیں، بیوی، بچے، نوکر، مرید، شاگرد) مثلاً ماں باپ کے ذمہ واجب ہے کہ اپنی اولاد کو نماز روزہ کی نصیحت کریں۔ خاوند پر فرض ہے کہ اپنی بیوی کو احکام شرعیہ پر مجبور کرے، آقا کے لئے لازم ہے کہ اپنے نوکر چاکر اور جو ان کے ماتحت ہیں ان کو امر بالمعروف کرے۔

غرض ہر شخص پر واجب ہے کہ امور خیر (بھلی باتوں کا) حکم اپنے ماتحتوں کو کرے۔ اور خلاف شرع باتوں سے روکے، اس میں عالم ہونے کی ضرورت نہیں۔

(آداب التبلیغ: ص ۱۰۶)

دعوت حقیقیہ دعوت حکمیہ

دعوت عام کی دو قسمیں ہیں، ایک دعوت حقیقیہ، ایک دعوت حکمیہ۔

دعوت حکمیہ وہ ہے جو کہ دعوت حقیقیہ میں معین ومددگار ہو۔ میں نے آسانی کے لئے یہ لقب تجویز کئے ہیں، ورنہ اصلاً دعوت الی اللہ کی دو ہی قسمیں ہیں: دعوت عامہ، دعوت خاصہ، اور ایک قسم دعوت عامہ کی معین ہے تو اس طرح یہ کل تین قسمیں ہوئیں۔

ہر شخص کے متعلق علیحدہ علیحدہ اس کے مرتبہ کے لحاظ سے ایک ایک دعوت ہوگی،

www.alislahonline.com

چنانچہ دعوت خاصہ ہر مسلمان کے ذمہ ہے اور وہ وہ ہے، جس میں اپنے اہل وعیال دوست واحباب اور جہاں جہاں قدرت ہو ان کو خطاب خاص ہو۔ اور خود اپنے نفس کو بھی۔

اور دعوت عامہ وہ ہے جس میں خطاب عام ہو، یہ کام صرف مقتداؤں کا ہے۔ جن کو خطاب عام کی اہلیت حاصل ہے وہ خطاب عام کریں، ورنہ خطاب خاص، اور خطاب عام کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی، ایک حکمی۔ حقیقی یہ کہ وہ مخاطبین کو خواہ وہ اہل اسلام ہوں، یا غیر اہل اسلام ان کی وعظ سنائے۔

اور حکمی یہ کہ تبلیغ ونشر کرنے والوں کی اعانت کرے تا کہ وہ ضروریات سے مستغنی ہو کر تبلیغ کر سکیں۔ تو یہ اعانت بھی مقصود کے ساتھ ملحق ہوگی۔ اس لئے اس کی دعوت حکمی کہا۔

(الدعوت الی اللہ: ص ۵۴، ۵۸)

دعوت حکمیہ کی تشریح اور طریقہ کار

جو لوگ بے علم ہیں کہ ان کی نظر (معلومات) نہ اپنے مذہب پر ہے نہ دوسرے کے مذہب پر۔ ایسے لوگ دعوت حکمیہ کریں۔ یعنی مبلغین کے لئے وہ سرمایہ جمع کریں، تا کہ اس سرمایہ سے یہ کام کئے جاسکیں، یعنی ضروری چھوٹی چھوٹی کتابیں (رسائل ولٹریچر حسب موقع اردو، ہندی زبان میں) چھاپ کر لوگوں میں تقسیم کریں۔

اور قرآن اور روز مرّہ کی ضروریات کے لئے دین کے مدرسے قائم کئے جائیں۔ مبلغین کی تنخواہیں دی جائیں۔ اگر اس ترتیب سے کام کیا جائے گا۔ تو نئی نسل انشاء اللہ یقیناً اچھی ہوگی۔ کہ انہیں شروع ہی سے مناسبت ہوگی۔ اور انشاء اللہ پرانی نسل پر بھی اس کا اچھا اثر پڑے گا۔

(الدعوت الی اللہ: ص ۶۳)

دعوت وتبلیغ کے شعبے اورامر بالمعروف کے اقسام

امر بالمعروف ونہی عن المنکر تبلیغ کی ایک قسم ہے:

تبلیغ کی دوسری فردیعنی امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس کی طرف بالکل توجہ نہیں۔ حالانکہ یہ بھی ایک فرداعظم ہے تبلیغ کی اس میں بھی ایک تفصیل ہے۔(آداب التبلیغ:ص۱۰۵)

نہی عن المنکر (یعنی منکرات اور گناہوں سے روکنا) کسی مبتلائے معصیت کو معصیت سے روکنا خواہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ (یعنی یہ کہ کافرکواسلام کی ترغیب دیں ضعیف الاسلام (جس کا ایمان کمزور ہو) اس کوتقویت الاسلام کی ترغیب دیں۔اور جومتردد ین (شک میں) ہیں جن کے اسلام سے نکل جانے کا اندیشہ ہے۔ان کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی ترغیب دیں۔

اور نیک کام کی ترغیب (مثلاً) جن پر نماز فرض ہے ان کونماز کی ترغیب، جن کے پاس بقدرنصاب مال ہے انہیں زکوۃ کی ترغیب جن پر حج فرض ہے انہیں حج کی ترغیب۔یا جس کے اخلاق باطنی اچھے نہ ہوں اسے تہذیب اخلاق (کی ترغیب دینا اور طریقے بتلانا) یہ سب دعوت الی اللہ ہی کے شعبے ہیں۔اور امر بالمعروف کے اقسام ہیں۔

(الدعوت الی اللہ:ص۱۴)

www.alislahonline.com

﴿باب ۲۰﴾

تبلیغ کے اقسام، مدارس کا قیام اوردرس وتدریس بھی تبلیغ ہے

اوراگر تبلیغ کی قسمیں کردی جائیں۔کہ ایک تبلیغ اصول وعقائد کی ہے جو کفار کو ہوتی ہے۔دوسری قسم فروع کی تبلیغ ہے۔جومسلمانوں کو ہوتی ہے۔

تیسری قسم ایک جماعت کوتبلیغ کے قابل بنانا۔پھرتو درس وتدریس کا تبلیغ میں داخل ہونا بالکل ظاہر ہے۔اور جب تبلیغ کی مختلف قسمیں ہیں،تواب یہ ضروری نہیں کہ ہرشخص ساری قسمیں ادا کرے۔بلکہ اس کے لئے تقسیم خدمات ضروری ہے۔

پس ان سب کاموں کو خاص خاص جماعت کے سپرد کیا جائے یعنی قابلیت اور مناسبت کو دیکھ کر خدمات کی تقسیم کی جائے۔کیوں کہ ہرایک آدمی ہرایک کے قابل نہیں ہوتا۔

شرعی دلیل

خودقرآن سے بھی تقسیم خدمات کا ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:
”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ“۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو دفعتہً (ایک ساتھ) جہاد میں جانے پر عتاب فرمایا ہے۔اور یہ فرمایا ہے کہ ایک جماعت جہاد میں جاتی اور ایک علم حاصل کرتی۔اس سے اتنی بات ثابت ہوگئی کہ دونوں میں مشترک خدمات کو تقسیم کیا گیا ہے۔

اسی طرح جب تبلیغ کے اقسام ہیں۔تو کسی کو کوئی خدمت کرنا چاہئے کسی کو کچھ کرنا چاہئے۔سب ایک ہی کام نہ کریں کیوں کہ اس سے دین کی بنیادیں کمزور ہوجائیں گی۔

باقی یہ پھر کہوں گا کہ جو کچھ کروا پنے بڑے سے پوچھ کر کرو، وہ متعین کردیں گے کہ

کس کو کیا کرنا چاہئے۔ وہ جس کو پڑھنے کا حکم دیں وہ پڑھیں اور جن کو تبلیغ متعارف (مروج) کے لئے مقرر کریں وہ مبلغ بنے۔

پھر تبلیغ کے اندر جس کو جو خدمت سپرد کریں وہ اسی کو انجام دے۔ مثلاً کسی کو مالی خدمت بتلا دیں گے۔ کسی کو تصنیف وتالیف کی، پس یہ مت سمجھو کہ یہ تبلیغ نہیں ہے، یہ بھی تبلیغ ہی ہے۔ کیوں کہ تبلیغ کے مقدمات (وسائل) بھی تبلیغ سے ملحق (اور اس میں شامل) ہیں۔

پس مال خرچ کرنے والا بھی مبلغ ہے اور احکام سنانے والا بھی مبلغ ہے، اور مضامین لکھنے والا بھی مبلغ ہے۔

عُرفی وحِسّی مثال

اس کی ایسی مثال ہے کہ کسی سے پوچھو کہ تمہارے کھانے میں کیا خرچ ہوتا ہے تو وہ پانچ روپئے بتادے گا، مثلاً: پھر اس کی تفصیل میں کوئلہ اور لکڑی کو بھی شمار کرے گا۔ مثلاً دو روپئے کا اناج ہے اور ایک روپیہ کی دال، اور چار آنہ کا کوئلہ۔ اب اگر کوئی کہے کہ میاں ہم تو تم سے کھانے کا حساب پوچھ رہے ہیں تم کوئلہ کو اس میں کیوں شمار کرتے ہو؟ تو یہی کہا جائے گا کہ یہ شخص اعتراض کرنے والا احمق ہے۔ کیوں کہ یہ بھی کھانے کے متعلقات میں سے ہے۔ کھانا بغیر لکڑی یا کوئلہ کے کیسے پک سکتا ہے، یہ تو عرف کے موافق کلام ہے۔

شرعی قواعد کا مقتضٰی

اور قواعد شرعیہ سے بھی ثابت ہے کہ کسی شئی کے مقدمات (وذرائع) بھی اسی کے حکم میں ہوتے ہیں جو اصل کا حکم ہوتا ہے (وہی اس کا بھی ہوتا ہے واجب کا مقدمہ بھی واجب ہی ہوتا ہے)۔

چنانچہ ارشاد ہے: ”تَعَاوَنُوْ عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی“۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیک کام میں اعانت کرنا بھی نیکی ہے۔

www.alislahonline.com

بہر حال تبلیغ کے متعلق متعدد خدمات ہیں، پس ایک جماعت ایسی ہو جو اشاعت اسلام کرے اور ایک جماعت ایسی ہو، جو مال سے ان کی مدد کرے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(آداب التبلیغ: ص۱۰۴)

دعوت وتبلیغ کے لئے مدارس کا قیام بہت ضروری ہے

یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جب انبیاء علیہ السلام نے مدرسہ نہیں بنایا تو مدرسہ بے کار ہیں۔ یہ بیکار نہیں ہیں۔ یہ ایسے ہیں۔ جیسے نماز کیلئے وضو، کہ جس طرح نماز کے لئے وضو ضروری ہے اسی طرح تبلیغ واشاعت دین کیلئے مدارس کا وجود ضروری ہے۔ وہاں تو مدارس کی ضرورت اس لئے نہ تھی کہ علوم کا محفوظ رہنا عادۃً ان پر موقوف نہ تھا۔ سماع (سننے) سے علوم محفوظ تھے۔ اور وہاں رات دن ان کی تبلیغ واشاعت ہی سے کام تھا۔ سفر میں، حضر میں، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ان حضرات کا شغل دعوت الی اللہ ہی تھا۔

اب رہا یہ کہ پڑھنا پڑھانا پھر کیوں ضروری ہوا۔ اصل تو یہی تھا کہ ایک دوسرے کو یوں ہی کہتا رہے۔ مگر نہ سلف کا سا تقویٰ رہا۔ نہ حافظہ۔ اگر ایسے ہی رہنے دیا جاتا تو یہ اطمینان نہ تھا کہ سنے ہوئے مسائل یاد رہیں گے۔ دوسرے تقویٰ کی کمی سے دیانت بھی روز بروز کم ہو جاتی ہے۔ تو اس حالت میں یہ بھی اعتماد نہ تھا۔ کہ (دین کی بات جو) یہ نقل کرتا ہے یہ ٹھیک بھی ہے یا اپنی طرف سے کچھ کمی بیشی کر رہا ہے۔ جب یہ آثار ظاہر ہونے لگے تو سلف صالحین کو توجہ ہوئی کہ دین کو ضبط کرنا چاہئے۔

تو تبلیغ واشاعت کے لئے علم صحیح کی ضرورت تھی اور اس کے محفوظ رکھنے کے لئے کتابوں کے لکھے جانے کی ضرورت ہوئی......اس طرح مدارس کی ضرورت پیدا ہوگئی۔ کیوں کہ ناقص کی تبلیغ کا کچھ اعتبار نہیں تو تعلیم وتعلم بھی تبلیغ کی ایک فرد ہے۔

(الدعوت الی اللہ: ص۲۴، آداب التبلیغ: ص۱۰۵)

طلبہ ومدرسین کے لئے پڑھنا پڑھانا بھی تبلیغ ہے

مختلف اوقات میں تبلیغ کے مختلف طریقے ہیں۔ مثلاً اس وقت (اے طلبہ مدرسہ!) آپ لوگوں کا پڑھنا بھی تبلیغ ہے۔ اگر نیت اچھی ہو ”اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَات“ (اعمال کا دار مدار نیت پر ہے) اگر آپ کی نیت یہ ہو کہ پڑھنے سے فارغ ہو کر امر بالمعروف کروں گا۔ تو یہ پڑھنا بھی تبلیغ کا شعبہ ہے۔ اگر یہ نیت نہ ہو تو پھر تبلیغ نہیں۔

غرض اچھی نیت سے اس وقت یہی کتابیں پڑھنا بیشک اصل تبلیغ ہے۔ اور میں نے ”اس وقت“ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ پہلے زمانہ میں صحابہ وتابعین کو مروجہ تدریس (پڑھنے پڑھانے) کی ضرورت نہیں۔ ان کا تو اس کے بغیر کام چلتا تھا۔ کیوں کہ اس وقت حافظے تیز تھے اور دینداری بھی تھی اور اس وقت اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ اگر کتابیں مدوّن نہ ہوں۔ اور آج کل لوگوں کا نہ حافظہ ویسا ہے نہ ویسا تدین ہے۔ نہ ان کے قول پر ان جیسا اعتماد ہے۔ پھر زبانی کوئی مضمون حدیث وفقہ کا بیان کیا جاتا تو سامعین کو ہرگز تسلی نہ ہوتی۔ اور خیال ہوتا کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک بھی ہے یا یوں ہی الٹ پلٹ ہانک رہے ہیں۔ اگر کتابیں مدوّن نہ ہوتیں تو بڑا خلط مبحث ہوتا۔ دین میں بڑا افساد پھیلتا۔

اور جب ان چیزوں کی ضرورت ثابت ہوگئی، کیوں کہ ان کے بغیر کام نہیں چلتا۔ چنانچہ اگر کتابیں نہ ہوں تو سلف کی باتیں ہم تک پہونچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اور بغیر مدارس قائم کئے ہوئے کتابوں کی تعلیم ممکن نہیں لہٰذا یہ بدعت نہیں ہے۔ بلکہ سنت ہے۔ کیوں کہ اس درس تدریس سے بھی مقصود تبلیغ ہی ہے خواہ بالواسطہ یا بلاواسطہ۔ چنانچہ بلاواسطہ تو تبلیغ مخاطب اوّل کو ہے یعنی طلبہ کو۔ اور بالواسطہ مخاطب ثانی کو یعنی عوام کو۔

سو یہ درس تدریس (مدارس میں پڑھنا پڑھانا) تبلیغ کا اتنا بڑا فرد ہے مگر ہم (مدرسہ والے) تبلیغ کی نیت نہ کرنے سے اس کے ثواب سے محروم ہیں ”اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتُ“

www.alislahonline.com

سے معلوم ہوتا ہے کہ نیت نہ کرنے سے اعمال کا ثواب نہیں ملتا۔ گو عمل متحقق ہو جائے۔

(آداب التبلیغ: ص ۹۸، ۹۹)

تبلیغ میں غلو، تعلیم کو چھوڑ کر تبلیغ میں جانے کی ممانعت

ہم لوگوں میں کام کے وقت غلو ہو جاتا ہے کہ بس جدھر رخ کرتے ہیں، سب ایک ہی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں، اس لئے تبلیغ کی ضرورت بیان کرتے ہوئے مجھے اندیشہ ہے کہ کبھی ایسا نہ ہو کہ مدرسین وطلبہ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں بلکہ اس کو اپنے بزرگوں سے پوچھو کہ ہم کو کیا کرنا چاہئے۔ آیا سبق چھوڑ کر چلے جائیں یا پڑھتے رہیں۔ یا ایک وہاں سے چلا آئے۔ پھر دوسرا جائے۔ غرض اپنی رائے سے کچھ نہ کرو۔ ورنہ بجائے اصلاح کے فساد ہوگا۔

میں نے اس کو قصداً عرض کیا ہے کیونکہ میں یہ رنگ دیکھ رہا ہوں کہ آج کل وہ طلبہ بھی جو علم سے فارغ نہیں ہوئے۔ تبلیغ میں مشغول ہونا چاہتے ہیں۔ میرے نزدیک ان کے لئے تکمیل علم پہلے ضروری ہے کیوں کہ اگر یہ پڑھنا پڑھانا نہ ہو تو تصنیف وتبلیغ وغیرہ بھی سب بیکار ہے کیوں کہ ناقص (جاہل) کی تبلیغ وغیرہ کا کچھ اعتبار نہیں (علم نہ ہونے کی وجہ سے خود بھی گمراہ ہوگا دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا) بلکہ اس طرح تو چند روز میں علم بالکل ناپید ہو جائے گا تو تعلیم وتعلم (درس وتدریس پڑھنا پڑھانا) بھی تبلیغ کی ایک فرد ہے۔

(آداب التبلیغ: ص ۱۰۵)

تبلیغ کی ایک قسم

مقصود کا مقصود (یعنی ذریعہ وواسطہ) مقصود ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ فقہی مسئلہ ہے ”مُقَدَّمَةُ الْوَاجِبِ وَاجِبٌ“ (واجب کا ذریعہ بھی واجب ہوتا ہے) تو اس وقت جن چیزوں کا تبلیغ کے لئے موقوف الیہ ہونا ثابت ہو جائے (یعنی تبلیغ کرنا اس پر موقوف ہو) مثلاً وہ امور جن کو اہل بصیرت

بتلادیں کہ تبلیغ کے لئے ان کی بھی ضرورت ہے۔توان کا اتباع کر کے ان مقدمات (ذرائع) کوبھی حاصل کریں بشرطیکہ شرعی حدود سے باہر نہ ہو......چنانچہ پہلے خط کے ذریعہ معلوم ہوا تھا اور اب یہاں آکر دیکھ کر معلوم ہوا، کہ یہاں مدرسہ میں سنسکرت کی تعلیم دی جارہی ہے۔تو ہر چند کہ سنسکرت کا سیکھنا وجوب کے درجہ میں نہیں،مگر تبلیغ میں بے حد مفید ہے۔اس سے معاندین اسلام کے مذہب پر پوری واقفیت ہوگی۔اوران کی کتابوں سے انہیں کے اعتراض کا جواب دیا جائے گا تو بڑا مفید ہوگا۔

خصم (فریق مخالف) کے مسلمات سے جواب دینا بڑا فائدہ مند ہوتا ہے اس سے وہ ساکت (خاموش رہنے والا) دنگ رہ جاتا ہے چنانچہ بہت جگہ دیکھا گیا ہے کہ الزامی جواب جس قدر مفید ہوتا ہے تحقیقی جواب معاند کے لئے اتنا مفید نہیں ہوتا۔تو معلوم ہوا کہ تبلیغ کا یہ بھی ایک درجہ ہے اس سے خصم (فریق) بالکل ہی چپ ہوجاتا ہے۔

تو مقدمۃ الواجب واجب (یعنی واجب کا ذریعہ بھی واجب ہوتا ہے) کے قاعدہ سے یہ بھی واجب ہوسکتا ہے اوراگر واجب نہیں تو آپ کے نزدیک استحباب ہی کے درجہ میں سہی مگر مفید تو ہے۔

اور ایک مقدمہ تبلیغ کا اور ہے یعنی تقریر کی مشق وہ بھی کیجئے۔بحمد اللہ آپ کے اساتذہ اہل بصیرت ہیں اور مدرسہ میں وسائل بھی موجود ہیں اس کو غنیمت سمجھئے اور ایسے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔

(آداب التبلیغ:ص۱۲۱)

www.alislahonline.com

﴿باب ۲۱﴾

دعوت کی نوع کے اعتبار سے داعی کی دو قسمیں

دعوت کی نوع کے اعتبار سے داعی کی دو قسمیں ہیں:ایک وہ ہے جو تحقیقی جواب سے دعوت کرسکتا ہے۔اور ایک وہ ہے جو الزامی جواب سے دعوت کرسکتا ہے۔تحقیقی جواب کا یہ مطلب ہے کہ کسی نے جو کچھ پوچھا جواب میں اس کی حقیقت کو واضح کردیا۔

اور الزامی جواب کا مطلب یہ ہے کہ جو اعتراض ہم پر کسی نے کیا ہم نے ویسا ہی اعتراض اس کے مذہب پر کردیا کہ جو جواب تم ہمیں دوگے بعینہ وہی جواب ہماری طرف سے تمہارے اعتراض کا ہوگا۔

اب دونوں میں سے ہر ایک کے لوازم وشرائط کو سمجھنا چاہئے تحقیقی جواب کے لئے اپنے مذہب پر پورا عبور ہونے کی ضرورت ہے۔دوسرے کے مذہب پر پوری نظر ہونے کی ضرورت نہیں۔اور الزامی جواب کے لئے اپنے مذہب کے ساتھ دوسرے کے مذہب پر بھی پوری نظر ضروری ہے۔

اب اس اعتبار سے داعی دو قسم کے ہوئے،ایک وہ جو اپنے مذہب پر پوری نظر رکھتے ہیں۔اور دوسرے وہ جو دوسرے کے مذہب پر پوری نظر رکھتے ہیں۔چونکہ اس وقت مناظرہ میں مخالفین کے مقابلہ میں الزامی جواب زیادہ مؤثر ہوتا ہے اس لئے داعین (دعوت کا کام کرنے والوں میں جو جماعت دوسرے مذہب پر پوری نظر رکھتی ہے وہ مخالفین سے مناظرہ کرے۔ان کی یہی دعوت ہے۔اور جو لوگ اپنے مذہب پر پوری نظر رکھتے ہیں۔اسے چاہئے کہ وعظ وتلقین اپنے مذہب والوں کو کرے۔

تواس بناء پر دعوت کا کام کرنے والوں کی دو جماعتیں ہوئیں ایک واعظین جو اپنے مذہب والوں کو تحقیق سے متنبہ کیا کریں۔اور ایک مناظرین کہ جو الزامی جواب سے مخالفین کو ساکت

(خاموش) کیا کریں، کیونکہ تحقیقی جواب مسلمانوں کو زیادہ نافع ہوں گے۔اور الزامی دوسرے مذہب والوں کو زیادہ مفید ہوں گے۔اور ان لوگوں کو بھی مفید ہوں گے جو دوسرے مذہب کی طرف مائل ہیں۔

خلاصہ یہ کہ خطاب خاص تو سب کو یکساں اپنے اپنے گھروں میں کرنا چاہئے۔اور خطاب عام میں ایک تو ایسے لوگ ہوں جو وعظ کہا کریں جو اہل اسلام کے مناسب ہوتا کہ مسلمانوں کی اصلاح ہو۔اور ایک وہ ہوں جو ایسے لوگوں کے مقابلہ میں تبلیغ کریں، جن کو اسلام پر شبہ ہوگیا ہو، یا اسلام سے تعلق کم ہوگیا ہو۔یا وہ غیر مسلم ہوں، تاکہ اسلام کی طرف آجائیں۔ (الدعوت الی اللہ:ص ۵۹،۶۰،ملحقہ دعوت وتبلیغ)

علماء کے دعوت تبلیغ کرنے کی کیفیت اور اس کا طریقہ

دعوت کی دو قسمیں ہیں:ایک دعوت خاصہ،ایک دعوت عامہ۔

دعوت عامہ وہ ہے جس میں خطاب عام ہو۔یہ کام صرف مقتداؤں (یعنی علماء) کا ہے۔(الدعوت الی اللہ:ص ۵۵)

(بالفاظ دیگر) خطاب کی دو قسمیں ہیں:ایک خطاب عام،دوسرے خطاب خاص۔

دوسرے تقسیم یہ ہے کہ ایک خطاب بالمنصوص ہے،ایک خطاب بالاجتہاد۔پس خطاب عام وعظ کی صورت میں یہ تو علماء ہی کا کام ہے۔انہیں کے خطاب عام میں اثر ہوتا ہے کیوں کہ لوگ ان کو مقتدا سمجھتے ہیں اور عامی شخص کو کوئی مقتدا نہیں سمجھتا۔

غرض ایسے امور کی تبلیغ جن کی حقیقت علماء ہی سمجھتے ہیں۔یا خطاب عام کے ساتھ وعظ کہنا اور دین کے احکام بیان کرنا علماء کے ساتھ خاص ہے (اور یہی ان کی تبلیغ ہے)۔

(التواصی بالحق:ص ۱۶۳،۱۶۴)

اہل علم کو چاہئے کہ دعوت الی اللہ بھی کیا کریں،جس کا آسان ذریعہ وعظ ہے۔

(الدعوت الی اللہ:ص ۲۴)

عوام کو تبلیغ عام اور وعظ کہنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

بعض ان پڑھ بھی صاحب کمال اور دیندار سمجھدار ہوتے ہیں۔ان کا حافظہ بھی اچھا ہوتا ہے۔اور اس کے باوجود اگر ان سے کوئی بات پوچھی جائے اور ان کو معلوم نہ ہو،تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں۔ایسے لوگوں کا وعظ کہنا کسی عالم کی اجازت کے بعد جائز ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں ایک امّی (ان پڑھ) شخص وعظ کہتا تھا۔مگر اس کا حافظہ ایسا اچھا تھا۔کہ وہ شاہ صاحب کے وعظ کو از بریاد کر لیتا تھا تو ایسے شخص کو اجازت ہے جب کہ ہر پہلو سے یقین ہوجائے کہ قوی الحافظہ ہے......(دیندار) بھی ہے اور اس کے دین کی جانچ بھی کرلی ہو۔

www.alislahonline.com

اسی طرح اگر کسی طالب علم کو وعظ کے لئے متعین کیا جائے تو جائز ہے مگر اس کے حدود مقرر کردو، کہ اس حد تک کام کرو آگے نہ بڑھو (جیسے مروّجہ تبلیغ والوں کو صرف چھ نمبر بیان کرنے کی اجازت ہے) آخر دنیا کے ہر کام کی ایک حد ہوتی ہے کہ اس حد سے تجاوز کرنا جائز نہیں رکھا جاتا۔ (آداب التبلیغ:ص ۱۰۸)

علماء وعوام کی تبلیغ کا فرق اور اس کے حدود

(۱) علماء کے ذمہ تو تبلیغ اس شان سے ہے کہ وہ اپنے سارے اوقات میں یہی کام کریں۔اور دوسرے آدمی جستہ جستہ (وقتاً فوقتاً) اوقات میں یہ کام کیا کریں۔

(۲) تفصیل اس کی یہ ہے کہ خطاب کی دو قسمیں ہیں:ایک خطاب عام دوسرے خطاب خاص۔دوسری تقسیم یہ ہے کہ ایک خطاب بالمنصوص ہے ایک خطاب بالاجتہاد۔پس خطاب عام بصورت وعظ تو علماء کا کام ہے......مگر انفرادی خطاب میں علماء کی تخصیص نہیں

۔انفرادی طور پر ہر مسلمان ایک دوسرے کو نصیحت کرسکتا ہے۔

(۳) اسی طرح خطاب بالمنصوص علماء کے ساتھ خاص نہیں (یعنی جو مسائل واحکام شریعت میں صاف صاف مذکور ہیں ان کی تبلیغ علماء کے ساتھ خاص نہیں ہر شخص کو کرنا چاہئے، ہر شخص بآواز بلند کہہ سکتا ہے کہ ایمان لانا فرض ہے۔نماز، روزہ، اورزکوٰۃ فرض ہے۔

اور امور اجتہادیہ (فقہ کے باریک مسائل) سے خطاب کرنا علماء کے ساتھ خاص ہے۔عوام اس میں غلطی کریں گے۔عالم کو اوّل تو جزئیات بہت یاد ہوں گے وہ اس میں غلطی نہ کرے گا۔اور اگر جزئیات نہ بھی یاد ہوئے تو علم کی شان کے اعتبار سے اس کو ''لاادری'' (مجھے معلوم نہیں) کہنے میں عار نہ ہوگا۔

غرض ایسے امور کی تبلیغ کرنا جن کی حقیقت علماء ہی سمجھ سکتے ہیں یا خطاب عام کے ساتھ وعظ کہنا، دین کے احکام بیان کرنا تو علماء کے ساتھ خاص ہے۔اور انفرادی خطاب ایسے مسائل احکام کے ساتھ جو منصوص ومشہور ہیں علماء کے ساتھ خاص نہیں (ہر شخص کرسکتا ہے)۔

(التواصی بالحق:ص۱۶۵،۱۶۳)

(۴) ہر شخص پر واجب ہے کہ اپنے ماتحتوں کو بھلی باتوں کا حکم کرے اور خلاف شرع باتوں سے روکے، اس میں عالم ہونے کی ضرورت نہیں۔

ہاں جہاں علم درکار ہے مثلاً کوئی اختلافی مسئلہ ہے یا ایسا کوئی مسئلہ ہے جس کے بہت سے شقوق (جہتیں) ہیں اور ان شقوق کا احاطہ نہ کرسکا یا احاطہ تو کرلیا مگر درجہ نہیں معلوم کہ متفق علیہ مسئلہ ہے یا مختلف فیہ (فتویٰ کس قول پر ہے) تو ایسا مسئلہ بتلانا ہر شخص کے لئے جائز نہیں یہ علماء کے بتلانے کا کام ہے۔

پس تبلیغ خاص کے لئے تو مسئلہ کی حقیقت کا پورے طور سے معلوم ہونا اور قدرت ہونا شرط ہے۔

اور تبلیغ عام یعنی وعظ کہنا یہ علماء کا کام ہے خواہ درسیات پڑھ کر عالم ہوا ہو یا کسی عالم

www.alislahonline.com

سے مسائل سن کر عالم ہوگیا ہو۔اس کو بھی تبلیغ عام کی اجازت ہے۔بشرطیکہ کسی بڑے نے اس کام کو اس کے لئے معین کیا ہو۔چنانچہ صحابہؓ نے کہاں پڑھا تھا وہ بھی تو سن کر تبلیغ کرتے تھے۔مگر ہر شخص خود نہ سمجھے کہ میں اس کے قابل ہوں جب تک کوئی کامل نہ کہہ دے کہ تم قابل ہو۔

(آداب التبلیغ:ص۱۰۶)

اہل علم کے کام کرنے کی ترتیب

تعلیم کے چند افراد ہیں: ان کو عرض کرتا ہوں اور وہ استقراء چار ہیں۔وعظ، تدریس، امر بالمعروف بخطاب خاص، تصنیف، علماء کو ان چاروں شعبوں کو اختیار کرنا چاہئے۔اس طرح کہ طلبہ کے سامنے تو مدرس بن کر بیٹھیں۔اور عوام کے سامنے واعظ ہوں۔اور خاص خاص مواقع میں امر بالمعروف کریں۔اور خاص مواقع سے مراد یہ ہے کہ جہاں اپنا اثر ہو وہاں خطاب خاص سے نصیحت کریں۔

کیوں کہ ہر جگہ امر بالمعروف مفید نہیں ہوتا۔اور بعض دفعہ عام لوگوں کو امر بالمعروف (خطابِ خاص کے ساتھ) کرنے کی وجہ سے مخالفت بڑھ جاتی ہے جس کا تحمل ہر ایک شخص سے نہیں ہوتا۔اور اگر کسی سے تحمل ہوسکے تو سبحان اللہ وہ امر بالمعروف کریں......اور اگر تحمل (برداشت) کی طاقت نہ ہو تو خطاب خاص نہ کریں بلکہ صرف خطاب عام پر اکتفاء کریں۔

تین کام تو یہ ہیں۔چوتھا کام تصنیف کا ہے علماء کو ضرورت کے موقع پر تصنیف بھی کرنا چاہئے۔(العبد الربانی ملحقہ حقوق وفرائض:ص۱۱۴)

درس وتدریس اور وعظ میں وعظ زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا نفع عام ہوتا ہے۔اور جس بات کی ضرورت دیکھی جائے وہی بات بیان کی جاسکتی ہے لیکن وعظ گوئی بڑی محنت کا کام ہے۔ضرورت دونوں کی ہے۔مناسب یہ ہے کہ مستقل درس کا شغل رہے۔اور کبھی کبھی وعظ بھی ہوا کرے۔ (حسن العزیز:ص۲۷،ج۴)

اہل علم کے لئے وعظ وتقریر سیکھنے کی آسان ترکیب

بعض علماء یہ عذر کر دیتے ہیں کہ ہم کو وعظ کہنا نہیں آتا، میں کہتا ہوں کہ آپ کو عربی پڑھنا بھی کب آتا تھا۔ یہ بھی تو محنت کرنے سے آیا ہے۔ اسی طرح وعظ کہنے کا ارادہ کیجئے اور کچھ دنوں محنت کیجئے یہ کام بھی آجائے گا۔

جس کی سہل تدبیر یہ ہے کہ شروع شروع میں طلبہ کے سامنے مشکوٰۃ شریف وغیرہ لے کر بیٹھ جاؤ۔ اور کتاب دیکھ کر بیان کرو۔ پھر کچھ دنوں میں بغیر کتاب کے بیان شروع کرو۔ اس طرح ایک دن خوب بیان کرنے لگو گے۔

حیرت کی بات ہے کہ جاہلوں کو وعظ کی جرأت ہو اور علماء کو اس کام کی ہمت نہ ہو؟ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب جہلاء علماء کے سامنے بھی غلط باتیں بیان کرنے سے نہیں ڈرتے۔

(العبد الربانی ملحقہ حقوق وفرائض: ص ۱۱۱)

فراغت کے بعد دعوت وتبلیغ میں مشغول ہونا چاہئے

اصل کام دعوت الی اللہ کا ہے اور اس کے محفوظ اور قائم رکھنے کیلئے مدارس کی ضرورت ہے۔ اب یہ چاہئے کہ جب مدارس سے ضروری علم حاصل کر لیں تو دعوت الی اللہ بھی کیا کریں۔ جس کا آسان ذریعہ وعظ ہے۔ اور پڑھنا پڑھانا اس کا مقدمہ ہے۔ اس لئے یہ شغل بھی ضرور رکھیں۔ جیسے نماز کے لئے وضو، اور وضوء کے لئے پانی، اور لوٹوں کا جمع کرنا ضروری ہے۔ ایسے ہی تبلیغ کے لئے پڑھنا پڑھانا ضروری ہے۔

مگر اگر کوئی شخص وضوء اور لوٹوں ہی کے اہتمام میں رہے، وہ پانی ہی بھرا کرے۔ اور نماز کا وقت گزر جائے تو کیا یہ شخص قابل تعریف ہے؟ پس اسی طرح پڑھنا پڑھانا دعوت الی اللہ کے صرف مقدمات ہیں۔ مگر ان مقدمات میں ایسی مشغولی ہوئی کہ اصل کام کو بھی بھول

www.alislahonline.com

گئے۔ افسوس جو لوگ اس کے اہل تھے وہ لوگ بھی اس کو بھولے ہوئے ہیں......اور مقدمات (وسائل) ہی میں مشغول ہیں۔ اصل مقصود میں وقت صرف نہیں کرتے۔

(الدعوت الی اللہ: ص ۲۴)

ترجمہ وتفسیر، حدیث وفقہ یا کوئی کتاب پڑھ کر سنا دینا بھی تبلیغ ہے

فرمایا: زبانی بیان کرنا تبلیغ کی شرط نہیں۔ کوئی چھپا ہوا وعظ یا کوئی کتاب یا حدیث یا فقہ یا تفسیر کو ہاتھ میں لے کر اس کو دیکھ کر مع ترجمہ پڑھ دیا کریں جہاں اجمال یا ابہام ہو مختصر سی تفصیل کر دیا کریں (یہ بھی تبلیغ ہے) اگر اس پر بھی قدرت نہیں تو ایسا شخص تبلیغ عام (جو علماء کا منصب ہے کا مکلّف ہی نہیں۔ (ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ: ص ۲۸۰)

کتاب دیکھ کر وعظ کہنے کا معمول مولانا محمد اسحاق صاحب کا سنا ہے کہ وہ کتاب سے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح وعظ کہنے سے دماغ پر تعب نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے میں نے چند روز تک وعظ کی یہ صورت اختیار کی تھی۔ کہ کتاب دیکھ کر بیان کر دیا کروں۔ مگر اب دماغ اس کا بھی متحمل نہیں۔

(الافاضات الیومیہ: ص ۲۳۵/ ج ۲)

فرمایا تقریری وعظ ہی کو صرف وعظ نہیں کہتے بلکہ جو تحریری نصیحت ہو (خواہ تصنیف کی شکل میں، یا مضمون ورسالہ کی شکل میں) وہ بھی وعظ ہے۔

(حسن العزیز: ص ۷/ ج ۴)

﴿باب ۲۲﴾

دعوت تبلیغ کے ناجائز اور غلط طریقے

بعض مبلغین کی بہت بڑی کوتاہی

اس موقع پر ایک غلطی کا بیان کرنا بہت ضروری ہے جو بے علم اپنے وعظوں میں کہا کرتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی ذات بالکل بے پرواہ ہے وہ چاہے۔تو ایک نکتہ میں بخش دے اور چاہے تو ایک نکتہ میں جہنم بھیج دے۔اور یہ بات اس طرح سے کہتے ہیں جس سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ کے یہاں کوئی طے شدہ قانون نہیں بلکہ یوں ہی اناپ شناپ بے تکے طور پر جو چاہتے ہیں کردیتے ہیں۔اس قسم کے مضامین سننے سے اکثر لوگ بالکل مایوس ہوجاتے ہیں۔اور عبادت وریاضت سب چھوڑ بیٹھتے ہیں اس لئے کہ وہ ڈرتے ہیں کہ خدا جانے کس نکتہ (اور معمولی سی بات) پر اچانک پکڑ ہوجائے اور ساری محنت برباد ہی جائے۔

اسی طرح اکثر لوگ خوب جی بھر کر معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی طے شدہ قانون ہی نہیں ایک نکتہ پر عذاب وثواب کا مدار ہے تو اپنی خواہشات کو کیوں ترک کریں اور خواہ مخواہ کی مصیبت کیوں اختیار کریں۔ممکن ہے اسی میں سے کوئی نکتہ پسند آجائے کہ اس پر نوازش ہوجائے۔

صاحبو! یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے یہاں ہر کام کا ایک قانون مقرر ہے ثواب کا بھی ایک قانون ہے۔عذاب کا بھی ایک قانون مقرر ہے۔ثواب کا کام تو یہی ہے جو اس آیت میں ارشاد ہوا ہے۔

"وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ "الآیہ۔

www.alislahonline.com

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا کی مغفرت اور اس کی جنت کی طرف دوڑو جس کو متقی لوگوں کے واسطے تیار کیا گیا ہے۔تو جو شخص اس راستہ پر چلے اور اس مقررہ شدہ قانون پر عمل کرے گا۔وہ مغفرت حاصل کرے گا جو شخص ایسا نہ کرے گا وہ محروم رہے گا۔پس معلوم ہوا کہ مغفرت کا حاصل کرنا ہمارے اختیار میں ہے اور اگر ہم چاہیں تو اس کو حاصل کرسکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مغفرت ورحمت کا لینا بالکل ہمارے اختیار میں ہے۔ورنہ اگر اس کو اختیار میں نہ مانا جائے تو آیت "سَارِعُوْا" کے کوئی معنی نہیں ہونگے کیونکہ تکلیف مالا یطاق (یعنی ایسی بات کا مکلّف بنانا جو انسان کے بس میں نہ ہو) محال اور نص کے خلاف ہے۔اور یہاں اس کا حکم ہوا ہے تو ضرور وہ تحت الاختیار ہے۔(یعنی ہمارے اختیار میں ہے)۔(احکام العشر الاخیرہ ملحقہ فضائل صوم وصلوٰۃ:ص ۳۸۸،۳۸۶)

بعض مبلغین کی زبردست غلطی

بعض غیر محقق واعظین (ومبلغین) کہہ دیا کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے:"وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُهَا" (اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر بسنے والی مخلوق کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے) تو پھر لوگ پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اس آیت پر ایمان نہیں ہے۔

خوب یاد رکھو! یہ الزام بھی غلط ہے کہ اس آیت پر مسلمانوں کا ایمان نہیں۔نہیں،ضرور سب کا ایمان ہے۔اور ایمان ہونے کے باوجود پریشانی بھی اس کے ساتھ جمع ہوسکتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ وعدے دو قسم کے ہیں۔ایک مبہم اور ایک معین۔اللہ نے مبہم وعدہ فرمایا ہے کہ رزق ملے گا۔لیکن یہ نہیں فرمایا کہ کب ملے گا؟ اور کہاں سے ملے گا؟ اور کس طریقے سے ملے گا؟ اور کتنا ملے گا۔تو پریشانی ابہام کی وجہ سے ہے اور ساتھ ہی اس مبہم وعدہ پر پورا یقین ہے کہ وقت مقرر پر ضرور ملے گا۔

بعض واعظین (ومبلغین) اسی الزام کو مؤکد (اور ثابت) کرنے کے لئے ایک مثال دیا کرتے ہیں کہ اگر کہ کوئی دوست دعوت کردے تو اطمینان ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اطمینان نہیں۔

یہ بھی غلط اور قیاس مع الفارق ہے اور خواہ مخواہ مسلمانوں کو کافر بنانا ہے۔ بخدا اگر حق تعالیٰ کے کلام مجید میں معین وعدہ ہوتا تو ہرگز ہرگز۔ کسی کو پریشانی نہ ہوتی۔ اور اگر دعوت میں بھی وقت معین نہ کیا جائے۔ اور مبہم طور سے کہہ دیا جائے کہ کسی وقت کی دعوت ہے تو وہاں بھی اطمینان نہ ہوتا۔

یہاں اتنی بات فرمائی ہے کہ رزق ملے گا۔ اس پر ایمان ہے شریعت میں غلو نہ کرنا چاہئے۔ جس قدر جو بات ثابت ہو اسی پر رہنا چاہئے۔

اہل کتاب کو ارشاد ہے: ''یَا اَھْلَ الْکِتَابِ لَاتَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ '' یعنی اے اہل کتاب! دین میں غلو نہ کرو۔ فروع (احکام) میں ان کے غیر مکلّف ہونے کے باوجود ان کو یعنی اہل کتاب کو خطاب کیا گیا ہے تو ہم تو بدرجہ اولیٰ اس حکم کے مکلّف ہوں گے۔

(وعظ الجناح ملحقہ مفاسد گناہ: ص ۱۰۴)

ایک اور غلطی

اسی طرح بعض غیر محقق واعظ (ومبلغ) ایسی چھری پھیرتے ہیں کہ مسلمانوں کو کافر بناتے چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ نماز میں سستی کرتے ہیں ان کو منافق کہہ دیتے ہیں اور یہ آیت پڑھ دیتے ہیں۔ ''وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی''۔

یہ آیت منافقین کی شکایت میں ہے۔ کہ وہ نماز کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں تو اس حالت میں کھڑے ہوتے ہیں کہ کاہل (اور سست) ہوتے ہیں۔

خوب سمجھ لو کہ کسل اعتقادی اور شئی ہے اور کسل طبعی جدا شئی ہے۔ منافقین میں

www.alislahonline.com

کسل اعتقادی تھا یعنی ان کو فرض نہ سمجھنے کی وجہ سے کسل تھا۔ اور مسلمانوں میں کسل (سستی) طبعی ہے۔ فرض ہونے میں تردد نہیں۔

منافقین میں کسل کا سبب اعتقاد کی سستی ہے۔ اور مسلمانوں میں کسل (سستی) کا سبب طبیعت ہے۔ مسلمان کیسا ہی۔ ضعیف الایمان ہو۔ اس کو کسل اعتقادی کبھی نہ ہوگا۔ تو یہاں مطلق کسل مراد نہیں۔ لیکن ہمارے واعظین (ومبلغین) سب کو ایک لکڑی سے ہانک دیتے ہیں۔ (وعظ الجناح ملحقہ مفاسدہ گناہ: ص ۱۰۳)

وعظ وتبلیغ کا غلط طریقہ

بعض واعظین (ومبلغین) سب کو ایک طرف سے ایک ہی طرح ہانکنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے تمام بیان میں ترہیب ہی ترہیب (خوف اور ڈر والے مضامین) ہوتے ہیں۔ انہوں نے ترغیب کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ ان کا وعظ یہ ہوتا ہے کہ تمہاری نماز کچھ نہیں۔ تمہارا روزہ کچھ نہیں۔ تمہارا حج بیکار تمہاری زکوٰۃ فضول۔ اس کا اثر یہ نہیں ہوتا کہ سننے والے روزہ ونماز اور اعمال کی اصلاح کرنے لگیں۔ بلکہ ہمت ہار کر جو کچھ برا بھلا عمل کرتے تھے اس کو بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

ان واعظوں کے بیان کا یہی اثر ہوتا ہے جو محض ترہیب ہی ترہیب بگھارتے ہیں اور اس کی تائید میں پرانے بزرگوں کے مجاہدوں کے قصے بیان کرتے ہیں۔ کہ فلاں بزرگ نے پانی پینا چھوڑ دیا تھا۔ فلاں بزرگ نے جوتہ پہننا چھوڑ دیا تھا۔ فلاں بزرگ نے تمام عمر میں اتنے جو کھائے تھے، تم کیا کر سکتے ہو تمہاری کیا نماز ہے، تمہارا کیا روزہ ہے، تمہارا کیا ذکر ہے کیا شغل ہے۔

بس سننے والے سمجھ لیتے ہیں کہ ہم تو ایسے ہونے سے رہے۔ اور بلا ایسے ہوئے کسی شمار میں نہیں لہٰذا قصہ ختم کر دو۔ کچھ بھی نہ کرو۔

خلاصہ یہ کہ مخاطبین کی رعایت کرنا نہایت ضروری اور لازم ہے اور یہ طریقہ مفید نہیں۔

کہ جب بیان ہوتو ترہیب ہی کا ہو۔جیسے آج کل کے واعظین (ومبلغین) کی عادت ہے۔

(وعظ کساء النساء ملحقہ التبلیغ:ص۱۹؍ج۷)

عورتوں کے مجمع میں وعظ تبلیغ کرنے میں بڑی کوتاہی

اگر عورتوں کو ہمیشہ دوزخی دوزخی کہا جائے گا تو دو خرابیاں ہوں گی یا تو وہ نماز روزہ بالکل ہی چھوڑ دیں گی مگر دل بجھا ہوا رہے گا حتی کہ مایوسی ہو جائے گی اور خدائے تعالیٰ سے مایوسی کفر ہے۔یہ عجیب بات ہے کہ واعظ صاحب ممبر پر بیٹھتے تو ہیں تقویٰ سکھلانے کو اور طرز بیان ایسا ہے جس سے ایک مؤمن کو کافر یا قریب کفر بنا دیا۔اس کا دل شکستہ کر دیا۔حتی کہ وہ بے چاری اپنے آپ کو خدا کی رحمت سے محروم سمجھنے لگتی ہیں۔میں نہیں سمجھتا کہ عورتوں کو بات بات پر دوزخی کیوں کہا جاتا ہے،کیا وہ نماز نہیں پڑھتیں؟ کیا وہ روزہ نہیں رکھتیں؟ روزہ رکھنے میں تو وہ مردوں سے بھی آگے ہیں۔غرض جس طرح مرد عمل کرتے ہیں اسی طرح عورتیں بھی کرتی ہیں۔اگر ان کے اعمال کو بیکار کہا جاتا ہے۔تو کیا مردوں کے سب اعمال باکار ہیں اور حقیقت پر نظر کی جائے تو عمل تو سب ہی کے بیکار ہیں۔حق تعالیٰ کی شان کے موافق کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا پھر کسی فریق کو کیا حق ہے کہ اپنے اعمال کو باکار سمجھے اور دوسرے کے اعمال کو بیکار۔اگر ایک فریق کو حق تعالیٰ کی رحمت سے بیکار اعمال قبول ہو جانے کی امید ہو سکتی ہے تو دوسرے کو کیوں نہیں ہو سکتی؟

اول تو نجات کا اصلی مدار رحمت پر ہے مگر عمل کو جتنا دخل ہے عورتیں بھی اس سے محروم نہیں ،عورتیں بھی عمل کر سکتی ہیں اور کرتی ہیں ،سب کو ایک لکڑی سے ہانکنا کیسے درست ہو سکتا ہے ،واعظوں کی مہربانی سے عورتوں کے ذہن میں یہ بات جم گئی ہے،کہ ہمارے اعمال بالکل نکمے ہیں اور ہمارا انجام دوزخ کے سوا کچھ بھی نہیں،جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمت ہار دی اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ بھی نہیں کرتیں،میں کہتا ہوں کہ یہ بڑی غلطی ہے خدا تعالیٰ کی رحمت تنگ نہیں ہے۔ نہ کسی کے ساتھ اس کو خصوصیت ہے۔تمہاری نماز لنگڑی،لنجی کیسی بھی سہی

www.alislahonline.com

اگر مردوں کی نماز حق تعالیٰ کے یہاں کوئی قدر رکھتی ہے تو تمہاری نماز بھی وہی قدر رکھتی ہے۔

عورتو! ہمت نہ ہارو ایسے واعظوں کے کہنے کو مت سنو۔حق تعالیٰ کی رحمت تو تم پر اسی وقت متوجہ ہو گئی جب تم کو نماز کی توفیق دے رہا تھا۔ (التبلیغ:ص۲۴؍ج۷)

ہمارے اعمال بھی قابل قدر ہیں

تمہارا یہ کہنا کہ ہماری نماز ہی کیا؟ یہ قول بہت اچھا ہے مگر اس میں دو حیثیتیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ ہمارا فعل ہے اس معنی کر تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے کیوں کہ اپنی چیز کو ہمیشہ گھٹیا ہی سمجھنا چاہئے۔اور ایک حیثیت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو توفیق دی ہے اس معنی کر یہ قول صحیح نہیں۔کیوں کہ اس صورت میں وہ خدا تعالیٰ کا عطیہ ہے۔اور خدا تعالیٰ کی نعمت کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے،نماز لنگڑی لنجی ہو۔اس حیثیت سے کہ عطیہ خداوندی ہے،بہت بڑی نعمت ہے۔اگر اس کی بھی توفیق نہیں ہوتی تو کیا کرتے۔

اگر ایک شخص کو روکھی روٹی ملے تو اس کو ناک چڑھا کر کھانا کفران نعمت (اور اس کی ناقدری) ہے کیوں کہ اگر یہ بھی نہ ملتی تو اس کا کیا بس تھا اب واعظوں نے ایک حیثیت کو غائب کر دیا ہے ایک پر نظر رکھی،لہٰذا جب بیان کریں گے تو یہی کہ تمہاری نماز کیا۔اور تمہارا روزہ کیا۔واعظ صاحب سے کوئی پوچھے کہ آپ کی نماز میں بھی دو حیثیتیں ہیں،اس میں بھی اسی ایک حیثیت پر نظر کیوں نہیں رکھتے۔(التبلیغ وعظ کساء النساء:ص۲۶؍ج۷)

منکر پر نکیر اور اصلاح وتبلیغ کا غلط طریقہ

اصلاح کے لئے بڑے سلیقہ کی ضرورت ہے اصلاح کا یہ طریقہ نہیں ہے جس طرح کہ ہمارے یہاں ایک صاحب تشریف لائے تھے۔عصر کی نماز پڑھی اور نماز کے بعد دعا مانگنے سے پہلے ہمارے یہاں ایک اہل علم مہمان تھے وہ تنگی کی وجہ سے صف سے ذرا پیچھے کی

طرف کھسک کر بیٹھ گئے ۔ یہ ہمارے مصلح صاحب کیا سمجھے کہ شاید انہوں نے نماز بھی اسی طرح پڑھی ہوگی بس فوراً پکار کر کہنے لگے کہ صف ٹیڑھی کرنا جائز نہیں۔

میں نے کہا تمیز بھی ہے۔اوّل تو تم کو تحقیق کرنا چاہئے تھا کہ نماز بھی اسی طرح پڑھی ہے یا نہیں۔دوسرے اگر محقق بھی ہو جاتا تا تو بھی نرمی سے کہنا چاہئے تھا۔

تیسرے یہ کہ تم ایک عامی آدمی ہو تمہیں تو تحقیق کے بعد بھی کسی اہل علم کو کہنے کا منصب نہیں چہ جائیکہ تم اتنی سختی سے کہتے ہو،اسی طرح علماء کو بھی عوام پر...... سختی نہ کرنا چاہئے۔ہاں کہیں خاص قدرت ہو تو مضائقہ نہیں مگر بلا ضرورت وہاں بھی سختی نہ کرنا چاہئے۔ (التبشیر :ص۳۷۹)

اصلاح وتبلیغ کا ناجائز طریقہ

www.alislahonline.com

خوب سمجھ لو کہ نصیحت (وتبلیغ) کرنا (بدعمل کو بھی) فی نفسہ جائز ہے مگر اس طریقے سے ناجائز ہے کہ باوجود عامل نہ ہونے کے عامل معلوم ہو۔اس وجہ سے کہ یہ کذب (جھوٹ) کو متضمن ہے۔نہ کہ اس وجہ سے کہ نصیحت ہے۔

اگر تم عامل (عمل کرنے والے) نہیں بھی ہو تو وعظ (تبلیغ) کہنے میں کیا حرج ہے اس طرح نہ کہو کہ عامل معلوم ہو۔کیوں کہ یہ جھوٹ اور تکبر ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اپنی حالت ایسی بنائے جس سے تارک الدنیا (یا مبلغ اور دیندار) معلوم ہوتا ہو (حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے) تو ایسی حالت کا اظہار کرنا گناہ ہے۔تو ایسے طور پر نصیحت کرنا بھی جائز نہیں۔

اور اس طرح نصیحت کرنے میں کوئی حرج نہیں کہ عامل نہ معلوم ہو،ہاں دوسرے کو ایسی (بے عمل کی) نصیحت سے نفع کم ہوگا۔

الغرض!جب اس طرح سے کہا جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ بھی یہ کام کیا کرتے ہیں۔(حالانکہ کرتے نہیں ہیں) تو یہ جائز بھی نہ ہوگا۔ (التبشیر :ص۴۰۳)

فصل (۱)

شریعت میں غلو کی ممانعت

شریعت نے غلو سے منع کیا ہے قرآن میں بھی حکم ہے:"یَااَھْلَ الْکِتَابِ لَاتَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ" (دین میں غلو کرنے کی ممانعت ہے) اور احادیث میں بھی اس کی سخت ممانعت ہے:"مَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ" (جو دشواری اختیار کرتا ہے اللہ اس پر دشواری کرتا ہے) کیوں کہ اس میں حدود سے تجاوز ہے اور حدود سے تجاوز کرنا طاعت نہیں بلکہ معصیت ہے۔شریعت نے ہر چیز کے حدود مقرر کئے ہیں۔

ایسا تقویٰ اختیار کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بڑھ جائیں،یعنی ایسا غلو نہ کرو کہ ایسا تقویٰ کرنے لگو،کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ویسا تقویٰ نہیں کیا ہو۔

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور العمل یہ آیا ہے کہ "مَاخَیَّرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ اَمْرَیْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَیْسَرَھُمَا" کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی امر میں دو راستوں کا اختیار دیا جاتا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہل کو اختیار فرماتے تھے۔یعنی مشقت کو اختیار نہ فرماتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نفس پر (بلاوجہ) مشقت ڈالنا مطلقاً محمود نہیں۔

(الاستقامت :ص۴۲۰،ملحقہ دعوت وتبلیغ)

یہ وہ زمانہ ہے کہ آج کل مشتبہ چیزوں کو بھی حلال کیا جاتا ہے نہ کہ حلال کو بھی اس میں شبہات نکال کر حرام کر دیا جائے۔بس یہ معیار یاد رکھو کہ جس کو فقہی فتویٰ حلال کر دے وہ حلال ہے۔

(التبلیغ :ص۶۷رج۱۰)

تقویٰ میں غلو کی ممانعت

بہت سے لوگ تقویٰ میں مبالغہ کرتے ہیں اور اسی کو اچھا سمجھتے ہیں اور بظاہر یہ اچھا معلوم بھی ہوتا ہے۔ مگر یہ محمود نہیں۔ کیوں کہ مبالغہ کی وجہ سے کسی وقت یہ شخص مایوس ہوجاتا ہے۔ کیوں کہ اس کے نزدیک تقویٰ کا جو اعلیٰ درجہ ہے اس کا حاصل ہونا دشوار ہے اور ادنیٰ درجہ کا یہ کافی نہیں سمجھتا۔ اس لئے اخیر میں اس کو مایوسی ہوجاتی ہے۔

مثلاً بعض واعظوں سے لوگوں نے قصّے سنے ہوں گے...... کہ ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ رزق حلال کی تلاش میں کسی بزرگ کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ کے پاس رزق حلال کی طلب میں آیا ہوں، یہ سن کر وہ بزرگ رونے لگے اور کہا کہ اب تک تو میرا کسب (ذریعہ معاش) حلال تھا، لیکن اب نہیں رہا۔ ایک دن میرے بیل دوسرے شخص کے کھیت میں چلے گئے تھے۔ اس کے کھیت کی مٹی میرے بیلوں کے پیر کو لگ گئی اور میرے کھیت میں مل گئی۔ اب مجھے شبہ ہوگیا ہے۔

ایسے قصے سن کر لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ بس تقویٰ بہت دشوار ہے حالانکہ یہ قصہ شریعت کے بھی خلاف ہے۔ اور عقل کے بھی۔ عقل کے خلاف تو اس لئے کہ بیل کے پیر کو جو مٹی لگ جاتی ہے وہ تھوڑی دور چلنے سے چھڑ جاتی ہے۔ تو کیا یہ ضروری ہے کہ دوسرے کے کھیت کی مٹی اس کے کھیت میں مل گئی ہو، ایسے ہی ان کے کھیت کی مٹی اس کے کھیت میں بھی جاملی ہوگی تو برابر سرابر معاملہ ہوگیا۔

اور شریعت کے خلاف اس لئے ہے کہ شریعت نے ایسے مبالغہ کو قابل تعزیر سمجھا ہے۔ مثلاً ایک دانہ گندم کی تعریف وتشہیر (اعلان) کرتا پھرے کہ یہ دانہ کس کا ہے؟ تو فقہا کہتے ہیں کہ "اِنَّہٗ یُعَزَّرُ" کہ اس شخص کو سزا تعزیر دی جائے۔ کیونکہ شریعت نے اس قلیل مقدار کو قابل تعریف (اعلان) اور لقطہ میں داخل نہیں بنایا کیوں کہ یہ مال نہیں، کیونکہ

www.alislahonline.com

شریعت نے اس قلیل مقدار کو لقطہ نہیں بنایا۔ اور یہ شخص اس کو لقطہ بناتا ہے۔ گویا اپنی طرف سے نئی شریعت ایجاد کرتا ہے۔

اگر بیل کے پیر کو مٹی لگ جائے تو یہ کوئی قیمتی چیز نہیں۔ چنانچہ اتنی مٹی کی بیع جائز نہیں۔ اور جب قیمتی نہیں تو اس کا ضمان بھی نہیں۔ پھر اس کے کھیت میں ملنے سے شبہ کیوں ہوگیا۔ اور اگر بالفرض ضمان بھی لازم ہوتا۔ تو اس کا ضمان ادا کردینا کافی تھا۔ تم نے اپنے کھیت سے اُتنی مٹی دوسرے کے کھیت میں ڈال دی ہوتی؟ اس سے کھیت کا غلہ اور پیداوار کیوں حرام ہوگیا؟

پس یا تو یہ قصہ موضوع (گڑھا ہوا) یا یہ لوگ اہل حال ہیں۔ جو معذور ہیں یا وہ شریعت سے ناواقف ہوں گے۔ اس لئے ایسے اقوال حجت نہیں۔

واعظوں (اور مبلغین) کو ایسے قصے بیان کرنا جائز نہیں۔ اس قسم کے قصوں سے لوگ سمجھتے ہیں کہ تقویٰ بہت دشوار ہے اور جب تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا، اور حرام کھانے سے مفر (چارہ) نہیں تو تھوڑا کھایا تب کیا زیادہ کھایا تب کیا، (سب برابر ہے) بس اب بے احتیاطی شروع ہوگئی۔ پہلے ایک بے احتیاطی ہوئی پھر دوسری۔ پھر تیسری۔ پہلے تو شبہات سے بچنے کا اہتمام تھا۔ اب صریح حرام سے بھی پاک نہیں۔ یہ انجام ہے مبالغہ اور غلو کا۔

(دعوت وتبلیغ)

توحید میں غلو کی ایک مثال

فرمایا ایک بار قحط واقع ہوا۔ اس میں ایک شخص کے گھر میں جس کو توحید میں غلو ہوگیا تھا۔ ایک گائے تھی وہ دودھ دیا کرتی تھی۔ ایک دن اس کے کسی دوست نے پوچھا کہ اس قحط کے زمانہ میں کیسے بسر ہوتی ہے؟ اس شخص کی عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک گائے دے رکھی ہے اس کے دودھ سے آرام رہا۔ میاں صاحب غصہ ہوگئے۔ اور کہا کہ گائے تیری خدا

ہے۔ جو رزق کو اس کی طرف منسوب کرتی ہے اور فوراً چھری لے کر گائے کو ذبح کر دیا۔ کہ رزق کی نسبت گائے کی طرف کیوں کر دی جیسے آج کل لوگ رزق کی نسبت دکان وغیرہ کی طرف کر دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ رزاق تو اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر یہ ہے غلو اس لئے کہ سببیت کی ایسی نسبت تو اسباب کی طرف ہے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ" آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی سے تمہارے کھانے کے لئے پھل نکالے۔

یہ توحید میں غلو ہے (جس کی مذمت اور) ممانعت وارد ہوئی ہے سنت اور توحید میں افراط وتفریط کی بدولت ناواقف لوگوں میں سخت کشمکش ہوتی ہے۔

(کلمۃ الحق: ص۱۶۳)

www.alislahonline.com

فصل (۲)

اتباع سنت میں غلو

سنت عادۃ کی اتباع واجب نہیں

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو گیہوں کی روٹی کھاتے ہیں اور جو کی روٹی نہیں کھاتے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلی کی غذا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو (غلہ) عادۃ کے طور سے کھایا ہے یا عبادت کے طور سے؟ ظاہر ہے کہ عبادت کے طور سے نہیں کھایا پھر عادت نبوی کا اتباع شرعاً واجب نہیں۔ نہ ان کے ترک میں کوئی گناہ ہے۔ عادتوں میں مزاج وغیرہ کے لحاظ کرنے کا اختیار ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض عادتیں ایسی ہیں جن کو ہم برداشت نہیں کر سکتے اس لئے شریعت نے عادتِ نبوی کا اتباع واجب نہیں قرار دیا۔ البتہ اگر کسی کو ہمت ہو اور عادت پر عمل کرنا بھی نصیب ہو جائے تو اس کی فضیلت میں شک نہیں۔ مگر اس کو دوسروں پر طعن کرنے کا بھی کوئی حق نہیں۔ (التبلیغ وعظ ترجیح الاخرۃ: ص۲۵۵، ج۲۰)

سنت کی تعریف وتقسیم

سنت اس کو نہیں کہتے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محض ثابت ہو بلکہ سنت اس کو کہتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت غالبہ ہو (یعنی اکثر عادت ہو)۔

(الافاضات الیومیہ: ص۳۵۵، ج۲،۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی امر کا منقول ہونا سنت ہونے کے لئے کافی نہیں، بلکہ جو آپ کی عادت غالبہ ہو وہ سنت ہے۔اور جو کسی عارض کیوجہ سے صادر ہو گیا ہو وہ سنت نہیں۔ (الافاضات الیومیہ:ص ۳۰۰ رج ۲)

سنت مطلقہ وہ ہے (جو عبادت ہے) جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت کے کیا ہے۔ورنہ سنن زوائد میں سے ہوگا مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال رکھنا بطور عادت کے ہے نہ کہ بطور عبادت کے۔اس لئے اولیٰ ہونے میں تو شبہ نہیں۔مگر اس کے خلاف کو خلاف سنت نہ کہیں گے۔ (امداد الفتاویٰ:ص ۲۲۴)

(خلاصہ یہ کہ) سنت کی دو قسمیں ہیں: سنت عبادت، سنت عادت مطلقاً سنت کا لفظ سنت عبادت پر بولا جاتا ہے اور ثواب کا وعدہ اور اس کی ترغیب اسی قسم سے متعلق ہے۔اور دوسری قسم یعنی سنت عادت بھی برکت سے خالی نہیں۔نیز محبت کی دلیل ہے۔لیکن دین کا جزء مقصود نہیں۔اس کی وجہ سے اگر کسی کے مقاصد دین میں خلل پڑتا ہو تو اس کو اس سے منع کیا جائے گا۔ (امداد الفتاویٰ:ص ۲۲۹ رج ۴)

سنن زوائد وسنن عادیہ میں سختی سے امر بالمعروف کرنا جائز نہیں

مکہ میں مجھے ایک جاہل نے امر بالمعروف کیا کہ تم عمامہ کیوں نہیں باندھتے یہ سنت ہے؟ میں نے کہا کہ تم لنگی کیوں نہیں باندھتے یہ بھی سنت ہے؟ سوچ کر کہنے لگے کہ میں بوڑھا ہوں میرے جسم پر ٹھہرتی نہیں۔

میں نے کہا کہ میں جوان ہوں عمامہ سے گرمی لگتی ہے۔اس پر بہت جھلائے۔اور کہنے لگے کہ خدا کرے تمہارے دماغ میں اور گرمی بڑھ جائے۔

بھلا ایسے جاہلوں کو جو امر بالمعروف سے مخاطب کی حالت بھی نہ دریافت کریں۔ اور ایک سنت زائدہ کے لئے اس سختی سے امر بالمعروف کریں۔کیوں کر امر بالمعروف جائز

www.alislahonline.com

ہو سکتا ہے۔(الحدود والقیود:ص ۳۵ تجدید تعلیم تبلیغ:ص ۲۲۰)

غرضیکہ سنت زائدہ کے لئے اس سختی کے ساتھ امر بالمعروف کرنا جائز نہیں۔ (انفاس عیسیٰ:ص ۲۸۰ رج ۱)

میں نے جو اس کو اس طرح جواب دیا اس کا سبب اس کی جہالت ہی تھی ورنہ میری عادت اس طرح سوال جواب کی نہیں۔دوسرے اس وقت میری جوانی تھی مجھے اس کی سختی پر غصہ آ گیا۔

(التبلیغ:ص ۲۱۵ رج ۱۵،الحدود والقیود)

احیاءِ سنت کی تشریح

شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی محمد اسماعیل صاحب کو یہ کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو۔اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا۔

مولوی اسماعیل صاحبؒ نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جائے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے:"مَنْ تَمَسَّکَ بُسِنَّتِیْ عِنْدَفَسَادَ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُمَاْ ئِةِ شَهِیْدُ" (ترجمہ) جس نے میری سنت کو مضبوطی سے تھام لیا، میری امت کے بگاڑ کے وقت اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔

اس کو سن کر شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے فرمایا کہ ہم تو سمجھے کہ اسماعیل عالم ہو گیا۔مگر وہ تو اس حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا۔

یہ حکم تو اس وقت ہے جب کہ سنت کے مقابل خلافِ سنت ہو اور زیر بحث مسئلہ میں سنت کا مقابلہ خلافِ سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے (دونوں ہی امر حدیث سے ثابت ہیں اس لئے کسی ایک کو خلافِ سنت کہنا درست نہیں۔

(بوادر النوادر:ص ۶۹۴ رج ۲)

﴿باب ۲۳﴾

علمی واصولی مباحث

بدنامی اور احتمال فتنہ کی صورت میں اظہارِ حق کرنا چاہئے یا نہیں؟

ایک اہل علم نے سوال کیا کہ اگر کوئی فعل شرعاً فی نفسہ تو قبیح (برا) نہ ہو بلکہ محمود اور پسندیدہ ہو۔لیکن عوام اس کو اپنے نزدیک برا اور مذموم سمجھتے ہوں اور اندیشہ ہو کہ اگر اس فعل کو کیا جائے گا تو عوام بدگمان ہوں گے۔اور اس کو بدنام کریں گے۔تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ آیا مخلوق کی ملامت اور طعنہ کی پرواہ نہ کرے۔اور اس کام کو کرے۔یا ملامت اور بدنامی کے خوف سے اس کام سے پرہیز کرے؟۔

حضرت نے فرمایا......ایسی صورت میں نہ تو علی الاطلاق اس فعل کو منع کرسکتے ہیں۔اور نہ ہی علی الاطلاق اس کی اجازت دے سکتے ہیں بلکہ کتاب وسنت میں نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر تفصیل ہے۔

چنانچہ اس وقت دو باتیں بیان کرتا ہوں کہ وہ دونوں واقعہ ایسے تھے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ کرنا چاہئے تھا۔کیوں کہ عوام الناس کے نزدیک قابلِ ملامت تھے۔

مگر ایک مقام پر حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کو باقی رکھا۔اور دوسرے واقعہ میں آپ کی رائے کے خلاف حکم دیا۔

ایک تو واقعہ ادخال حطیم فی البیت کا ہے (یعنی) قریش نے جب خرچ کی تنگی کی وجہ سے حطیم کو بیت اللہ سے خارج کردیا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیت اللہ میں داخل کرنے کا ارادہ کیا۔مگر اس خیال سے ملتوی کردیا۔کہ اہل مکہ ابھی ابھی اسلام لائے ہیں

www.alislahonline.com

۔اگر میں نے کعبہ کو منہدم کیا تو ان کو یہ خیال پیدا ہوگا۔کہ یہ کیسے نبی ہیں جو کعبہ کو منہدم کرکے اس کی بے حرمتی کرتے ہیں۔تو ان کے اسلام میں ضعف ہوگا۔اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک کو باقی رکھا۔اور اس فعل کی جو کہ ملامت کا ذریعہ تھی۔اس کے ارتکاب کی اجازت نہیں دی۔

دوسرا واقعہ جہاں مخلوق کی ملامت کی پرواہ نہیں کی گئی۔وہ واقعہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ہے، جو خدا کے کلام اللہ میں مذکور ہے حضرت زید بن حارثہ نے ان کو طلاق دے دی۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ زینب اور ان کے اولیاء کی دلجوئی کی اب صرف یہی ایک صورت ہے کہ میں ان سے نکاح کرلوں۔مگر آپ اس خیال سے رکتے تھے کہ زید بن حارثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّیٰ یعنی منہ بولے بیٹے تھے۔متبنّیٰ کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔اگر میں نے زینب سے نکاح کرلیا تو جہلاء مشرکین اور منافقین لعن طعن کریں گے کہ بہو سے نکاح کرلیا۔اور طعن کی وجہ سے بہت سے لوگ اسلام سے رُک جائیں گے۔تو دیکھئے زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے میں بھی اس مفسدہ کا احتمال تھا جس کا حطیم کے قصہ میں احتمال تھا، مگر حق تعالیٰ نے یہاں مفسدہ کی پرواہ نہیں کی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ حضرت زینب سے نکاح کرلیں۔اور بدنامی ولعن طعن کی پرواہ نہ کریں۔

دونوں واقعوں سے معلوم ہوا کہ ہر مفسدہ قابل اعتبار نہیں۔اور ہر مصلحت حاصل کرنے کے قابل نہیں۔

دونوں میں بڑا فرق ہے جس کی وجہ سے ایک میں ملامت کے خوف کی رعایت کی گئی۔اور ایک میں نہیں کی گئی......وہ یہ کہ کتاب وسنت میں نظر رکھنے سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ وہ کام جو لوگوں کے نزدیک قابل مذمت ہے اگر واجب یا دین میں مقصود ہو تب تو بدنامی کے خوف سے اس کو ترک نہ کیا جائے گا۔اور اگر وہ فعل نہ تو واجب ہو اور نہ دین میں مقصود ہو کہ اس کے ترک کرنے میں کوئی حرج ہو تو اس کو نہ کیا جائے گا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں جو لوگوں کے بدنام کرنے کی وجہ سے نکاح ترک نہیں کیا گیا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ زید بن حارث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی تھے اور اس زمانہ میں عوام الناس متبنّٰی کی منکوحہ سے نکاح کرنے کو ناجائز اور حرام سمجھتے تھے۔ تو عوام کے اس فاسد عقیدہ کی اصلاح کے لئے اس وقت صرف تبلیغ قولی (زبان سے کہہ دینا) کافی نہ تھی۔ بلکہ ضرورت تھی کہ تبلیغ فعلی کی جائے اور نکاح کرنا تبلیغ فعلی تھی۔اور تبلیغ دین میں واجب ہے۔لہٰذا یہ نکاح کرنا دین میں مقصود تھا۔اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ملامت کی پرواہ نہیں کی۔

بخلاف ادخال حطیم فی البیت کے کہ حطیم کا کعبہ کے اندر داخل کرنا کوئی شرعی مقصود بالذات نہیں۔اور نہ ہی دین میں کوئی ضروری فعل تھا بلکہ ایک پسندیدہ فعل تھا۔جس پر کوئی ضروری مقصود بھی موقوف نہ تھا۔اس کے داخل نہ ہونے سے کون سا مقصود شرعی فوت ہو گیا۔

خلاصہ یہ کہ مقاصد شرعیہ میں تو بدنامی کا تو کچھ خیال نہ کیا جائے اور غیر مقاصد میں بدنامی سے بچنا ہی مناسب اور سنت کے موافق ہے۔(فقہ حنفی کے اصول وضوابط بحوالہ تھانوی)

اس کی دوسری نظیر دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دی تو لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنا بدنام کیا۔مگر کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بدنام کرنے کی وجہ سے توحید کی دعوت ترک کر دی؟

ایک تیسری نظیر معراج کا واقعہ ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے آپ کی چادر مبارک کا گوشہ پکڑ لیا اور عرض کیا۔کہ یا رسول اللہ آپ لوگوں سے یہ قصہ (معراج) نہ کہئے ورنہ لوگ آپ کو جھوٹا کہیں گے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانی کے مشورہ پر عمل نہ کیا ۔کیوں کہ معراج کے واقعہ کا اظہار کرنا دین میں مقصود تھا اور جو چیز دین میں مقصود ہو اس کو ملامت کے خوف سے ترک نہیں کیا جاسکتا۔

(الافاضات الیومیہ نہم جزاوّل:ص۴۸ ر ج۹،التبلیغ:ص۱۱تا۱۵ ر ج۲۳)

www.alislahonline.com

تبلیغ میں باطل مسلک کی تردید سے متعلق اہم مضمون

اسی کا ایک تتمہ یہ بھی ہے کہ اہل اضلال (گمراہ کرنے والے لوگوں) میں اس وقت دو قسم کے لوگ ہیں۔ایک تو وہ جو ارتداد کی صورت میں مسلمانوں کو مرتد بنا رہے ہیں۔اور ایک وہ لوگ جو اہل اسلام کی شکل میں پہلے سے مرتد ہیں اور وہ دوسروں کو اپنی طرف بلاتے ہیں، یہ فرقہ زیادہ مضر ہے یعنی اس وقت ایک فرقہ تو وہ ہے جو علانیہ طور پر (کھلم کھلا) کفر کی دعوت کرتا ہے اور ایک فرقہ وہ ہے جو اسلام کے پردہ میں کفر کو پھیلا رہا ہیں۔مبلغین کو ان دونوں کی مدافعت کرنا چاہئے۔

یہ میں نے اس لئے عرض کیا کہ کانپور میں میرا وعظ ہوا تھا اس کا نام الدعوت الی اللہ ہے۔میں نے اس میں بیان کیا تھا کہ اب صرف آریہ کا مقابلہ کرنا چاہئے۔اور آپس جو فرقے ہیں۔جیسے رضائی یا مرزائی ان سے نہ لڑنا چاہئے کیوں کہ جب نومسلم یا جاہل مسلمان ہمارے گھر کے اندر کی لڑائی دیکھیں گے تو متحیر رہ جائیں گے کہ یہ سب ہی مسلمان ہیں اور ایک دوسرے کو اہل باطل سمجھتے ہیں۔پھر ہم کدھر جائیں اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔

لیکن اب مجھے تنبہ ہوا کہ یہ میرا خیال صحیح نہیں ہے۔پہلے مجھے واقعات معلوم نہیں تھے میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ لوگ بھی صرف توحید ورسالت کی اشاعت کرتے ہیں۔یعنی رسالت محمدیہ کی تبلیغ کرتے ہیں۔لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ رسالتِ مرزائیہ کی تبلیغ کرتے ہیں۔اور اس کے ساتھ یہ سنا تھا کہ وہ ان سے الجھتے ہیں۔تو اس وقت یہ رائے دی تھی کہ آپس میں نہ لڑو،اس سے جاہل مسلمان یا مرتدین پریشان ہوں گے۔اسلام سے رک جائیں گے اور اسلام سے متوحش ہوں گے، پہلے ان کو کسی ہی کے ذریعہ مسلمان ہونے دو۔جب وہ مسلمان ہو جائیں گے پھر بتلا دینا کہ یہ مذہب باطل ہے اور یہ حق ہے۔اور اسی دعوت الی اللہ میں یہ بھی کہا تھا کہ یہ جب تک ہے کہ وہ مرزائی وغیرہ اپنے مذہب سے تعرض نہ کریں، نہ اپنے عقائد کی اشاعت کریں اور اگر وہ اس سے تعرض کریں، تو تم بھی دریغ نہ کرو۔

اب ایک دوست نے لکھا ہے کہ تمہارے وعظ میں جو یہ مضمون ہے اس سے تو لازم آتا

ہے کہ ہم اور کفار ایک جگہ ہو کر اسلام کی اشاعت کریں......تو میں نے ان کو جواب میں لکھا کہ اب (یہ مضمون) شائع کردو کہ اگر وہ اپنے مذہب سے تعرض کریں تو ہم بھی ان سے ضرور تعرض کریں گے۔

پھر ایک دوست نے مجھ کو یہ لکھا کہ اب وہ تعرض نہ بھی کریں۔ جب بھی ہم کو تعرض کرنا چاہئے، کیوں کہ حقیقت میں وہ مسلمان نہیں مگر ہمارے سکوت (خاموش رہنے) سے مسلمانوں کو تو یہ خیال ہوگا کہ یہ مسلمان ہیں تو پھر جو کچھ لوگ انہیں کو اپنا مقتداء اور پیر خیال کریں گے۔ پھر اس سے لوگوں کو ہٹانا مشکل ہوگا۔ اس وقت میری آنکھیں کھل گئیں کہ بیشک میرا خیال غلط تھا۔

پھر میں نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا کہ ہمارے مبلغین کو کیا کرنا چاہئے۔ ان سے تعرض کرنے میں نقصان یہ تھا کہ کہیں دعوت کا کام ہی نہیں رک جائے۔ اور تعرض نہ کرنے میں یہ خیال ہوا کہ اگر لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس کے ہاتھ پر چاہیں اسلام لے آئیں چاہیں ہمارے ہاتھ پر، یا مرزائیوں کے ہاتھ پر، تو اسلام لانے کے بعد بعض نومسلموں پر ان کا اثر ہوجائیگا۔ پھر ان کو ہٹانا مشکل ہوگا۔ اس لئے مشورہ کیا گیا۔ غرض اس مصلحت کا بھی خیال تھا۔ کہ اگر اب نہ روکا جائے تو انجام کے اعتبار سے اس کا اچھا اثر نہ ہوگا۔ اور اس مفسدہ (خرابی) کا بھی یہ خیال تھا کہ اس سے وہ نومسلم پریشان ہوں گے کہ ہم کدھر جائیں۔ مشورہ میں بعض لوگوں نے یہ کہا کہ مقصود تو دعوت ہے۔ تو مرزائیوں (باطل فرقوں) سے تعرض کرنا بھی تو دعوت ہے اس کو کیوں ترک کریں۔ مسلمان بنانا تو ہمارے ذمہ فرض نہیں۔ ہمارا کام (صرف) دعوت وتبلیغ کرنا ہے۔ خواہ اس کا ثمرہ مرتب نہ ہو۔ اس کی پرواہ نہ کرنا چاہئے۔ اور اب یہاں آکر معلوم ہوا کہ راجح یہی ہے کہ ان کا رد ضرور کیا جائے۔ اور نتیجہ پر نظر نہ کی جائے اسی کو تو فرماتے ہیں: "اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ" اور "وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ"۔

(واضح رہے اس قسم کی تبلیغ کا منصب صرف علماء کو ہے)۔

(آداب التبلیغ: ص۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶)

www.alislahonline.com

فصل

چلّہ کی اصلیت

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس روز تک اللہ کے لئے خلوص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرے۔ علم کے چشمے اس قلب سے (جوش زن ہوکر) اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں روایت کیا اس کو رزین نے۔

فائدہ: اکثر بزرگوں سے چلہ نشینی کا اہتمام منقول ہے، یہ حدیث اس کی اصل ہے۔

(التکشف: ص۶۷۴)

چلّہ کے مفید ہونے کی شرط

چلہ اس وقت مفید ہوگا جب کہ اس میں خلوص ہو ورنہ اس کی یہ کیفیت ہوگی کہ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ تم نماز پڑھا کرو۔ اس نے کہا کیا دوگے؟

کہا جب تم چالیس دن تک برابر پڑھتے رہوگے تو ایک بھینس دیں گے وہ راضی ہوگیا اور نماز پڑھنی شروع کردی۔ ان حضرت نے تو اس خیال سے کہہ دیا تھا کہ چالیس دن کے بعد اس کی نماز کی عادت ہوجائے گی پھر یہ بھینس بھول جائے گا اور نمازی بن جائے گا۔ جب چالیس دن پورے ہوگئے اس نے کہا لاؤ بھینس، انہوں نے کہا کیسی بھینس میں نے تو یوں ہی کہہ دیا تھا۔ کہنے لگا پھر میں نے بھی بے وضو ہی لڑخائی ہے۔ اگر خلوص نہیں تو یہی ہوگا۔ چلہ تو اسی وقت مفید ہوگا جب کہ اس میں خلوص ہو۔

(روح الصیام ملحقہ برکات رمضان: ص۱۵۹)

چالیس دن نیک صحبت میں وقت گذارنے کی افادیت

چالیس دن کے اندر عجیب خاصیت ہے...... چلہ وہ چیز ہے جس کے بارے میں حدیث میں ہے: "مَنْ اَخْلَصَ اللّٰہُ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا" **(الحدیث)** کہ جس نے چالیس دن اللہ کے لئے خلوص کیا حق تعالیٰ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری کردیں گے۔

میرٹھ میں تمر الانصاری کے جلسہ میں بہت سے نوتعلیم یافتہ جمع تھے۔ میں نے کہا کہ آپ لوگوں نے اپنے شبہات حل کرنے کا بڑا وطیرہ اختیار کیا ہے۔ اس طرح شبہات حل نہیں ہوتے، اگر واقعی آپ شبہات کو حل کرنا چاہتے ہیں تو چالیس دن کے لئے کسی محقق کے پاس جس پر آپ کو اطمینان ہو چلے جایئے اور اپنے تمام شبہات کی فہرست لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کردیجئے۔ اسی درمیان میں اگر کوئی نیا شبہ پیش آئے اسے بھی اُس فہرست میں لکھ دیجئے۔ مگر زبان سے کچھ نہ کہئے اور چالیس دن تک اس کی صحبت میں بیٹھ کر اس کی باتیں سنتے رہئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس کے جواب دیئے بغیر آپ کے تمام شبہات حل ہوجائیں گے۔ پھر کبھی آپ کو اس قسم کا کوئی شبہ نہ ہوگا۔ اور اگر شبہ رہے گا بھی تو پوچھتے ہی فوراً دفع ہوگا۔

(روح الصیام، برکات رمضان: ص ۱۶۰)

www.alislahonline.com

﴿باب ۲۴﴾

تبلیغی جماعت حضرت تھانوی کی نظر میں

مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت

احقر (مولانا عبدالباری صاحب) بستی نظام الدین حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، غالباً دوسرے ہی دن قصبہ نوح میں اس تبلیغی سلسلہ کا بڑا سالانہ اجتماع تھا۔ جس میں باصرار ساتھ چلنے کا حکم ہوا۔ دو تین دن مسلسل حضرت کی معیت اور تبلیغی خدمات کے معائنہ ومشاہدہ کی سعادت حاصل رہی۔

دہلی سے سیدھے تھانہ بھون حاضری تھی جب رخصت ہونے لگا تو (مولانا الیاس صاحبؒ نے) فرمایا کہ حضرت مولانا تھانوی کی خدمت میں سلام عرض کرنا۔ یہاں کے کام کا ذکر نا۔ اور جو کچھ فرمائیں مجھ کو ضرور لکھنا۔

چنانچہ سلام رسانی کے بعد راقم احقر نے بستی نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد سے لے کر قصبہ نوح تک کے جو اثرات تھے مختصر عرض کئے۔

(حضرت تھانویؒ) نے فرمایا۔ اصل کام تو یہی ہے۔ (تجدید تعلیم وتبلیغ: ص ۱۷۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی شہادت

(شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ایک مکتوب میں جواباً تحریر فرماتے ہیں کہ) حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق (تبلیغی جماعت کے سلسلہ میں) مخالفت میرے علم میں نہیں بلکہ میرے علم میں یہ ہے کہ حضرت قدس سرّہٗ متعدد مرتبہ نظام الدین تشریف لے گئے بلکہ میوات بھی تشریف لے گئے اور مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی کثرت سے تھانہ بھون

حاضر ہوتے تھے......تھانہ بھون کی حاضری میں یہ ناکارہ بھی اکثر ساتھ ہوتا تھا اور مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر حاضری پر اپنی مساعی (کارکردگی) کا تذکرہ کرتے تھے۔اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اظہار مسرت بھی فرماتے تھے اور دعائیں بھی دیتے تھے۔یہ تو اس ناکارہ کا مشاہدہ ہے۔

اور یہ مقولہ حضرت حکیم الامتؒ کا متعدد لوگوں سے میرے کان میں پڑا کہ ’’مولوی الیاس صاحب نے تو یاس کو آس سے بدل دیا‘‘ ہے۔

اگر حضرت اقدس تھانویؒ نور اللہ مرقدہٗ نے کبھی کسی مبلغ یا جماعت کے متعلق کوئی تنقید فرمائی ہو تو مجھے اس سے انکار نہیں۔حضرت قدس سرہٗ کی تنبیہات اور اصطلاحات سے کون ناواقف ہے۔

اکابر کی طرف سے اگر کسی آدمی پر یا کسی جماعت پر کوئی ڈانٹ پڑے تو وہ وقتی چیز ہوتی ہے اس کو اس شخص یا جماعت کی طرف سے کلیہ پر محمل کرنا یا جہالت سے ہو سکتا ہے یا عناد سے۔

(جماعت تبلیغ پر اعتراضات کے جوابات:ص ۶۰،۶۲،۶۸)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی شہادت

(حکیم الامت حضرت) مولانا تھانویؒ کو ایک بے اطمینانی یہ تھی کہ علم کے بغیر یہ (تبلیغی جماعت کے) لوگ فریضہ تبلیغ کیسے انجام دے سکیں گے لیکن جب مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ نے بتلایا کہ یہ مبلغین ان چیزوں کے (یعنی چھ نمبروں کے) سوا جن کا ان کو حکم ہے کسی اور چیز کا ذکر نہیں کرتے اور کچھ اور نہیں چھیڑتے تو مولانا کو مزید اطمینان ہوا۔(مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت:ص ۱۱۸)

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا ارشاد گرامی

مولانا منظور صاحب نعمانی کی شہادت

فرمایا مولانا تھانویؒ کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے......حضرت مولانا تھانوی رحمۃ

www.alislahonline.com

اللہ علیہ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے۔ (ملفوظات مولانا الیاس صاحبؒ:ص ۵۸)

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے چند خطوط

ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا:

السلام علیکم،آپ کا خط پہنچا کاشف تفصیل حالات ہوا،بہت کچھ امیدیں بڑھیں۔میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ انشاء اللہ آپ کی جماعت اس مادہ میں جس قدر مفید ہوگی شاید دوسری بڑی بڑی جماعتیں اس درجہ مفید نہ ہوں،تمام احباب کی خدمت میں سلام کہئے۔اور کارڈ سنا دیجئے اور سب سے دعاء کی درخواست کیجئے،اس مقصود کے لئے بھی اور میرے لئے بھی۔میں برابر دعاء کرتا ہوں۔ ۲۴؍رمضان ۶۱ھ

ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا:

السلام علیکم خط پڑھ کر بے حد دل خوش ہوا۔آپ صاحبوں کی ساعی مشکور ہونے کے لئے دل سے دعاء کرتا ہوں۔اور قلب شہادت دیتا ہے کہ آپ صاحبوں کو سب سے زیادہ کامیابی ہوگی۔آپ صاحبوں کے سب خطوط محفوظ رہتے ہیں۔موقع پر اشاعت ہوتی رہتی ہے۔تاکہ ناظرین مسرور ہوں۔ (اشرف السوانح:ص ۲۳۶؍ج ۳)

ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا:

السلام علیکم۔حالات سے بہت کچھ امید ہوئیں۔اور مجھ کو اس سے پہلے بھی صرف آپ جیسے مخلصین کا جانا اور پھر مولوی الیاس (صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا ساتھ ہو جانا یقین کامیابی کی دلاتا ہے۔علم غیب تو حق تعالیٰ کو ہے،مگر میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ سب وفود سے زیادہ نفع آپ صاحبوں سے ہوگا ’’بخدمت مولوی صاحب‘‘

سلام مسنون۔(اشرف السوانح)

تمت

دعوت وتبلیغ کے موضوع پر اہم کتابیں

مرتب: محمد زید مظاہری ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

(١) دعوت وتبلیغ کی اہمیت وضرورت اوراس کے مقاصد (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ)

اوراس کام کے ذریعہ پورادین زندہ کرنے کا طریقہ (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ)

(٢) تبلیغی چھ نمبروں کی اہمیت وضرورت (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ)

(٣) دعوت وتبلیغ کے اصول وآداب (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ)

(٤) اللہ کے راستے میں نکلنے والوں کے لئے خصوصی ہدایات (افادات مولانا محمد الیاسؒ)

(٥) علماء کا مقام اوران کی ذمہ داریاں (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ)

مدارس اور جلسہ وچندے سے متعلق خصوصی ہدایات (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ)

(٦) جہاد کی حقیقت اورفی سبیل اللہ کی تشریح (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ مع اضافہ)

(٧) دعوت وتبلیغ کے اصول واحکام (افادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

(٨) اسباب واعمال اورتدبیر وتوکل کا شرعی درجہ (افادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

(٩) آدابِ تقریر وآدابِ تربیت (افادات حکیم الامت حضرت تھانویؒ)

(١٠) احکامِ مناظرہ (دعوت وتبلیغ میں مناظرہ اور حکمت عملی (افادات حضرت تھانویؒ)

(١١) اللہ کے راستے میں نکلنے کی اہمیت (افادات مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ)

اوردعوت وتبلیغ سے متعلق ضروری اصطلاحات (افادات مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ)

(١٢) کتبِ فضائل اور تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات (شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ)

(١٣) تبلیغی چھ نمبر قرآن پاک کی روشنی میں (افادات حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، زیر ترتیب)

(١٤) تبلیغی جماعت اکابر علماء کی نظر میں (زیر ترتیب)

www.alislahonline.com

باسمہٖ تعالیٰ

تقریظ

از: حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

(قاضی شریعت امارت شرعیہ پھلواری شریف)

علوم اسلامی کی خدمت اوراس کے بقاء وارتقاء میں علماء ہند کا جو حصہ رہا ہے۔وہ محتاج اظہارنہیں۔اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب مسلمان اس ملک میں تاج وتخت سے محروم کئے گئے اوران کے اقتدار وسلطنت کا خورشید غروب ہوا تو یہ وہ وقت تھا کہ اس ملک میں اسلام کی حفاظت،شعائر دین کی پاسبانی،اور روحانی اقتدا کی نگہبانی کے لئے پہلے سے زیادہ رجال اللہ،اور رجال الدین کی ضرورت تھی،جو اپنی ذہانت وذکاوت کے ذریعہ اعداء اسلام کی طرف سے پیدا کی جانے والی غلط فہمیوں کو بے نقاب کردیں۔اور کفر کو خندہ زن ہونے کا موقع نہ دیں۔دوسری طرف تمام مسلمانوں کی اصلاح وتربیت کی داعیانہ اور حکیمانہ صلاحیتوں سے بہرہ ور ہوں...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وقت کی ضرورت کے مطابق بے شمار جلیل القدر ذہین اور مخلص علماء پیدا کئے۔اورانہوں نے اپنی فراست اور ناخنی تدبیر سے ہر فتنہ کا مقابلہ کیا۔اورامت کے مسائل حل فرمائے۔

ان علماء میں ایک ممتاز نام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے۔جن کے اندر ایک خاص قسم کی جامعیت کی شان پائی جاتی ہے۔علوم اسلامیہ کا شاید ہی کوئی شعبہ ہو۔جس میں ان کی کوئی تحریر موجود نہ ہو۔اورامت کا شاید ہی کوئی عام سے عام اوراہم مسئلہ ہو جس پر آپ نے قلم نہ اٹھایا ہو۔تصوف کی تو گویا آپ نے تجدید فرمائی۔اور ہزاروں اہل طلب کی اصلاح کی،کتنے ہی اہل دل نے آپ کے آتش کدۂ معرفت سے حرارت ایمانی حاصل کی

www.alislahonline.com

اورایک عالم تک آپ کا فیض پہنچا۔تصنیفات کی کثرت اور تنوع کے اعتبار سے معاصرین ہی کا نہیں پہلوں میں بھی آپ کی نظیریں کم ہی مل پائیں گی۔

با قاعدہ کتابوں کے علاوہ آپ کے خطبات ومواعظ میں بھی کثرت سے علمی جواہر ریزے بکھرے پڑے ہیں۔ایک بہت بڑی ضرورت تھی کہ ان کو عنوان وارجمع کردیا جائے،تاکہ ''خرمن اشرفی'' کے خوشہ چینوں کو بہ آسانی اس سے استفادہ کا موقع مل سکے۔اور وہ باہم مربوط ومسلسل ہوجائیں۔

نوجوان اور لائق فاضل جناب مولانا مفتی محمد زید صاحب (جو ماشاء اللہ اہم علمی اور فقہی موضوعات پر لکھتے رہتے ہیں) کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس اہم کام کی توفیق مقدر رکھی تھی۔چنانچہ مختلف علمی اور اصلاحی موضوعات پر حضرت تھانوی کے افادات جمع کررہے ہیں۔اس کے لئے ہزاروں صفحات کی ورق گردانی پوری یکسوئی کے ساتھ مطالعہ،پھر مختلف مضامین کے لئے موضوع وعنوان کی تعیین،اس کے بعد تسوید اور ربط وتسلسل کا لحاظ رکھتے ہوئے جمع وترتیب کا کام کرنا ہوتا ہے اور اہل ذوق ان مراحل کے پس پشت محنت وکوشش کا بہ آسانی انداز کرسکتے ہیں۔اسی سلسلہ کا ایک اہم مجموعہ مولانا موصوف نے ''تبلیغ دین'' کے عنوان پر مرتب کیا ہے جو علماء وعوام،قومی اور ملی کارکنوں اور دعوت دین کا کام کرنیوالوں کیلئے یکساں قابل استفادہ ہے،دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اور دین کی خدمت لے اوران کے ہاتھوں اس عظیم الشان کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔وباللہ التوفیق:۔

مجاہدالاسلام قاسمی

۲۳رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ